جلد دوم

مکتبہ قاسمیہ

۱۷- اردو بازار، لاہور

مکتبہ قاسمیہ

۱۷- اردو بازار، لاہور

نام کتاب	....	جواہر پارے (۲)
مصنف	....	مولانا نعیم الدین صاحب
صفحات	....	۳۴۴
طبع دوم	....	صفر المظفر ۱۴۲۴ھ / اپریل ۲۰۰۳ء
پریس	....	اصغر پرنٹنگ پریس
کاتب	....	غلام رسول طاہر
ناشر	....	مکتبہ قاسمیہ اُردو بازار، لاہور
تعداد	....	۱۱۰۰
قیمت	....	

آغازِ سخن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

راقم الحروف نے چند سال پیشتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" میں "حاصلِ مطالعہ" کے عنوان سے ایک مسلسل مضمون لکھنا شروع کیا تھا جس میں دورانِ مطالعہ کتاب و سُنّت اور کتبِ تاریخ و ادب میں بکھرے ہوئے دلچسپ اور سبق آموز واقعات، نیز علمی و ادبی لطائف اور معلوماتی نکات بیان کیے جاتے رہے۔

ناچیز؛ اللہ تعالیٰ کے حضور میں سپاس گزار ہے کہ اس کے فضل و کرم سے یہ سلسلہ وار مضمون توقع سے بڑھ کر مقبول ہوا چنانچہ اس مضمون کی چارسالہ اقساط "جواہر پارے" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئیں تو عوام نے انہیں قبولیت کے ہاتھوں لیا، حوصلہ افزائی کی، قیمتی آراء و مشوروں سے نوازا، بعض جرائد میں اس پر جاندار تبصرے لکھے گئے اور بہت سے دوستوں کی طرف سے پرجوش تہنیت کے خطوط موصول ہوئے اور اس سلسلہ کو آگے جاری رکھنے کا تقاضا کیا گیا۔

راقم آثم نے احباب کے پیہم اصرار پر یہ سلسلہ جاری رکھا اور اس طرح مزید تین سال کی اقساط جمع ہوگئیں۔ اب یہ تین سالہ اقساط جو حجم میں پہلی اقساط

سے بھی زیادہ ہیں، اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے "جواہر پارے" (جلد دوم) کے نام سے شائع کی جا رہی ہیں، حسب سابق ان جواہر پاروں میں بھی کسی خاص ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا، بلکہ حسب اتفاق جو چیزیں میسر آتی رہیں ان کو درج کیا جاتا رہا، اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ناچیز کی اس حقیر کاوش کو قبول فرما کر مزید کی توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں قارئین سے گزارش ہے کہ اگر وہ اس کتاب میں کسی قسم کی کوئی خامی پائیں تو احقر کو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔ وما علینا الا البلاغ۔

نعیم الدین

۲۸، رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ

فہرست مضامین

آغازِ سخن ۳
فہرست مضامین ۵
محبّتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم ۱۳
خشیت الٰہی ۱۴
احترامِ علم ۱۴
احترامِ استاذ ۱۵
استاذ کی محبّت ۱۶
شاگرد کی محبّت ۱۷
مسلمان مقدمہ ہار گئے اسلام مقدمہ جیت گیا ۱۷
اچھے یا بُرے ہونے کا مدار خاتمہ پر ہے ۱۹
تقلید ۲۴
صدقہ سے شفاء امراض ۲۷
نظرِ بد کا اثر حق ہے ۳۰
حضرت سہل بن حنیفؓ کو نظر لگنے کا واقعہ ۳۱
رمضان اور قرآن ۳۴
قرآن پاک کی اثر انگیزی ۳۴
ایک سوال کا جواب ۵۴
دولت مندی کے ساتھ خدا کی یاد ۵۵

نہ مرد ست آنکہ دنیا دوست دارد ۵۵
دل بیار و دست بکار ۵۷
حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا جذبہ ایثار و ہمدردی ۵۸
صحابہ کرامؓ جیسی دو رکعت نماز پڑھنا سکھا دیجئے ۶۰
جب ایمان کار فرما ہوتا ہے ۶۷
حضرت علیؓ کو کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ کہنے کی وجہ ۷۱
اخلاص و للّٰہیت ۷۱
شیخ ابوالحسین نوریؒ کا اخلاص ۷۲
حضرت شیخ الہندؒ کا اخلاص ۷۵
اخلاص کی برکت سے بغداد کا مدرسہ نظامیہ بچ گیا ۷۶
ہم کو اللہ کی نماز ادا کرنی تھی وہ کرلی ۷۹
عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ ۷۹
علمی غیرت ۸۰
شانِ استغناء ۸۵
عشق عجیب چیز ہے ۸۷
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں ۸۹
کتاب و سُنّت میں طِبّ و حکمت ۹۱
امام کرخیؒ کا بیت المال سے وظیفہ لینے سے انکار ۹۲
میں نہیں چاہتا کہ اللہ کی حرام کردہ چیز استعمال کرکے اللہ سے ملوں ۹۳
حضرت عبد اللہ اندلسیؒ کا عبرت آموز واقعہ ۹۵
ایک بڑھیا کے درہم کی برکت ۱۰۶

سماج کا تاریک ترین پہلو ۱۰۷
نیک نفس قاضی ۱۰۸
درویشی میں مزدوری ۱۱۰
دو آنکھیں ۱۱۲
دو قدم ۱۱۳
دو قطرے اور دو نشان ۱۱۳
دو گھونٹ ۱۱۴
تین اہم باتیں ۱۱۴
عقل مند اور بیوقوف ۱۱۵
حضرت حاتمؒ اور قاضی ری کے درمیان مکالمہ ۱۱۶
محمود و ایاز ۱۲۰
دعوت و تبلیغ کا ایک زرّیں اصول ۱۲۷
حضرت عمرؓ کی مصلحین کے لیے ایک عظیم ہدایت ۱۲۹
جنتی شخص ۱۳۲
عاجزی ۱۳۴
شیطان کی عیّاری ۱۳۵
کفار کے ساتھ مشابہت ۱۳۸
قلب میں ظلمتیں ۱۳۹
ایک عجیب عبرت انگیز حکایت ۱۴۰
اس کو ہولی کھیلنے والوں کے ساتھ لے جاؤ ۱۴۳
یہ بُت فروش ہے ۱۴۳

رمضان اور قرآن ۱۴۵

حفاظتِ قرآن ۱۴۵

حضرت مولانا مفتی محمودؒ کا حیرت انگیز کمال ۱۴۸

علماء دیوبند کی خصوصیت ۱۵۰

جنابِ صدر : ان مقرر صاحب کو لگام دیجئے ۱۵۱

مولانا آپ ہندوستانی عالم نہیں بلکہ فرشتہ ہیں ۱۵۳

احترامِ استاذ ۱۵۴

حدیث شریف کا احترام ۱۵۵

تین قسم کے قاضی ۱۵۶

جائے عبرت ۱۵۸

ظلم کا انجام ۱۶۰

اذان : جسکی آواز ہر وقت پوری دُنیا میں گونجتی رہتی ہے ۱۶۲

قربانی : ۱۶۴

ایک بلی کے ایثار و قربانی کا حیرت انگیز واقعہ ۱۶۶

ہنسنے اور رونے کا معیار ۱۶۷

آیاتِ شفاء ۱۶۸

وُسعت ظرفی اور مروّت و اَخلاق ۱۷۰

اخلاقیات کی تین باتیں ۱۷۵

بے وفائی کی دس باتیں ۱۷۵

ایک نابینا بزرگ کی کرامت ۱۷۷

مسلمانی اور جواں مردی ۱۷۸

حضرت شقیق بلخیؒ کی توبہ ۱۷۹

مَیں نے اخلاص ایک حجام سے سیکھا ۱۸۰

فیصلہ ہفت مسئلہ ۱۸۲

تقویٰ ؟ ۱۸۶

چار چیزیں ۱۸۷

حسنِ اتفاق ۱۸۸

نیکی کے ارادہ پر اجر ۱۹۰

حدیث شریف میں کسی عمل پر ذکر کردہ
وعید کو معمولی سمجھ کر عمل کر لینے کا انجام ۱۹۲

میت پر نوحہ اور بین کرنے سے میت کو عذاب ہوتا ہے ۱۹۴

اپنی امانت اللہ کے سپرد کرنے والے شخص کا عجیب واقعہ ۱۹۸

ضیاء القلوب ۲۰۰

آدمی کا پیٹ قبر کی مٹی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بھر سکتی ۲۰۵

نصیب اپنا اپنا ۲۰۷

سلطان محمود کا عدل و انصاف ۲۰۸

حلم و عفو ۲۱۲

تندرستی ہزار نعمت ہے ۲۱۳

رمضان اور قرآن ۲۱۵

حسنِ انسانی کا ایک عجیب واقعہ ۲۱۵

انسانی تخلیق تین اندھیروں میں ۲۱۷

انسانی تخلیق کے سات مدارج ۲۱۸

شبِ قدر کی تعیین میں ایک عجیب لطیفہ ۲۱۹
کھجور کے سات اطوار ۲۲۰
کھجور کی گٹھلی میں چار چیزیں ۲۲۲
انسان کی عمر کے چار مراتب ۲۲۴
تقوٰے ۲۲۶
علامہ ابن سیرینؒ کا تقوٰے ۲۲۷
امام ابو حنیفہؒ کا تقوٰے ۲۳۰
مشتبہ چیز کھانے سے اجتناب ۲۳۰
مال کا عیب نہ بتلانے کی وجہ سے ساری رقم صدقہ کردی ۲۳۱
امام صاحبؒ کے تقوٰے کے سبب مجوسی نے اسلام قبول کرلیا ۲۳۲
نظر کی حفاظت ۲۳۳
امام ابو حنیفہؒ تاجدارِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ۲۳۴
حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا تقوٰے ۲۳۷
حضرت بشر حافیؒ کی ہمشیرہ کا تقوٰے ۲۳۸
حضرت نانوتویؒ کا تقوٰے ۲۴۲
حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کا تقوٰے ۲۴۲
حضرت تھانویؒ کا تقوٰے ۲۴۳
حضرت مدنیؒ کا تقوٰے ۲۴۴
غیرتِ انسانی کا عجیب واقعہ ۲۴۵
غیرتِ دینی کا عجیب واقعہ ۲۴۶
عیب گوئی سے احتراز ۲۴۶

ایک عجیب نسب نامہ	۲۴۷
صبر، فقر، قوت	۲۴۸
اسلام اور ہندو مت پر مناظرہ	۲۴۹
تحصیل علم کا شوق	۲۵۰
طالب علم کے ساتھ حسن سلوک کا صلہ	۲۵۲
علم کی قدردانی	۲۵۳
حضرت لبابہ بنت حارث	۲۵۴
حضرت لبابہؓ کے چھ صاحبزادے	۲۵۵
حضرت بایزید بسطامیؒ کا ایک پادری سے مکالمہ	۲۵۹
الفضل ما شهدت	۲۷۵
جذبۂ ہمدردی	۲۷۶
زندہ جنازے	۲۷۷
ہماری عبادت کی حقیقت (ایک بدوی کا تحفہ)	۲۸۰
زبان کا محاسبہ	۲۸۲
دو عجیب باتیں	۲۸۳
افضل الجہاد	۲۸۶
حضرت ابن عمرؓ کا حجاج کے سامنے کلمۂ حق کہنا	۲۸۷
حضرت سعید بن جبیرؓ کی حجاج سے گفتگو	۲۸۸
حضرت سعید بن مسیبؒ کی بے باکی	۲۹۵
امام اوزاعیؒ کی حق گوئی	۲۹۶
محدث ابن ابی ذئبؒ کا کلمۂ حق	۲۹۹

حضرت یزید بن ابی حبیبؒ کا کلمۂ حق	۳۰۱
امام اعمشؒ کی حق گوئی	۳۰۲
حضرت امام اعظمؒ کی جرأت واستقامت	۳۰۳
امام مالکؒ کی حق گوئی	۳۰۹
مقاتل بن سلیمانؒ کا کلمۂ حق	۳۱۱
قاضی بکار بن قتیبہؒ کا غلط فتوے دینے سے انکار	۳۱۱
حضرت شیخ الہندؒ کا غلط فتوے پر دستخط سے انکار	۳۱۵
ابن السکیتؒ کی حق گوئی	۳۱۶
قاضی شمس الدینؒ کی جرأت	۳۱۷
حضرت مدنیؒ کا تاریخ ساز بیان	۳۱۸
مسلمانوں کے زوال کا ایک سبب	۳۲۰
زکوٰۃ کی برکات	۳۲۲
قوتِ حافظہ کی ایک عجیب مثال	۳۲۴
مَیں نے حنفیت کو کیوں اختیار کیا ؟	۳۲۵
پہلی وجہ	۳۲۵
دوسری وجہ	۳۲۶
تیسری وجہ	۳۲۷
اولیاء اللہ کا وجود	۳۲۸
وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ	۳۳۰
اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ	۳۳۴
کتابیات	۳۳۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عباسی حکمران محمد مہدی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات سے اس قدر عقیدت و محبت تھی کہ وہ آپ کی جانب کسی چیز کی جھوٹی نسبت کا بھی بڑا احترام کرتا تھا خطیب بغدادی نے مہدی کا ایک واقعہ لکھا ہے جس سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

"حسن الوصیف کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مہدی نے دربارِ عام کیا تو ایک شخص رومال میں ایک جوتا لپیٹ کر لایا اور کہا کہ: امیر المؤمنین یہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعل مبارک ہے۔ آپ کی خدمت میں ہدیہ کے لیے لایا ہوں، مہدی نے اسے لے کر بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا اور اس شخص کو دس ہزار درہم عطا کیے، اس کے جانے کے بعد مہدی نے حاضرین سے کہا: میں جانتا ہوں کہ اس جوتے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ بھی نہیں پڑی پہننا تو دُور کی بات ہے، لیکن میں نے اس کو صرف اس لیے لے لیا کہ وہ شخص کہتا پھرتا کہ میں امیر المؤمنین کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا لے گیا اور انہوں نے واپس کر دیا، اس صورت میں اس کی تصدیق کرنے والے زیادہ ہوتے اور مدافعت کرنے والے کم۔" [1]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۵ ص ۲۹۴

خشیتِ الٰہی

خلیفہ مہدی شاہی جاہ و جلال کے باوجود اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتے تھے، چنانچہ حسن الوصیف کا بیان ہے کہ: مہدی کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ ہوا کا اتنا سخت طوفان آیا کہ معلوم ہوتا تھا حشر برپا ہو جائے گا، میں امیر المؤمنین کی تلاش میں نکلا، دیکھا تو وہ رخساروں کو فرشِ خاک پر رکھے دعا میں مصروف ہیں۔

"خدایا اُمتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت فرما، خدایا ہمارے دشمنوں کو ہماری تباہی پر ہنسنے کا موقع نہ دے، خدایا اگر تُو نے میرے گناہوں کی پاداش میں عالم کی گرفت کی ہے تو یہ پیشانی تیرے حضور میں حاضر ہے۔"

حسن الوصیف کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ہوا کا طوفان تھم گیا اور وہ حالت جاتی رہی[1]۔ کاش کہ موجودہ دور کے حکمران اس سے عبرت حاصل کریں،

احترامِ علم

علامہ سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) تحریر فرماتے ہیں:

بغویؒ نے "جعدیات" میں حمدان اصفہانی سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ قاضی شریکؒ (م ۱۷۰ھ) کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ اُن کے پاس خلیفہ مہدی کا بیٹا آیا اور ٹیک لگا کر اُن سے حدیث پوچھی آپ نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، اُس

---

[1] تاریخ طبری ج ۶ ص ۳۹۶

نے دوبارہ پُوچھا آپ نے پھر بھی کوئی توجہ نہیں کی، لڑکے نے کہا: آپ خلفاء کی اولاد کی توہین کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ بات نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ مَیں علم کی ناقدری نہیں کرتا، اس کا احترام کرتا ہُوں شہزادہ سمجھ دار تھا سمجھ گیا اور گھٹنے ٹیک کر حدیث دریافت کی، قاضی صاحبؒ نے فرمایا "هٰكَذَا يُطْلَبُ الْعِلْمُ" ہاں اس طرح علم حاصل کیا جاتا ہے[1]

احترامِ استاذ

"شیخ برہان الدین زرنوجی رحمہ اللہ (م) فرماتے ہیں:

"خلیفہ ہارون رشید نے اپنے لڑکے (مامون رشید) کو علم و ادب کی تعلیم کے لیے امام اصمعیؒ کے سپرد کر دیا تھا، ایک دن (اتفاقاً ہارون وہاں جا پہونچے) دیکھا کہ اصمعیؒ وضو کرتے ہوئے اپنے پاؤں دھو رہے ہیں اور شہزادہ پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے، ہارون نے بڑی برہمی سے فرمایا:

"میں نے تو اس کو آپ کے پاس اس لیے بھیجا تھا کہ آپ اس کو ادب سکھائیں گے، آپ نے شہزادے کو یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ ایک ہاتھ سے پانی ڈالے اور دوسرے ہاتھ سے آپ کا پاؤں دھوئے[2]

شیخؒ کی زبانی احترامِ استاذ کا ایک واقعہ اور سُنتے چلیں:

شیخ برہان الدینؒ فرماتے ہیں:

"ہمارے استاذ برہان الدینؒ (ابوالحسن علی بن ابوبکر فرغانی) ہدایہ کے مصنف یہ حکایت سُنایا کرتے تھے کہ کبار ائمہ بخارا میں سے

---

[1] تاریخ الخلفاء عربی صفحہ ۲۷۵، [2] تعلیم المتعلم عربی صفحہ ۳۴۔

ایک امام مجلس درس میں تشریف رکھتے تھے، کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ دوران درس آپ کھڑے ہو ہو جاتے، شاگردوں نے اس کی وجہ پوچھی، فرمایا : میرے اُستاذ کا بیٹا بچوں کے ساتھ گلی میں کھیلتا ہے اور کبھی کبھی کھیلتا ہُوا مجلس درس کے دروازے پر آجاتا ہے) جب میں اس کو دیکھتا ہُوں تو اپنے اُستاذ کے احترام میں کھڑا ہو جاتا ہوں" ؎١

اُستاذ کی محبت

اُستاذ کا ادب و احترام تو اپنے اپنے ظرف کے مطابق سب ہی کرتے ہیں، لیکن اُستاذ سے حد درجے عقیدت و محبّت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ راقم الحروف نے دورانِ مطالعہ اُستاذ سے محبّت و عقیدت کا ایسا واقعہ پڑھا کہ عقل حیران رہ گئی، آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں :

" عصرِ جدید کا ذہن شاید اس پر ہمیشہ حیرت کرے کہ ہندوستان کے مشہور عالم اور جہاندیدہ استاذ ملا نظام الدین لکھنویؒ (م ۱۱۶۱ھ) صاحبِ درسِ نظامی کی خبرِ وفات سُن کر اُن کے ایک شاگرد سید کمال الدین عظیم آبادیؒ کا صدمہ سے انتقال ہوگیا اور دوسرے شاگرد سید ظریف عظیم آبادی کی روتے روتے آنکھیں خراب ہوگئیں بعد میں معلوم ہُوا کہ یہ (استاذ کی وفات کی) خبر غلط تھی،، ؎٢

؎١ تعلیم المتعلم ص ٢٣ ؎٢ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ٣٦٣

شاگرد کی محبت

مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ (م ۱۳۷۵/۱۹۵۶ء) تحریر فرماتے ہیں:

"کوئی یقین کرسکتا ہے اس قصہ کا جس کے راوی مولانا آزاد بلگرامی ہیں، استاذ شاگرد کے تعلقات کہاں تک پہنچے ہوئے تھے، ملا محمود جونپوری صاحب "شمس بازغہ" جن کا ذکر مختلف حیثیتوں سے پہلے بھی گزر چکا ہے ان کے حالات میں مولانا (آزاد) رقمطراز ہیں کہ ملا محمود کی وفات بالکل جوانی میں ہوئی۔ اُن کے اُستاذ مولانا محمد افضل جنہیں شاہ جہاں کے دربار سے اُستاذ الملک کا خطاب ملا تھا اُس وقت زندہ تھے، سُنیے اُستاذ کو خبر ملتی ہے کہ شاگرد مرگیا۔

تا چہل روز استاذ را کسے	چالیس دن تک کسی نے
بہ تبسم نہ دید و بعد چہل روز استاذ	استاذ کے لبوں پر مسکراہٹ
بہ شاگرد ملحق شد، شخصے ایں	نہیں دیکھی (بالآخر) چالیس
مصرعہ تاریخ یافت: زِ محمود و	روز بعد استاذ شاگرد سے
افضل بگو آہ آہ" [1]	جا ملے۔

مسلمان مقدمہ ہار گئے اسلام مقدمہ جیت گیا

مولانا علی میاں رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

"انگریزی عمل داری کی ابتدا کا واقعہ ہے کہ ضلع مظفرنگر کے

---

[1] پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ج ۲ ص ۱۶

قصبے کاندھلہ میں ایک جگہ پر ہندو مسلمانوں کا تنازعہ ہُوا کہ یہ ہندوؤں کا معبد (عبادت گاہ) ہے یا مسلمانوں کی مسجد ؟ انگریز مجسٹریٹ نے فریقین کے بیانات سُننے کے بعد مسلمانوں سے تخلیہ میں پوچھا کہ کیا ہندوؤں میں کوئی ایسا شخص ہے جس کی صداقت پر آپ اعتماد کرسکتے ہیں اور جس کی شہادت پر فیصلہ کردیا جائے ؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں، ہندوؤں سے پوچھا تو انہوں نے کہا یہ بڑی آزمائش کا موقع ہے۔ معاملہ قومی ہے لیکن پھر بھی ایک مسلمان بزرگ ہیں جو کبھی جھوٹ نہیں بولتے، شاید وہ اس موقع پر بھی سچی ہی بات کہیں، یہ بزرگ مفتی الٰہی بخش صاحبؒ (تلمیذ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ خلیفہ حضرت سیّد احمد شہیدؒ) کے خاندان کے ایک بزرگ تھے (آپ کا اسم گرامی محمود بخش تھا، آپ مفتی الٰہی بخش صاحبؒ کاندھلوی کے حقیقی بھائی اور مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کے والد تھے۔ ۱۲۵۸ھ میں انتقال ہُوا، ناقل)[1]

مجسٹریٹ نے ان کے پاس چپراسی بھیج کر عدالت میں طلب کیا، اُنہوں نے فرمایا کہ مَیں نے قسم کھائی ہے کہ فرنگی کا منہ کبھی نہ دیکھوں گا۔ مجسٹریٹ نے کہا کہ آپ میرا مُنہ نہ دیکھیں، لیکن تشریف لے آئیں، معاملہ اہم ہے اور آپ کے یہاں تشریف لائے بغیر فیصلہ نہیں ہوسکتا، وہ بزرگ تشریف لائے اور پیٹھ پھیر کر کھڑے ہو گئے، معاملہ اُن کی خدمت

---

[1] بعض حضرات کو آپ کے نام کی تحقیق نہیں ہوسکی، اس لیے انہوں نے آپ کی جگہ اور کو ذکر کردیا۔ چنانچہ "ہم کیوں مسلمان ہُوئے"، کے مصنف عبدالغنی فاروق صاحب لکھتے ہیں "غالباً شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم کے والد محترم" (ہم کیوں مسلمان ہوئے صفحہ ۵۰۶) یہ غلط ہے صحیح یہی ہے کہ یہ بزرگ مفتی الٰہی بخشؒ کے حقیقی بھائی محمود بخش تھے۔ دیکھئے ماہنامہ الفرقان، مارچ ۱۹۸۱ء۔

میں عرض کیا گیا اور دریافت کیا گیا کہ آپ کا اس بارہ میں کیا علم ہے؟
ہندوؤں اور مسلمانوں کی نگاہیں اُن کے چہرے پر ہیں اور کان ان کے
جواب پر لگے ہوئے تھے جن پر اس اہم معاملہ کا فیصلہ ہونا ہے' ان بزرگ
نے فرمایا کہ صحیح بات تو یہ ہے کہ جگہ ہندوؤں کی ہے مُسلمانوں کا اس سے
کوئی تعلق نہیں، عدالت کا فیصلہ ہوگیا، جگہ ہندوؤں کو مل گئی مُسلمان
مقدمہ ہار گئے لیکن اسلام کی اخلاقی فتح ہوئی۔ صداقت اور اسلامی اخلاق
کے ایک مظاہرہ نے چند گز زمین کھو کر بہت سے غیر مسلم انسانوں کے
ضمیر اور دِل و دماغ جیت لیے بہت سے ہندو اسی روز اُن کے ہاتھ
پر مسلمان ہو گئے"۔ [1]

اچھے یا بُرے ہونے کا مدار خاتمہ پر ہے

ایک طویل حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔
"قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں'
کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص جنتیوں کے سے عمل کرتا رہتا
ہے یہاں تک کہ اُس کے اور جنّت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا
فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر نوشتۂ تقدیر آگے آجاتا ہے اور وہ دوزخیوں
کے عمل کرنے لگتا ہے اور انجام کار دوزخ میں چلا جاتا ہے اور (اسی
طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ) تم میں سے کوئی دوزخیوں کے سے
عمل کرنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے اور دوزخ کے درمیان

---

[1] انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۳۵۹

صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر نوشتۂ تقدیر آگے آجاتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرنے لگتا ہے اور جنت میں پہنچ جاتا ہے"۔[1]

اس حدیث شریف کا تعلق مسئلہ تقدیر سے ہے جس پر ایمان لانا ضروریاتِ دین میں داخل ہے، اس حدیث شریف سے معلوم ہو رہا ہے کہ کسی شخص کے اچھے یا بُرے ہونے کا فیصلہ اس کی زندگی میں نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اچھے یا بُرے ہونے کا مدار خاتمہ پر ہے اگر خاتمہ بالخیر ہو گیا تو وہ اچھا ہے اور اگر خدانخواستہ خاتمہ بالخیر نہ ہُوا تو بُرا ہے، حدیث شریف میں جو بات ذکر کی گئی ہے عموماً اس کا ظہور اس عالم میں ہوتا رہتا ہے، ماضی قریب کا ایک واقعہ راقم الحروف کی نظر سے گزرا، جی چاہا کہ قارئین کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس واقعہ کا تعلق حضرت سیّد احمد شہید رحمہ اللہ (شہادت ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) کے اُس آخری معرکۂ جہاد سے ہے جو بالاکوٹ کے میدان میں سکھوں کے ساتھ پیش آیا تھا اور اسی میں آپ کی شہادت واقع ہوئی تھی،

لیجئے ملاحظہ فرمائیے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"میاں خدابخش صاحب رام پوری کہتے ہیں کہ ضلع اجوری کا ایک شخص پنجتار سے حضرت (سیّد احمد شہیدؒ) کے لشکر میں شریک ہُوا تھا، اس کا نام معلوم نہیں کیا تھا، مگر راجہ کر کے مشہور تھا، جب اس نے شیر سنگھ کا لشکر دیکھا کہ سامنے پڑا ہے خدا معلوم اس کے دل میں کیا آیا کہ یکبارگی اپنے ہتھیار لے کر لشکرِ مجاہدین سے نکل کر شیر سنگھ کے لشکر میں چلا گیا اور ان میں شریک ہو گیا، تقدیرِ الٰہی سے اس کے جانے کے بعد شیر سنگھ کے

---

[1] بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ صنت

لشکر کا ایک سکھ حضرت کے پاس آکر مسلمان ہُوا اور غازیوں میں شریک ہُوا، حضرت نے اس کا نام عبداللہ رکھا، جس دن بالاکوٹ میں لڑائی شروع ہُوئی اور سکھوں نے غازیوں پر یورش کی تب وہ جو راجہ کر کے مشہور تھا ہتھیار باندھے سب سکھوں کے آگے تھا۔ ادھر کی گولی اس کے لگی اور وہ وہیں مردار ہُوا، اس کے بعد سکھوں کی طرف کی ایک گولی اس سکھ نومسلم کے لگی اور وہ اُسی جگہ شہید ہوگیا۔[1]

ایک عجیب واقعہ علامہ ابن حجر مکی ھیتمی رحمہ اللہ (م: ۹۷۴ھ) نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے قابلِ عبرت ہونے کے لحاظ سے درج کیا جاتا ہے۔

موصوف فرماتے ہیں:

"مصر میں ایک نیک مؤذن تھا، اس نے منارہ سے ایک نصرانی عورت کو دیکھ لیا، نتیجۃً اس پر فریفتہ ہوگیا، (بے چین ہوکر) اس عورت کے پاس گیا مگر اُس نے قبول نہ کیا کہ یہ اس کے پاس آئے کیونکہ لوگ شک کریں گے، مؤذن نے کہا کہ نکاح کرلو! وہ بولی کہ تم مسلمان ہو اس لیے میرے والد صاحب تم سے نکاح کرنے پر راضی نہیں ہونگے، وہ مؤذن بولا کہ میں نصرانیت کو اختیار کرلیتا ہوں، وہ عورت کہنے لگی کہ ہاں اس صورت میں تمہاری بات مان لی جائے گی، چنانچہ وہ مؤذن نصرانی بن گیا، اس عورت کے گھر والوں نے اس مؤذن سے وعدہ کرلیا کہ وہ اب اس لڑکی کو تمہارے پاس ہی بھیجیں گے، اُسی دن کی بات ہے کہ وہ کسی کام سے چھت پر چڑھا تو اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ نیچے

---

[1] سیرت سید احمد شہیدؒ ج ۲ ص ۴۲۴

گر کر مر گیا، اس مؤذن کی بدبختی کہ ہاتھ سے دین بھی گیا اور لڑکی بھی نہ ملی[1]

ایک دن راقم الحروف حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ کے ملفوظات "افاضات یومیہ" پڑھ رہا تھا اس میں اسی قسم کے دو ایک واقعات نظر سے گزرے چاہا کہ انہیں بھی نذرِ قارئین کر دیا جائے۔

ملاحظہ فرمائیے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں :

"لکھنؤ میں ایک خان صاحب تھے، رند مشرب، بڑے آزاد، دُنیا بھر کے عیوب اُن میں تھے عمر ڈھل چلی تھی اہلِ محلہ سمجھاتے کہ میاں ضعیفی کا زمانہ ہے اب تو توبہ کر لو، نماز شروع کر دو، وہ کہتے کہ اس سے کیا ملے گا، لوگ کہتے کہ جنت ملے گی، وہ کہتے کہ میاں جنت کے واسطے اس قدر محنت اور مشقت کون کرے، جنت کا لینا کیا مشکل ہے، ایک ہاتھ ادھر اور ایک ہاتھ اُدھر، بس سامنے سے کائی سی پھٹی چلی جائے گی اور جنت میں جا کھڑے ہوں گے، جس وقت مولانا امیر علی صاحب نے ہنومان گڑھی پر بُت پرستوں کے مقابلہ میں جہاد شروع کیا، خان صاحب کو معلوم ہُوا مولانا کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ مولانا کیا ہم جیسے گنہگاروں کو بھی اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں گے ؟ مولانا نے فرمایا کہ کون امر مانع ہے، خان صاحب ہاتھ میں تلوار لے کر میدان میں پہنچ گئے، واقعی ایک ہاتھ ادھر اور ایک ہاتھ اُدھر سامنے سے کائی سے پھٹ گئی، بڑی تعداد کفار کو ختم کر کے ایک کافر کے ہاتھ سے خان صاحب شہید ہو گئے اور جنت میں داخل ہو گئے[2]

---

[1] الزواجر عن اقتراف الکبائر ج ۱ ص ۱۴۷ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت۔

[2] افاضات یومیہ ج ۴ ص ۱۳۱ طبع ملتان۔

حضرت تھانویؒ مزید فرماتے ہیں :

"ایک شخص مارہرہ میں تھا، نہایت ہی اوباش، لااُبالی، لوگ کہتے کہ میاں خدا کو بھی مُنہ دکھلانا ہے اِن حرکات سے توبہ کرلو، جواب میں کہتا کہ میاں ہم جانیں اور ہمارے اللہ میاں، تم کون ہو دخل دینے والے، ایک دن دفعۃً بیٹھے بیٹھے بلبیاختہ اُس کے منہ سے نکلا کہ میاں میرا کیا حال ہوگا، پھر کوئی اور کلمہ دُنیا کا زبان سے نہیں نکلا، اور رونا شروع کیا اسی حالت میں دو تین روز کے بعد اِسی پر ختم ہوگیا اور جان دے دی،" ؎[1]

ان واقعات کو پڑھ کر ہمیں اپنی فکر کرنی چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ معلوم نہیں ہمارا انجام کیا ہوگا، اس کے ساتھ ساتھ ایمان کے تحفظ اور بقار کی کوشش کرنی چاہیئے جس کی صُورت یہ ہے کہ انسان نیک اعمال کرتا رہے اور اللہ تعالےٰ سے حُسنِ خاتمہ کی دُعا کرتا رہے۔

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ مسواک مرتے وقت کلمہ یاد دلاتی ہے لہٰذا اہتمام کے ساتھ مسواک کرتا رہے تاکہ مرتے وقت کلمہ نصیب ہوجائے۔ جس کو مرتے وقت کلمہ نصیب ہوگیا اُس کا حُسنِ خاتمہ یقینی ہے۔

علمار نے لکھا ہے کہ ایمان پر خاتمہ کے لیے اس دُعا کا پڑھنا مفید ہے، جو اس دُعا کو پڑھتا ہے اس کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے، دُعا یہ ہے :

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

---

[1] افاضاتِ یومیہ ج ۴ ص ۱۳۱۔

تقلید

"کسی شخص کی بات پر یہ حسنِ ظن رکھتے ہوئے کہ یہ صحیح بات بتلائے گا اعتماد کر لینا اور اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کرنا"[1] تقلید کہلاتا ہے،

تقلید کی دو قسمیں ہیں (۱) تقلیدِ مطلق (۲) تقلید شخصی،

تقلیدِ مطلق فرض اور تقلیدِ شخصی واجب بالغیر ہے دونوں کے دلائل کتاب و سُنّت میں تفصیلاً موجود ہیں۔ تقلید کا وجود قرونِ اُولیٰ سے چلا آرہا ہے اور اس کی ضرورت اور اہمیت کو ہر دَور میں محسوس کیا گیا ہے، چنانچہ بڑے بڑے جبالِ علم محدّثین، محققین، متکلمین اور کبار اولیاء اللہ ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی ایک امام کی تقلید کرتے رہے ہیں۔ اِس دَورِ پُرفتن میں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ دورِ جہالت کی کثرت، اخلاص کے فقدان اور نیتوں کے فتور کا دَور ہے جس میں نفسانیت اور انانیت عروج پر ہے جس کا سدِباب تقلید ہی سے ممکن ہے، لیکن کچھ لوگ تقلید کے شدت سے مخالف ہیں اور اپنی جہالت و نادانی کے سبب تقلید کے بارے میں مختلف قسم کے شکوک و شبہات کا شکار ہیں اور دوسروں کو بھی اس کا شکار کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ایک بزرگ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی جو "وکیل اہلِ حدیث" کہلاتے ہیں اُن کا ایک واقعہ اور ان کی ایک تحریر دورانِ مطالعہ راقم کی نظر سے گزری جس سے تقلید کی ضرورت و اہمیت اور ترکِ تقلید کی مضرت اور اس کے بھیانک نتائج کا پتہ چلتا ہے، جی چاہا کہ وہ واقعہ اور تحریر نذرِ قارئین کی جائے ملاحظہ فرمائیے:

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی (م ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء) تحریر فرماتے ہیں۔

---

[1] آسان انداز میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ "تقلید کتاب و سُنّت پر ائمہ کرام کی تشریح کے مطابق عمل کرنے کا نام ہے"۔

" مولوی محمد حسین صاحب نے (حضرت[1] والا کو لکھا کہ مجھے تنہائی میں آپ سے بعض مسائل میں گفتگو کرنی ہے، مگر شرط یہ ہے کہ آپ کا کوئی شاگرد بھی وہاں موجود نہ ہو۔ حضرت نے منظور فرما کر جواب تحریر فرمایا کہ تشریف لے آئیں۔ محمد طیّب) چنانچہ مولانا موصوف حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر وہی عرض کیا کہ تنہائی میں آپ سے کچھ باتیں کرنی چاہتا ہوں، اجازت دے دی گئی۔

جہاں تک یاد پڑتا ہے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ ہی سے یہ بات فقیر نے سُنی تھی، فرماتے تھے کہ حجرہ بند کر دیا گیا، ہم طلبہ باہر تھے۔ دونوں میں گفتگو ہونے لگی۔ ہماری طالب علمی کا زمانہ تھا، بے اختیار جی چاہا کہ اس گفتگو کو کسی طرح سُننا چاہیئے (میں اسی دروازے سے لگ کر بیٹھ گیا جس کے متصل ہی اندر یہ حضرات بیٹھے تھے، حضرت والا نے مولانا سے فرمایا کہ دیکھیے جس مسئلہ میں بھی گفتگو فرمانی ہو اس میں دو باتوں کا خیال رکھیے۔ ایک یہ کہ مسئلہ زیر بحث حنفیہ کا مذہب بیان فرمانا آپ کا کام ہوگا اور دلائل بیان کرنا میرا کام ہوگا۔ دوسرے یہ کہ میں مقلد امام ابوحنیفہ کا ہوں، اس لیے میرے مقابلہ میں آپ جو قول بھی بطورِ معارضہ پیش کریں وہ امام ہی کا ہونا چاہیے۔ یہ بات مجھ پر حجّت نہ ہوگی کہ شامی نے یہ لکھا ہے، اور صاحب درمختار نے یہ فرمایا ہے۔ میں اُن کا مقلد نہیں۔ چنانچہ فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، آمین بالجہر وغیرہ بہت سے مختلف فیہ مسائل زیر گفتگو آئے اور حسب شرائط طے شدہ مولانا محمد حسین صاحب مذہبِ احناف بیان

---

[1] حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ

فرماتے ، اور حضرت والا دلائل سے اسے ثابت کرتے حضرت کی تقریروں کے درمیان مولانا محمد حسین صاحب جھوم جھوم جاتے اور بعض اوقات تو جوش میں سبحان اللہ سبحان اللہ کہتے کہتے کھڑے ہونے کے قریب ہو جاتے۔ جب گفتگو ختم ہو چکی تو، محمد طیب) مولوی محمد حسین صاحب کی زبان سے بے ساختہ یہ فقرہ نکلا کہ

"مجھے تعجب ہے کہ آپ جیسا شخص اور مقلد ہو (یعنی بایں زور علم وفراست وقوت استنباط تقلید کے کیا معنی ہے"

جواب میں حضرت شیخ الہند کہتے تھے میں نے سنا حضرت والا ارشاد فرما رہے ہیں،

" اور مجھے تعجب ہے کہ آپ جیسا شخص اور غیر مقلد ہو (یعنی مدعی اجتہاد ہو)" [۱]

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی پہلے تقلید کے مخالف اور ترک تقلید کے پُرزور حامی تھے لیکن مسلسل تجربات کے بعد جب ترکِ تقلید کی مضرتوں کا احساس ہوا تو وہ اس کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکے، چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، ان میں سے بعض عیسائی ہو جاتے ہیں اور بعض لا مذہب جو کسی دین و مذہب کے پابند نہیں رہتے ، اور احکام شریعت سے فسق وخروج تو آزادی کا ادنیٰ نتیجہ ہے ان فاسقوں میں بعض تو کھلم کھلا جمعہ جماعت

---

[۱] سوانح قاسمی ج ۲ ص ۲۲

نماز اور روزہ چھوڑ بیٹھتے ہیں، سود، شراب سے پرہیز نہیں کرتے اور بعض جو کسی مصلحتِ دنیاوی سے فسق ظاہری سے بچتے ہیں وہ فسقِ مخفی میں سرگرم رہتے ہیں، ناجائز طور پر عورتوں کو نکاح میں پھنسا لیتے ہیں ناجائز حیلوں سے لوگوں کے اور خدا کے مال و حقوق کو دبا رکھتے ہیں، کفر و ارتداد و فسق کے اسباب دُنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لیے بے علمی کے ساتھ ترکِ تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔" [1]

الحمد للہ! ہم مسائل اجتہادیہ میں امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں۔

اجتہادی مسائل میں کتاب وسنّت پر عمل کی جو راہ آپ نے بتلائی ہے اُس پر عمل کرتے ہیں اسی لیے ہم اپنے آپ کو "حنفی" کہلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر استقامت نصیب فرمائے اور آخرت میں حضرت امام صاحبؒ کا ساتھ نصیب فرمائے، آمین۔

صدقہ سے شفاءِ امراض

ہماری بداعمالیوں کے سبب روز بروز ایسے ایسے امراض پیدا ہوتے جا رہے ہیں جو ہمارے بڑے بوڑھوں نے سُنے بھی نہیں تھے، پھر اُن کے علاج معالجہ میں لوگوں کے لاکھوں روپے صرف ہوتے ہیں لیکن کلیۃً شفا حاصل نہیں ہوتی جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ لوگ وہ اعمالِ بد نہیں چھوڑتے جو اِن امراض کا سبب ہیں، دوسرے وہ اُن اسباب کو اختیار نہیں کرتے جن سے شفاء ملتی ہے، اگر لوگ اُن اعمالِ بد کو چھوڑ دیں جو بیماریوں کا سبب ہیں اور اُن اسباب کو اختیار کرلیں جن سے شفاء ملتی ہے تو اکثر بیماریاں ختم ہو جائیں۔

---

[1] اشاعت السنۃ ج ۱۱ ش ۲ ص ۵۳

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماریوں کے دفعیہ میں جہاں گناہوں کے چھوڑنے اور دوا دارو کرنے کو دخل ہے وہیں صدقہ وخیرات کو بھی بڑا دخل ہے۔ صدقہ کرنے سے بڑی بڑی تکالیف اور بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"حَصِّنُوْا اَمْوَالَكُمْ بِالزَّكٰوةِ وَ دَاوُوْا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ وَاَعِدُّوْا لِلْبَلَاءِ الدُّعَاءَ" [1]	اپنے مالوں کی قلعہ بندی (اور حفاظت) کرو زکوٰۃ کے ذریعہ اور اپنے مریضوں کا علاج کرو صدقہ و خیرات کے ذریعہ اور بلاؤں (کے دفعیہ) کے لیے دعا (کا ہتھیار) تیار کرو۔

مولانا محمد عبداللہ صاحب رفیق ندوۃ المصنفین دہلی نے اس حدیث شریف کو اپنی کتاب "انتخاب الترغیب والترہیب" میں ذکر کرکے صاحب کتاب علامہ منذری (م ۶۵۶ھ/۱۲۵۹ء) سے اس حدیث کے ذیل میں صدقہ سے شفاءِ امراض کے واقعات بھی نقل کیے ہیں۔ قارئین مولانا محمد عبداللہ صاحب کی زبانی اس حدیث کی تشریح اور وہ واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

موصوف تحریر فرماتے ہیں:

"اس مضمون کی تائید اُن تمام روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں صدقہ، خیرات کے ذریعہ بلاؤں اور آفتوں کا دُور ہونا اور غضبِ الٰہی کا ٹھنڈا ہونا بیان ہُوا ہے۔ حدیثِ مذکور میں خاص طور پر بیماروں کے لیے صدقے کا مفید ہونا بیان کیا گیا ہے اور بلاشُبہہ یہ ایک کامیاب اور مجرب طریقہ

---

[1] مجمع الزوائد ج ۳ ص ۶۳

علاج اور شفاء حاصل کرنے کا ایک بہت مختصر اور قریبی راستہ ہے۔

مصنفِ کتاب حافظ ذکی الدین المنذری نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ مشہور امامِ حدیث عبداللہ بن مبارکؒ کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور بیان کیا کہ میرے گھٹنے میں سات سال سے ایک پھوڑا ہے میں ہر قسم کا علاج کرچکا ہوں اور بہت سے طبیبوں سے مشورہ کرچکا ہوں لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا: جاؤ اور کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جہاں لوگوں کو پانی کی تنگی ہو اور وہاں تم ایک کنواں بنوا دو، مجھے اُمّید ہے کہ اُدھر زمین سے چشمہ اُبلنا شروع ہوگا اور اِدھر ساتھ کے ساتھ تمہارا خُون بہنا بند ہوجائے گا چنانچہ اس شخص نے ایسا ہی کیا اور بفضلہ تعالےٰ شفایاب ہوگیا۔

اس واقعہ کے ناقل امام بیہقیؒ یہاں فرماتے ہیں کہ ہمارے استاذ امام ابوعبداللہ حاکمؒ کا بھی اسی قسم کا ایک واقعہ ہے۔ ان کے چہرے پر پھنسیاں ہوگئیں ہر طرح کا علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا اور اسی میں تقریباً ایک سال گزر گیا، ایک روز اُنہوں نے امام ابوعثمان الصابونیؒ کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ اپنی جمعہ کے روز کی مجلس میں میرے لیے دُعا فرمائیں۔ چنانچہ انہوں نے دُعا فرمائی اور سب لوگوں نے خوب توجہ سے آمین کہی، جب دُوسرا جمعہ آیا تو ایک خاتون نے مجلس میں امام ابوعثمانؒ کی خدمت میں ایک پرچہ پہنچایا کہ میں گزشتہ جمعہ کو جب یہاں سے گھر واپس لوٹی تو میں نے گھر جاکر بھی رات کو امام عبداللہ حاکمؒ کے لیے خُوب گریہ وزاری کے ساتھ دُعا کی، اسی شب مجھے سرکارِ دوعالم حضرت محمّد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت ہُوئی۔ آپ ارشاد فرماتے تھے کہ قُولِی لِاَبِی عَبدِ اللہِ

يُوَسِّعُ الْمَاءَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ ۔ (ابو عبداللہ حاکم سے کہہ دینا کہ مسلمانوں کے لیے پانی کی فراوانی کردیں) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ میں یہ رقعہ لے کر امام ابو عبداللہؒ کے پاس پہنچا انہوں نے پرچہ دیکھتے ہی اپنے گھر کے سامنے سبیل قائم کرنے کا حکم دے دیا، چنانچہ سبیل تعمیر ہوئی اور وہاں پانی بھرا گیا اور برف ڈالا گیا اور لوگ پانی پینے لگے ۔ بیہقیؒ کا بیان ہے کہ ایک ہفتہ بھی گزرنے نہیں پایا تھا کہ شفاء کے آثار ظاہر ہونے لگے اور جلد ہی تمام پھنسیاں ٹھیک ہوگئیں اور چہرہ پہلے کی طرح بالکل صاف وبے داغ ہوگیا اور وہ اس کے بعد کئی سال زندہ رہے ۔

ہمارے علم میں کئی ایسے لوگ ہیں جو اپنی بیماریوں اور دیگر مشکلات میں یہی طریقہ اپناتے ہیں اور انہیں فائدہ ہوتا ہے، بعض اہلِ علم نے بالکل درست لکھا ہے کہ دوا دارو کے مروّجہ حسّی طریقوں کے مقابلہ میں یہ طریقہ زیادہ نفع بخش ہے۔" [1]

نظرِ بد کا اثر حق ہے

قرآن پاک میں حضرت یوسف علیہ السّلام کے واقعہ میں مذکور ہے کہ جب برادرانِ یوسف دوسری بار غلّہ لینے کے لیے مصر جانے لگے تو ان کے والد جناب یعقوب علیہ السّلام نے اُن سے فرمایا کہ "تم سب کے سب ایک ہی دروازے سے نہ جانا بلکہ علیحدہ علیحدہ دروازوں سے جانا" [2] مفسّرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السّلام نے بیٹوں کو علیحدہ علیحدہ دروازوں سے جانے کا حکم اس اندیشہ کی وجہ سے دیا تھا کہ کہیں اکٹھے جانے سے انہیں نظر نہ لگ جائے ۔

---

[1] انتخاب الترغیب والترہیب مترجم جلد دوم صـ۲۶۳ ، [2] ۱۲ : ۶۷

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو نظر لگ جانا اور اس سے کسی دوسرے انسان یا جانور وغیرہ کو تکلیف ہو جانا یا نقصان پہنچ جانا حق ہے۔ محض جاہلانہ وہم وخیال نہیں، حدیث شریف سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الْعَیْنَ لَتُدْخِلُ الرَّجُلَ الْقَبْرَ وَالْجَمَلَ الْقِدْرَ۔[1] نظر بد انسان کو قبر میں اور اونٹ کو ہنڈیا میں داخل کر دیتی ہے۔

حضرت سہل بن حُنَیفؓ کو نظر لگنے کا واقعہ

"حضرت سہل بن حُنَیف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت ابو اُمامہ فرماتے ہیں کہ ایک دن (حضرت) عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے (میرے والد) سہل بن حنیفؓ کو نہاتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ خُدا کی قسم (سہل کے جسم اور رنگ وروپ کے کیا کہنے) مَیں نے تو آج کے دن کی طرح (کوئی خوبصورت بدن کبھی) نہیں دیکھا، اور پردہ نشین (خُوب صُورت عورت) کی بھی کھال (سہلؓ کی کھال جیسی نازک وخوش رنگ) نہیں دیکھی، (ابواُمامہ کہتے ہیں کہ عامرؓ کا یہ کہنا تھا کہ) ایسا محسُوس ہُوا جیسے سہلؓ کو گرا دیا گیا۔ (یعنی ان کو عامرؓ کی ایسی نظر لگی کہ وہ فوراً غش کھا کر گر پڑے) اُن کو اُٹھا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا اور عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سہلؓ کے علاج کے لیے کیا تجویز فرماتے ہیں، خدا کی قسم یہ تو اپنا سر بھی اُٹھانے کی قدرت نہیں رکھتے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (سہلؓ کی حالت دیکھ کر) فرمایا کہ کیا کسی شخص کے بارے میں تمہارا خیال ہے کہ اس نے ان کو نظر لگائی ہے؟ لوگوں

---

[1] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۹ ص ۲۲۶۔

نے عرض کیا کہ (جی ہاں) عامر بن ربیعہؓ کے بارے میں ہمارا گمان ہے کہ اُن کی نظر لگی ہے، ابوامامہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سُن کر) عامر کو بلایا، اور ان کو سخت سُست کہا اور فرمایا "علامَ یقتُلُ اَحدُکُم اَخاہُ اَلاّ بَرَّکتَ"، تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کیوں مار ڈالنے کے درپے ہو جاتا ہے، تم نے سہل کو برکت کی دُعا کیوں نہیں دی (یعنی اگر تمہاری نظر میں سہلؓ کا بدن اور رنگ و رُوپ بھا گیا تھا تو تم نے یہ الفاظ کیوں نہ کہے "بَارَکَ اللّٰہُ عَلَیکَ"، تاکہ اُن پر تمہاری نظر کا اثر نہ ہوتا) پھر آپؐ نے عامرؓ کو حکم دیا کہ تم سہلؓ کے لیے اپنے اعضاء کو دھوؤ اور اس پانی کو اُس پر ڈال دو، چنانچہ عامرؓ نے ایک برتن میں اپنا مُنہ، ہاتھ، کہنیاں، گھٹنے دونوں پاؤں کی اُنگلیوں کے پوروے اور زیرِ ناف جسم کو دھویا اور پھر وہ پانی سہلؓ پر ڈالا گیا۔ (اس کا اثر یہ ہُوا کہ سہلؓ فوراً اچھے ہو گئے) اور اُٹھ کر لوگوں کے ساتھ اس طرح چل پڑے جیسے ان کو کچھ ہُوا ہی نہیں تھا۔" [۱]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمانے کے بعد کہ تم نے سہلؓ کو برکت کی دُعا کیوں نہیں دی یہ بھی فرمایا۔

"ان العین حق"، [۲] نظرِ بد کا اثر حق ہے۔

علامہ قرطبی مالکی رحمہ اللہ (م ۶۷۱ھ) نے اپنی تفسیر میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی تحریر فرمایا ہے،

"حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک دن سواری پر سوار ہُوئے تو ایک

---

[۱] مؤطا امام مالک عربی صـ۷۱۹ طبع نور محمد کراچی مشکوٰۃ ص ۳۹۰۔

[۲] مؤطا امام مالک صـ۷۱۹۔

عورت اُن کی طرف دیکھ کر کہنے لگی "اِنَّ اَمِیْرَکُمْ هٰذَا لَيَعْلَمُ اَنَّهٗ اَهْضَمُ الْكَشْحَيْنِ" کہ تمہارے یہ سردار تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی پتلی کمر والے ہیں، آپ گھر پہنچے تو غش کھا کر گر پڑے، آپ کو بتلایا گیا کہ فلاں عورت نے ایسی ایسی بات کہی تھی، آپ نے اُسے پیغام بھیجا کہ اپنے اعضاء دھو کر اس کا پانی بھیجو، چنانچہ اُس نے اپنے اعضاء کو دھو کر پانی بھیجا۔" [۱]

ان احادیث مُبارکہ سے معلوم ہُوا کہ اگر کوئی شخص کسی خُوب صُورت انسان یا حیوان یا کسی اچھی چیز کو دیکھے تو بَارَكَ اللهُ یا مَاشَاءَ اللهُ کہہ دے اس طرح وہ چیز نظرِ بد سے محفوظ ہو جائے گی اور کسی کو کسی کی نظر لگ جائے تو جس کی نظر لگی ہے اس کے اعضاءِ وضوء کو دُھلوا کر جسے نظر لگی ہے اُس کی پُشت کی طرف سے سر پہ بہا دیا جائے اس طرح نظر کا اثر جاتا رہے گا اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کس کی نظر لگی ہے تو درج ذیل آیات اور سورتوں کو پڑھ کر تین دن صبح و شام دم کیا جائے انشاء اللہ اثر جاتا رہے گا جسے نظر لگی ہے بچہ ہو یا بڑا دونوں کے لیے یہ عمل مفید ہے۔

سورۂ فاتحہ، الٓمّٓ سے مُفْلِحُوْنَ تک، آیت الکرسی، سورۂ اخلاص، سورۂ فلق، سورۂ ناس اور وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ

یہ آیات و سُورَ پہلے ایک دفعہ پڑھ کر دم کریں پھر دوسری مرتبہ یہ سب پڑھ کر دم کریں پھر تیسری مرتبہ سب پڑھ کر دم کریں، اِس طرح تین دفعہ صبح اور تین دفعہ شام دم کریں اور تین دن تک کریں۔

---

[۱] الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۲۲۶

رمضان اور قرآن

قارئین محترم : رمضان کی آمد آمد ہے ، حسب سابق اس مرتبہ بھی ہم رمضان اور قرآن کی مناسبت ہی سے کچھ باتیں عرض کریں گے ۔

اتنی بات تو تقریباً سب ہی جانتے ہیں کہ قرآنِ پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے ، رہی یہ بات کہ اس کے وجوہِ اعجاز کیا ہیں ۔ اس سے البتہ اکثر لوگ ناواقف ہیں ، قرآنِ پاک کے معجزہ ہونے کی متعدد وجوہات ہیں جو اس سلسلہ کی کتابوں میں مذکور ہیں ، اس موقع پر ہم وجوہِ اعجاز میں سے صرف ایک وجہ ذکر کرتے ہیں وہ وجہ ہے "تاثیرِ قرآنی" یعنی قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی اثر انگیزی رکھی ہے جو دنیا کی کسی اور کتاب میں نہیں پائی جاتی ۔

قرآنِ پاک کے سننے سے ہر خاص و عام پر ایک خاص قسم کا اثر پڑتا ہے جو کسی اور کلام کے سننے سے نہیں پڑتا ، یہ اس بات کی بیّن دلیل ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے ۔

قرآنِ پاک کی اثر انگیزی کا نتیجہ ہے کہ اس کے نزول سے دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا ہوا جو لوگ ہوا و ہوس کا شکار رحمان کے باغی اور شیطان کے پرستار تھے قرآن کی بدولت اُن کی دنیا بدل گئی ۔ بے شمار لوگ قرآن سے متأثر ہو کر دولتِ ایمان سے مشرف ہوئے اور لاتعداد لوگوں کو قرآن کے طفیل ہدایت نصیب ہوئی ۔

قرآنِ پاک کی اثر انگیزی کے بہت سے واقعات کتبِ حدیث و تاریخ میں بکھرے پڑے ہیں ۔ چند واقعات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں ۔

قرآنِ پاک کی اثر انگیزی

۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا مجھے قرآن سناؤ، میں نے عرض کیا آپ مجھ سے سننا چاہتے ہیں حالانکہ قرآن پاک آپ ہی پر نازل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں، جی یہی چاہتا ہے کہ قرآن کسی اور سے سنوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں میں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کر دی جب اس آیۃ کریمہ پر پہنچا۔ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ (اس وقت کیا حال ہوگا جبکہ ہم ہر ہر اُمت میں سے ایک ایک گواہ کو حاضر کرینگے) تو آپؐ نے فرمایا: اب بس کر دو، میں نے آپ کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تو آپؐ کی مُبارک آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ [۱]

۲- حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما (مسجد نبوی میں) بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات میں سے کسی کے ہاں سے تشریف لائے اور ان حضرات کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک میں سر سے زیادہ سفید بال آچکے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ دیکھ کر رونا آگیا، عرض کرنے لگے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر تو بہت جلد بڑھاپا طاری ہو گیا، فرمایا: ہاں مجھے سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ القارعہ، إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ اور سَأَلَ سَائِلٌ نے بوڑھا کر دیا۔ [۲]

۳- ایک نوجوان صحابی رضی اللہ عنہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا وہ تلاوت میں مشغول تھے جب وہ فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ

---

[۱] بخاری ج ۲ ص ۶۵۹ [۲] قیام اللیل مروزی ص ۵۸

وَرْدَةً كَالدِّهَانِ پر پہنچے (جب آسمان پھٹ جائے گا اور ایسا سُرخ ہوجائے گا جیسے سُرخ نری یعنی چمڑا) تو بدن کے بال کھڑے ہوگئے روتے روتے دَم گھٹنے لگا۔ کہہ رہے تھے: ہاں جس دن آسمان پھٹ جائیں گے (یعنی قیامت کے دن) میرا کیا حال ہوگا ہائے میری بربادی' حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ تمہارے اس رونے کی وجہ سے فرشتے بھی رونے لگے۔ [1]

۴۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، بہت زیادہ رویا کرتے تھے بالخصوص جبکہ قرآن پاک پڑھتے تو پھر آپ کو آنسوؤں پر کنٹرول ہی نہیں رہتا تھا۔ [2]

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت سورۂ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور علیہ السّلام کی خدمت میں تشریف فرما تھے انہوں نے یہ سُورۃ سُنی تو رونے لگے، حضور علیہ السّلام نے پوچھا "مَا يُبْكِيكَ يَا اَبَا بَكْرٍ؟ ابوبکر تمہیں کس چیز نے رُلایا؟ عرض کیا اس سُورۃ نے،" [3]

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیّت پر قرآن پاک کا بے حد اثر تھا، آپ کے ایمان لانے کا واقعہ مشہور ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ آپ نے سورۂ طٰہٰ کا ابتدائی حصّہ پڑھا تو اُس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ایمان لے آئے۔ ایمان لانے کے بعد قرآن پاک سے اتنا لگاؤ اور تعلّق ہو گیا تھا کہ جب کوئی شخص آپکے

---

[1] قیام اللیل مروزی ص ۵۷ [2] قیام اللیل مروزی ص ۵۷

[3] تفسیر القرآن العظیم للامام ابن الکثیر ج ۴ ص ۵۴۰

سامنے کوئی آیت پڑھ دیتا تھا تو آپ سرِ تسلیم خم کر دیتے تھے۔ صحابہ کرام میں آپ کے متعلق یہ بات معروف و مشہور تھی " كَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللّٰهِ "[1] کہ آپ کتاب اللہ کے (احکام کے) آگے سب سے زیادہ گردن ڈال دینے والے ہیں۔ قرآن پاک پڑھتے تھے تو بے اختیار گریہ طاری ہو جاتا تھا۔

" حضرت ابورافعؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے فجر کی نماز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتدار میں پڑھی، میں مردوں کی سب سے آخری صف میں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سورۂ یوسف کی تلاوت شروع کی، آپ بہت بلند آواز سے تلاوت فرماتے تھے، جب آپ اس آیت پر پہنچے۔ اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (میں اپنے رنج و غم کی صرف اللہ سے شکایت کرتا ہوں) تو رونے لگے اور اس قدر روئے کہ قرارت موقوف ہو گئی اور آگے نہ پڑھ سکے ۔۔۔ (باوجودیکہ میں سب سے پچھلی صف میں تھا، لیکن) مجھے آپ کے رونے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی "[2]

" حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن ابی الدنیا کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہر کی دیکھ بھال کے لیے نکلے تو ایک مکان سے کسی مسلمان کی قرآن خوانی کی آواز کان میں پڑی وہ سورۂ وَالطُّوْرِ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے سواری روک لی اور کھڑے ہو کر قرآن سننے لگے۔ جب وہ اس آیت پر پہنچے۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۶۶۹ [2] قیام اللیل مروزی ص ۵۸

لَوَاقِعٌ ۙ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ (بے شک آپ کے رب کا عذاب واقع ہو کر ہی رہے گا۔ اس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں) تو زبان سے نکل گیا۔ "رب کعبہ کی قسم سچی ہے"۔ پھر آپ سواری پر سے اُتر پڑے اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد گھر تشریف لے گئے اس آیت کے اثر سے یہ حالت ہو گئی کہ ایک ماہ تک آپ بیمار پڑے رہے۔ لوگ بیمار پرسی کو آتے تھے، لیکن کسی کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ بیماری کیا ہے ....

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز سورۂ طور پڑھی جب اس آیت پر پہنچے اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ تو ایک سرد آہ بھری اور بیمار ہو گئے۔ اور ایسے بیمار ہوئے کہ بیس دن تک لوگ عیادت کو آتے رہے"۔ [۱]

۶۔ آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آتا ہے کہ آپ تلاوتِ قرآن کے وقت بہت رویا کرتے تھے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ

"ایک مرتبہ آپ نے سورۂ مطففین کی تلاوت شروع کی۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے۔ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (جس دن تمام آدمی رب العٰلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے) تو رونے لگے اور اس قدر روئے کہ آواز گلے کے بجائے ناک سے نکلنے لگی اور قرأت موقوف کرنی پڑی۔ [۲]

---

[۱] تفسیر القرآن العظیم للامام ابن کثیر ج ۴ ص ۲۴۰

[۲] قیام اللیل مروزی ص ۵۷

"آپ کے شاگرد رشید نافعؒ کا کہنا ہے کہ جب آپ قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرماتے " اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ" (کیا ایمان والوں کے لیے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے سامنے جھک جائیں ۵۷ : ۱۶) تو رو پڑتے اور اس قدر روتے کہ بے حال ہو جاتے۔" [1]

۷۔ ایک مرتبہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ مقام ابراہیم پر تشریف لائے اور نماز شروع کر کے سورۂ جاثیہ پڑھنی شروع کی جب آپ اس آیت پر پہنچے۔ " اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ" (یہ لوگ جو بُرے بُرے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو اُن لوگوں کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا کہ ان سب کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے) تو اسے بار بار دُہرانا شروع کیا صبح تک اسی ایک آیت کو دُہراتے رہے اور روتے رہے" [2]

۸۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں " اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ وَ تَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ" (سو کیا تم لوگ اس کلام سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو : ۵۳ : ۵۹ - ۶۰) تو اصحاب صفہ رو پڑے

---

[1] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ج ۲ ص ۳۴۹

[2] قیام اللیل مروزی ص۶۱

اور اس قدر روئے کہ آنسو ان کے رخساروں پر بہنے لگے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے رونے کی آواز سنی تو آپ بھی رو پڑے، آپ کے رونے پر ہم بھی روئے، پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا وہ جہنم میں نہیں جائے گا، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اصرار کرنے والا جنّت میں نہیں جائے گا، اگر تم لوگوں سے گناہ سرزد نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا فرمائیں گے جو گناہ کریں گے اور توبہ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائیں گے۔"[1]

۹- حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں (مسلمان ہونے سے پہلے) ایک مرتبہ مدینہ طیبہ اس لیے آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدر کے قیدیوں کے متعلق گفتگو کروں، میں پہنچا تو آپ مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھ رہے تھے (اور آواز مسجد کے باہر تک پہنچ رہی تھی) جب آپ اس آیت پر پہنچے۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ تو اچانک میری یہ حالت ہوئی کہ گویا میرا دل خوف سے پھٹ جائے گا۔ میں نے فوراً اسلام قبول کیا، مجھے اس وقت یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس جگہ سے ہٹ نہیں سکوں گا کہ مجھ پر عذاب آجائے گا۔"[2]

۱۰- حضرت عامر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنی وفات کے وقت رو رہے تھے، لوگوں نے عرض کیا کہ آپ تو عمر بھر اعمال صالحہ اور عبادات میں مشغول رہے، پھر رونے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا تم یہ کہتے ہو اور میرے

---

[1] شعب الایمان للبیہقی بحوالہ الدر المنثور ج ۶ ص ۱۳۱۔

[2] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۱۷ ص ۶۲۔

کانوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گونج رہا ہے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (خدا تعالیٰ متقیوں کا عمل قبول کرتے ہیں) مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میری کوئی عبادت قبول بھی ہوگی یا نہیں۔ [1]

۱۱- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام عبدالرزاق رحؒ کی سند سے نقل کیا ہے کہ "ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضؓ اپنی اہلیہ کی گود میں سر رکھے ہوئے آرام فرما رہے تھے کہ اچانک رونے لگے، آپ کی اہلیہ بھی رونے لگیں، آپ نے اُن سے دریافت فرمایا کہ تم کیوں رونے لگیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کو روتا دیکھ کر مجھے بھی رونا آگیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ آیت یاد آگئی تھی۔ وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا ج کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا ج (تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا جہنم پر سے گزر نہ ہو) معلوم نہیں اس سے چھٹکارا ہوگا یا نہیں، ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ اس وقت بیمار تھے۔" [2]

۱۲- "حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع میں میں نے لوگوں کے کہنے سُننے سے شرما شرمی اسلام قبول کرلیا تھا، مگر میرے دل میں اسلام راسخ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ اچانک آپ پر نزولِ وحی کے آثار ظاہر ہوئے اور بعض عجیب حالات کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قاصد میرے پاس آیا اور یہ آیت مجھ پر نازل ہوئی۔ اِنَّ اللّٰہَ

---

[1] معارف القرآن از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع ج ۲ ص ۱۱۳۔

[2] تفسیر القرآن العظیم للامام ابن الکثیر ج ۳ ص ۱۳۲۔

يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ج يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

(بیشک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان اور اہلِ قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تم کو اس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو) حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو دیکھ کر اور آیت سُن کر میرے دل میں ایمان مضبوط و مستحکم ہُوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی۔" [1]

۱۳- حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم رح فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مَیں صبح کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہُوا تو مَیں نے دیکھا کہ اُم المؤمنین کھڑی تھیں اور یہ آیت تلاوت فرما کر رو رہی تھیں "فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ" (اللہ نے ہم پر احسان کیا اور بچایا ہم کو لُو کے عذاب سے' ۵۲ : ۲۷) میں بڑی دیر تک کھڑا رہا لیکن اُم المؤمنین برابر یہ پڑھتے ہُوئے روتی جا رہی تھیں، میں تنگ آکر بازار چلا گیا، واپس آیا تو دیکھا کہ اُم المؤمنین ابھی تک اُسی آیت کو پڑھ رہی ہیں اور رو رہی ہیں۔" [2]

۱۴- حضرت زُرارہ بن اَوفیٰ رحمہ اللہ (م ۹۳ھ) جلیل القدر تابعی ہیں۔ حضرت عمران بن حصین، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم

---

[1] معارف القرآن ج ۵ ص ۳۷۶۔

[2] صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی ج ۲ ص ۱۵۔

سے شرف تلمذ حاصل ہے، ان کے ایک شاگرد بَھْز بن حکیم کا کہنا ہے کہ

"حضرت زُرارہ بن اَوفیٰ رحمہ اللہ مسجد بنو قشیر (بصرہ) میں ہمیں نماز پڑھا رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے۔ فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ (جس وقت صور پھونکا جائے گا سو وہ وقت یعنی وہ دن کافروں پر ایک سخت دن ہوگا) تو فوراً گر گئے اور انتقال ہو گیا۔ یہ لوگ اُٹھا کر گھر تک لائے اٹھانے والوں میں مَیں بھی شریک تھا" [۱]

۱۵- حضرت خالد بن حسانؒ فرماتے ہیں۔

"ایک مرتبہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ (م ۱۱۰ھ) نے ہمارے ہاں شام کی آپ روزے سے تھے۔ میں افطار کے وقت کھانا لے آیا، اچانک آپ کو اس آیت کا دھیان آ گیا۔ "إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا وَجَحِيمًا ۝ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ۝ (ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے) آپ کھانا نہ کھا سکے فرمایا اُٹھا لو، اگلے روز پھر شام کو ایسا ہی ہُوا۔ کھانا اُٹھوا دیا، تیسرے روز پھر ایسا ہی ہُوا، تو اُن کے صاحبزادے حضرت ثابت بُنانیؒ، یزید ضبیؒ، اور یحییٰ بکاءؒ کے پاس گئے اور حال سُنایا۔ یہ تینوں حضرات آئے اور حضرت حسنؒ سے کھانے کا بہت اصرار کرتے رہے مجبور ہو کر کچھ تناول فرمایا۔" [۲]

۱۶- حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ (م ۱۳۰ھ) جلیل القدر تابعی اور حضرت ابوہریرہ حضرت عبداللہ بن عباس حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم

---

[۱] سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۵۱۶۔

[۲] روح معانی ج ۱۰ ص ۱۲۳۔

جیسی عظیم ہستیوں کے شاگرد ہیں۔ اُن کے بارے میں علامہ ذہبی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک رات تہجد میں اتنی کثرت سے روئے کہ حد نہ رہی بھائیوں میں سے کسی نے پوچھا تو فرمایا تلاوت میں یہ آیت آگئی تھی وَبَدَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ (اللہ کی طرف سے اُن کے لیے (عذاب کا) وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا اُن کو گمان بھی نہ تھا) وفات کے وقت بھی گھبرا رہے تھے اور فرماتے تھے کہ اسی آیت سے ڈر رہا ہوں۔" [1]

۱۷۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ) کے متعلق تواتر سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے چالیس سال عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی ہے آپ کا معمول تھا کہ ہر روز تہجد میں ایک قرآن پاک ختم کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں اس معمول میں اضافہ ہو جاتا تھا، چنانچہ رمضان میں آپ اکسٹھ قرآن پاک ختم کرتے تھے ایک دن میں ایک رات میں اور ایک تراویح میں۔ خوف و خشیت کا یہ عالم تھا کہ بسا اوقات اگر کوئی آیت آخرت کے متعلق آجاتی تو اُسی کو پڑھتے پڑھتے ساری رات گزر جاتی۔ بعض اوقات آپ پر لرزہ اور کپکپی طاری ہو جاتی۔ آپکی عبادت و ریاضت سے متعلق بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔ دو تین واقعات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

"حضرت امام صاحبؒ کے شاگرد زفر بن ہذیلؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام صاحبؒ نے ہمارے یہاں رات گزاری۔ تہجد کی نماز میں

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۲۷

قرأت کرتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے۔ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ (بلکہ قیامت اُن کا وعدہ ہے اور قیامت بڑی سخت اور ناگوار چیز ہے) تو اس آیت کو پڑھتے پڑھتے ساری رات گزار دی۔" [۱]

یہی واقعہ حضرت قاسم بن معن رحؒ سے بھی مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ امام صاحب اس آیت کو پڑھتے ہوئے روتے اور گڑگڑاتے رہے۔ [۲]

حضرت ابوزائدہ رحؒ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں نے امام صاحب کی مسجد میں امام صاحب کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر سب لوگ چلے گئے۔ میری موجودگی کا کسی کو علم نہیں ہوا۔ میں امام صاحب سے علیحدگی میں ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا، لیکن ہوا یہ کہ امام صاحب رحؒ نماز کے لیے اُٹھے نیت باندھی اور قرأت شروع کر دی جب اس آیت پر پہنچے۔ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ (سو خدا نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہم کو عذابِ دوزخ سے بچالیا) تو اسی کو بار بار پڑھتے رہے۔ میں انتظار میں تھا کہ فارغ ہوں تو مسئلہ پوچھوں۔ مگر آپ نے اس آیت کو پڑھتے پڑھتے صبح کر دی حتیٰ کہ مؤذن نے آکر فجر کی اذان دے دی۔" [۳]

" ابراہیم بصری رحؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت امام صاحب

---

[۱] مناقب ابی حنیفہ للامام الموفق ص۳۰۸، عقود الجمان ص۲۱۸۔

[۲] عقود الجمان ص۲۲۴۔

[۳] مناقب ابی حنیفہ للامام الموفق ص۲۱۵ و عقود الجمان ص۲۱۸۔

کے پہلو میں کھڑے ہو کر فجر کی نماز پڑھی جب امام نے یہ آیت تلاوت کی وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظَّالِمُوْنَ (اور جو کچھ یہ ظالم لوگ کر رہے ہیں اُن سے خدا تعالیٰ کو بے خبر مت سمجھیے) تو مجھے صاف محسوس ہُوا کہ امام صاحبؒ خوف کی وجہ سے کانپ رہے ہیں"[1]

۱۸- حضرت خُلَید رحمہ اللہ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے جب آپ اس آیت پر پہنچے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ (ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے) تو اس کو بار بار پڑھنے لگے، تھوڑی دیر میں گھر کے ایک کونے سے آواز آئی کہ کتنی مرتبہ اس کو پڑھو گے۔ تمہارے اس بار بار کے پڑھنے سے چار جن مر چکے ہیں، حضرت خُلَید پر اس کا اتنا اثر ہُوا کہ شدّتِ غم کی وجہ سے یوں لگتا تھا کہ حواس کھو بیٹھے ہیں۔[2]

۱۹- مولانا غلام علی آزاد بلگرامی رحمہ اللہ (م ۱۲۰۰ھ) حضرت شیخ عبد العزیز شکر بار قدس سرہٗ (م ۹۷۵ھ) کی وفات کا واقعہ لکھتے ہُوئے فرماتے ہیں۔

"محمد صادق مُغل جو ایک خوش خوان و خوش الحان قاری تھے اُن سے فرمایا: قرآن سناؤ: انہوں نے سورۂ قٓ پڑھنی شروع کی جب اس آیت مبارکہ پر پہنچے۔ "وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ" (میں اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہوں) تو حالتِ شوق نے غلبہ کیا، تین بار ایسا ہُوا کہ سر مبارک سے کلاہ گر گئی قاری صاحب نے اس کے بعد آیت کریمہ "هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ" (وہی

---

[1] عقود الجمان ص۲۲۸

[2] قیام اللیل مروزی ص۵۹

اوّل بھی ہے وُہی آخر بھی ہے وُہی ظاہر ہے وُہی باطن ہے وُہ ہر شئ کو جاننے والا ہے) پڑھی اور شیخ کو ایک خاص ذوق اور حالت بہم پُہنچائی، جب قاری صاحب نے قرأت ختم کی اور آیت مبارکہ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پڑھی تو شیخ عبدالعزیز اپنے دونوں دست مبارک چہرہ پر پھیرتے ہُوئے سینۂ مبارک پر لائے اور جان جاں آفریں کے سپُرد کردی»۔ [۱]

۲۰- مولانا آزادؒ ایک اور بزرگ سید نور اللہ بلگرامیؒ (م ۱۱۱۳ھ) کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں :

«آپ ایک رات جماعت کے ساتھ نماز تراویح پڑھ رہے تھے کہ امام صاحب اس آیتِ کریمہ پر پہنچے : « فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا »۔ (انہیں چاہیئے کہ یہ کم ہنسا کریں اور زیادہ رویا کریں) تو نماز کی حالت میں بیہوشش ہو کر گر پڑے اور کئی دن تک روتے رہے» [۲]

یہ چند واقعات تو ماضی بعید کے بزرگوں کے تھے۔ ماضی قریب کے بزرگوں کے چند واقعات بھی ملاحظہ فرماتے چلیں، اکابر اہلسُنّت میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۲۳/۱۹۰۵) ایک ممتاز و منفرد شخصیت کے حامل بزرگ ہیں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ (م ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) کے خلیفہ اور دارالعلوم دیوبند

---

[۱] مآثر الکرام ص۵۶

[۲] مآثر الکرام ص۱۱۰

کے سرپرست دوم ہیں۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) آپ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں۔

۲۱۔ "مولوی ممتاز علی صاحب انبہٹوی تحریر فرماتے ہیں کہ جب یہاں بلوچستان میں حضرت قدس سرہ کے وصال کی خبر پہنچی تو اتفاق سے مولانا ابوالخیر صاحب یہیں مقیم تھے دوبار اُن کا پیغام میرے پاس پہنچا کہ مجھ سے آکر مل جاؤ مجھے فرصت نہ ملی آخر جب میں حاضر ہُوا تو دیکھا کہ مولانا بے اختیار رو رہے ہیں مجھے دیکھتے ہی گریہ اور زیادہ ہوا یہاں تک کہ چیخیں نکلنے لگیں سارے مجمع پر اس کیفیت کا یہ اثر تھا کہ قریب تھا دہاڑیں مارتے مارتے سب لوگ بیہوش ہو جاویں اسی حالت میں مولانا ابوالخیر نے فرمایا آہ مولوی ممتاز علی ہندوستان سے بڑا شخص اُٹھ گیا ہائے افسوس مخلوق نے قدر نہ جانی کہ مولانا کیا چیز تھے میں نے معتبر ذریعہ سے سُنا ہے کہ حضرت مولانا قدس سرہ نے ایک آیت پر روتے روتے تمام رات گزار دی تھی اور وہ آیت یہ تھی يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ"[1] (جس روز سب کی قلعی کھل جاوے گی، پھر اُس انسان کو نہ تو خود قوت ہو گی اور نہ اس کا کوئی حمایتی ہو گا۔)

چند سطر بعد لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ ظہر کے بعد حجرہ شریفہ میں آپ تلاوتِ قرآن کے اندر مشغول تھے بندۂ نادان و نادار مولوی محمد یحییٰ صاحب کے پاس اس طرح دبے پاؤں خاموش جا بیٹھا کہ حضرت نے آہٹ بھی نہ سُنی تھوڑی

---

[1] تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۹۱

دیر میں مولوی محمد یحییٰ صاحب کسی ضرورت سے باہر تشریف لے گئے اور میں تنہا بیٹھا رہ گیا چند منٹ گذرے تھے کہ حضرت قدس سرہٗ کے لہجۂ تلاوت میں تغیر شروع ہوا اور رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ آپ کا سارا جسم کانپنے لگا بے اختیار آپ آٹھ آٹھ آنسو رونے لگے آواز رُک گئی ہر چند آپ پڑھنا چاہتے مگر گریہ کا غلبہ حلق کو پکڑ پکڑ لیتا تھا خدا شاہد ہے وَکَفٰی بِہٖ شَہِیۡدًا خوف کی جو حالت اُس وقت حضرت پر طاری تھی شاید تند مزاج خونخوار شیر کے سامنے پڑ کر کسی کمزور و ناتواں ضعیف القلب شخص کی بھی یہ حالت نہ ہو گی اور خشیہ جو اُس وقت آپ پر ہویدا تھا غالباً کسی جبّار و باقدرت شاہنشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر کسی خطاوار سے خطاوار مجرم غلام پر بھی ظاہر نہ ہوا ہو گا۔ آپ کی یہ حالت اتفاقیہ اور عمر بھر میں پہلی بار میری نظر پڑی تھی میں اب تک بھی نہیں جانتا کہ کس بات سے آپ ڈرتے تھے اور کیوں کانپ رہے تھے یہی قرآن مجید ہے جس کو اوّل سے آخر تک مسلمان پڑھا کرتے ہیں خدا جانے وہ مضمون کونسا اور کہاں ہے جس پر کچھ خوف یا خشیہ پیدا ہوتا ہے اس لیے دفعۃً یہ تغیر حال دیکھ کر میں تھرّا اُٹھا اور اس درجہ پریشان ہوا کہ اب تصوّر آتا ہے تب بھی گھبرا جاتا ہوں دل میں خوف زدہ ہو کر کہنے لگا کہ یا اللہ آج کس مصیبت میں آ پھنسا نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن اگر بیٹھا رہوں ممکن ہے کہ حضرت کو میرے بیٹھنے کی کشف یا اور کسی طرح اطلاع ہو جائے تب معتوب ہوا اور اُٹھوں تو پاؤں کی آہٹ سے اطلاع ہونی ضرور اور اُس موہوم سے یہ غالب خیال زیادہ خطرناک اس لیے خدا ہی جانتا ہے کہ اُس وقت میرے دل کی کیا حالت تھی

نہ میں آسمان پر تھا نہ زمین پر ساکت وصامت بُت بنا بیٹھا رہا اور وحشت زدہ دل بجائے اس کے کہ اس حالت سے مستفید ہوتا کمالِ الحاح اور اخلاص کے ساتھ یوں دُعا مانگتا رہا کہ یا اللہ کسی طرح مولوی محمد یحییٰ جلد آویں"۔ [1]

کچھ آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

"حق تعالیٰ کی عظمت وجلالتِ شان چونکہ آپ کی رگ رگ میں پیوست تھی اس لیے قرآن مجید کی تلاوت کے وقت آپ پر اکثر حالت کا غلبہ ہوتا اور اگر اغیار سے مجلس خالی ہوتی تو اس کا اظہار بھی ہوجاتا تھا آخر شب میں جبکہ خالی مکان کے اندر آپ اپنے آقا کے حضور میں دست بستہ کھڑے ہوتے اور نوافل میں قرأت قرآن مجید شروع فرماتے تو عموماً آپ پر گریہ طاری ہوتا اور پڑھتے پڑھتے رُک رُک جاتے تھے سُبکیاں آپ کا حلق تھام لیتیں اور بُکار پر مجبور کرنے والی حالت آپ کو ساکت وصامت بنا دیا کرتی تھی، آنکھوں سے آنسو بہتے اور رخسارہ ولحیہ پر گزرتے ہوئے موتیوں کی طرح مصلّے پر گرا کرتے تھے آپ آیاتِ کلام اللہ سے صرف تجلّیات ومعرفت ہی کے حاصل کرنے پر اکتفا نہ فرماتے تھے بلکہ اس کے ساتھ آپ کے اعضاءِ جسم پر ایک خاص اثر اور وہ حالت پیدا ہوا کرتی تھی جو مضمونِ آیت کے مناسب ہوتی تھی تلاوت میں آپ جب ایسی آیت پر پہنچتے جہاں ذکرِ رحمت ووعدہ مغفرت ہے تو رجا ومسرّت سے انبساط پیدا ہوتا اور جس وقت وہ آیت پڑھتے جہاں غضب ووعیدِ عذاب مذکور ہے تو آپ کا بدن کانپنے لگتا اور رعشہ پڑجاتا تھا۔ حق تعالیٰ شانہٗ کی کبریائی اور

---

[1] تذکرۃ الرشید ج ۲ ص۱۹۲۔

بے نیازی کا مضمون پڑھتے تو گردن جھک جاتی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جلالِ خداوندی کے مشاہدے سے نیست و نابود ہوئے جاتے ہیں اور تخویف و ترہیب کے مضمون پر گزرتے تو ہیبت کے سبب رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ خوف کے مارے دبے جاتے اور گویا زمین میں گڑے جاتے ہیں۔ آپ کے تاثر کی یہ طبعی حالت بعض وقت متعدّی ہوتی اور اقتدار کرنے والے نمازیوں پر بھی طاری ہو جاتی تھی مولوی عبدالرحمٰن صاحب خورجوی کہتے تھے کہ ایک مرتبہ میں گنگوہ حاضر ہوا رمضان کا مہینہ تھا اور تراویح میں کلام اللہ حضرت ہی سُنایا کرتے تھے ایک شب آپ نے تراویح شروع کیں، میں بھی جماعت میں شریک تھا قرآن مجید پڑھتے پڑھتے آپ اُس رکوع پر پہنچے جس میں خوف و خشیہ دلایا گیا تھا۔ جماعت میں حالانکہ نصف سے کم عربی زبان کے سمجھنے والے تھے اور باقی سب ناواقف مگر آپ کے اس رکوع کی قرأت پر خوف کا اثر سب پر پڑ رہا تھا کوئی روتا تھا اور کسی کے بدن پر لرزہ کوئی بیقرار اور کوئی تھرتھر کانپ رہا تھا اس رکوع کے بعد جب آپ نے دوسرا رکوع شروع کیا تو اُس میں رحمتِ خداوندی کا بیان تھا اس وقت دفعۃً تمام جماعت پہ سرور طاری ہو گیا اور پہلی حالت یک لخت منقلب ہو گئی فرحت و انبساط کے ساتھ یہاں تک کہ بعض مقتدی ہنسی ضبط نہ کر سکے اور قہقہہ جاری ہو گیا۔" [1]

۲۲۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ (م ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء) اپنے استاذ مکرم حضرت مولانا

---

[1] تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۹۸

مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ (م ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء) کی تلاوت کا حال لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"وہ قرآن کے حافظ تھے، مَیں نے سُنا ہے کہ مغرب کے بعد اوّابین والی نماز میں آٹھ پارے روزانہ پڑھنے کے ملتزم تھے، اپنی مسجد میں امامت خود کرتے تھے، ان کی قرأت پر ایک سیدھے سادے ہندوستان کے قصباتی مسلمان کے لب ولہجہ کا رنگ غالب تھا، اگرچہ اصولاً تجوید کے ہر قاعدے کی پوری رعایت کی جاتی تھی بلکہ شاید تجویدی اصولوں کے مطابق قرأت اُن کی عادت ہوگئی تھی، لیکن مصنوعی قرأت سے دُور کا سروکار بھی اُن کی یہ قرأت نہیں رکھتی تھی، کبھی کبھی کسی وقت کی نماز کے پڑھ لینے کی سعادت اس کور بخت کو بھی اللہ کے اُس ولی کے پیچھے میّسر آجاتی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا شبیر احمد مرحوم پر صوفیانہ مشاغل کا غلبہ تھا، مفتی صاحب کی مسجد کے حجرے میں وہ چلہ کش تھے، فقیر بھی تراویح کے وقت حاضر ہو جاتا، اور چند ٹوٹے پھوٹے سُننے والے مسلمانوں کے ساتھ یہ بھی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا ایسا کیوں کرتا تھا، نہ قرأت ہی میں کان کو کوئی خاص لذّت ملتی تھی نہ کچھ اور تھا، لیکن دل یہی کہتا تھا کہ شاید زندگی میں پھر ایسے سیدھے سادے لہجے میں قرآن سننے کا موقع نہ ملے گا، اور دل کا یہ فیصلہ صحیح تھا، نمازیوں میں مولانا شبیر احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک رہتے تھے، اسی زمانے میں ایک دفعہ جو واقعہ پیش آیا اب بھی جب اسے سوچتا ہوں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، دل کانپنے لگتا ہے، مفتی صاحب قبلہ حسب دستور وہی اپنی نرم نرم سبک رو آواز میں قرآن پڑھتے چلے جاتے تھے، اسی سلسلہ میں قرآنی آیت وَبَرَزُوا لِلّٰہِ الْوَاحِدِ

اَلْقَهَّارِ (اور کھل کر لوگ سامنے آگئے، اللہ کے جو اکیلا ہے اور سب پر غالب ہے) پر پہنچے نہیں کہہ سکتا کہ مفتی صاحب خود کس حال میں تھے، کان میں قرآن کے یہ الفاظ پہنچے اور کچھ ایسا معلوم ہوا کہ کائنات کا سارا حجاب سامنے سے اچانک ہٹ گیا، اور انسانیت کھل کر اپنے وجود کے آخری سر چشمے کے سامنے کھڑی ہے، گویا جو کچھ قرآن میں کہا گیا تھا محسوس ہوا کہ وہی آنکھوں کے سامنے ہے، اپنے آپ کو اس حال میں پا رہا تھا، شاید خیال یہی تھا کہ غالباً میرا یہ ذاتی حال ہے۔ مگر پتہ چلا کہ میرے اغل بغل جو نمازی کھڑے ہوئے تھے اُن پر بھی کچھ اسی قسم کی کیفیت طاری تھی، مولانا شبیر احمد صاحب کی بے ساختہ چیخ نکل پڑی، یاد آرہا ہے کہ چیخ کر غالباً وہ تو گر پڑے، دوسرے نمازی بھی لرزہ بر اندام تھے، چیخ و پکار کا ہنگامہ ان میں بھی برپا تھا، لیکن مفتی صاحب کوہِ وقار بنے ہوئے امام کی جگہ اسی طرح کھڑے تھے، جدید کیفیت اُن پر جو تھی وہ صرف یہی تھی خلافِ دستور بار بار اس آیت کو مسلسل دُہراتے چلے جاتے تھے، جیسے جیسے دُہراتے نمازیوں کی حالت غیر ہوتی چلی جاتی، آخر صف درہم برہم ہو گئی، کوئی ادھر گرا ہوا تھا، کوئی اُدھر پڑا ہوا تھا، آہ آہ کی آواز مولانا شبیر احمد کی زبان سے نکل رہی تھی صف پر ایک طرف وہ بھی پڑے ہوئے تھے، کچھ دیر کے بعد لوگ اپنے آپ میں واپس ہوئے، تازہ وضو کر کے پھر نئے سرے سے صف میں شریک ہوئے، جہاں تک خیال آتا ہے۔ مفتی صاحب دار و گیر چیخ و پکار، صیحہ اور نعرہ کے ان تمام ہنگاموں میں اپنی جگہ کھڑے ہوئے اس آیت کریمہ کی تلاوت میں مشغول رہے،

جب دوبارہ صف بندی ہوئی تب پھر آگے بڑھے"۔ [1]

قارئین محترم تاثیرِ قرآن سے متعلق یہ چند واقعات مشتے نمونہ از خروارے ذکر کئے گئے ہیں اِن جیسے دیگر بہت سے واقعات کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان واقعات سے جہاں اعجازِ قرآنی کی صداقت کا اظہار ہوتا ہے۔ وہیں یہ واقعات ہمارے لیے باعثِ عبرت و موعظت بھی ہیں۔

ایک سوال کا جواب

بعض لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ قرآنِ پاک کی تاثیر پر ہمارا ایمان ہے اور بزرگوں کے واقعات کو بھی ہم مانتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اِس دَور میں یہ اثر کیوں نظر نہیں آتا؟ جواب یہ ہے کہ معالج جب کسی مریض کا علاج کرتا ہے تو اُسے دوائی کے ساتھ ساتھ پرہیز بھی بتلاتا ہے اگر مریض دوائی کے ساتھ پرہیز بھی کرتا ہے تو اُسے شفا ہوتی ہے ورنہ نہیں اسی طرح سمجھ لیجئے کہ قرآن پاک نسخۂ شفا ہے اس پر عمل کے ساتھ ساتھ پرہیز بھی ضروری ہے اور وہ ہے حرام کھانے پینے اور پہننے سے بچنا آج کل چونکہ رزق انتہائی مشکوک ہو چکا ہے اور حرام و حلال کی تمیز مشکل ہو گئی ہے اس لیے اثرات نظر نہیں آتے، تاہم اس گئے گزرے دور میں بھی کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں جو حرام سے بچتے ہیں اور ان کی زندگیوں پر قرآن کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

---

[1] احاطۂ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن صفحہ ۱۹۰

دولت مندی کے ساتھ خدا کی یاد

انسان اگر جائز ذرائع سے دولت حاصل کرے اور صحیح مصارف پر خرچ کرے تو اس میں قطعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"لَا بَأْسَ بِالْغِنٰی لِمَنِ اتَّقَی اللّٰہَ۔" [1] اس شخص کے لیے مالداری میں کوئی مضائقہ نہیں جو اللہ سے ڈرتا ہے۔ (الحدیث)

بسا اوقات دولت بڑی کام آتی ہے اور متقی شخص اپنی دولت کارِ خیر میں خرچ کر کے اللہ کے ہاں بڑے درجے پالیتا ہے۔ ہمارے اسلاف میں بہت سی شخصیات ایسی گزری ہیں جنہیں خداوند تعالیٰ نے دولت سے نوازا تھا۔ وہ اپنی دولت اللہ کے راستے میں خرچ کرتے تھے اور دولت اُن کے لیے خُدا کی یاد میں کسی قسم کا حجاب نہیں بنتی تھی۔

ذیل میں دو واقعات درج کیے جاتے ہیں جن سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے۔

نہ مرد ست آنکہ دنیا دوست دارد

حکیم الاُمت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ حضرت مولانا (عبدالرحمٰن) جامیؒ کا قصّہ ہے کہ وہ (حضرت) خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی خدمت میں بیعت کے ارادہ سے گئے، خواجہ صاحب کے پاس بڑی ثروت تھی۔ مولانا جامیؒ چونکہ طالب تھے اور طالب بیباک

---

[1] مسند احمد۔ بحوالہ مشکوٰۃ ص۴۵۱

ہوا ہی کرتا ہے اس وجہ سے اُن کی یہ حالت دیکھ کر مولانا جامیؒ نے یہ مصرع پڑھا۔

ع "نہ مردست آنکہ دنیا دوست دارد"

(وہ شخص مردِ حق آگاہ نہیں ہے جو دُنیا کو دوست رکھتا ہے) اور واپس چلے آئے اور مسجد میں آکر سو رہے، خواب میں دیکھا کہ میدانِ حشر برپا ہے اسی حالت میں کسی صاحبِ معاملہ نے آکر اُن کو پکڑ لیا اور کہا "دو پیسے لاؤ فلاں معاملہ میں دُنیا میں تمہارے ذمّے رہ گئے تھے"۔ اب یہ ہر چند پیچھا چھڑاتے ہیں، وہ چھوڑتا نہیں، اتنے میں دیکھا کہ خواجہ صاحبؒ کی سواری آئی آپ نے فرمایا کہ فقیر کو کیوں تنگ کر رکھا ہے، ہم نے جو خزانہ جمع کیا ہے وہ کس واسطے ہے، اِن کے ذمّے جتنا مطالبہ ہے اس میں سے ادا کر دو۔ اُن کے کہنے سے انہیں رہائی ملی جب اُن کی (مولانا جامیؒ کی) آنکھ کھلی تو دیکھا کہ خواجہ صاحبؒ کی سواری آرہی ہے۔ اب یہ بہت ہی محجوب ہیں، خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ وہ مصرع تو پڑھو جو تم نے پڑھا تھا۔ اب یہ شرم کے مارے پڑھتے نہیں اصرار کرنے پر پڑھا۔

ع نہ مردست آنکہ دُنیا دوست دارد

آپ نے فرمایا کہ ابھی یہ ناتمام ہے۔ اِس کے ساتھ یہ اور ہونا چاہیئے۔

اگر دارد برائے دوست دارد

دُنیا اگر ہو بھی تو اپنے واسطے نہ ہو دوست کے واسطے ہو، ایسی دُنیا میں کیا حرج ہے"۔ [1]

---

[1] حقیقت مال وجاہ ص۵۲۷

یاد رہے کہ مولانا عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے اکابر اولیاء اللہ میں سے تھے، تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے، سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت سعد الدین کاشغری رحمہ اللہ (م ۸۶۰ھ) سے منازل سلوک طے کر کے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔

آپ نے اپنے مُرشد کے علاوہ دیگر بزرگوں سے بھی فیض پایا جن میں حضرت خواجہ عبید اللہ احرار علیہ الرحمۃ (م ۸۹۵ھ) سرِفہرست ہیں، مولانا جامی رحؒ کو حضرت خواجہ صاحبؒ سے بڑی عقیدت تھی، آپ نے اپنی کتاب "نفحات الانس" میں حضرت خواجہ صاحبؒ کا بڑے شاندار الفاظ میں تذکرہ کیا ہے۔

۸۹۸ھ میں اکیاسی برس کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی خیابان ہرات (افغانستان) میں آپ کا مزارِ مبارک مرجع خلائق ہے۔

دِل بیار و دست بکار

امام ربّانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ (م ۱۰۳۴ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت خواجہ نقشبند فرمودہ اند قدّس اللہ سرّہُ الأقدس کہ در بازارِ منیٰ تاجرے را دیدم کہ پنجاہ ہزار دینار کم و بیش را خرید و فروخت نمود و یک لحظہ دِل اُو از حق سبحانہٗ	حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندی رحمہ اللہ (م ۸۲۲ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے (مکہ مکرمہ میں) منیٰ کے بازار میں ایک شخص کو دیکھا کہ اُس نے کم و بیش پچاس ہزار دینار کی خرید و فروخت کی، لیکن ایک لمحہ کے لیے بھی اُس کا دل حق سبحانہٗ و تعالیٰ

غافل نگشت "۔ لے کی یاد سے غافل نہیں ہوا۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا جذبۂ ایثار و ہمدردی

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ (م ۷۲۵ھ) کی ذاتِ ستودہ صفات سے کون شخص ناواقف ہوگا، آپ نے دہلی میں بیٹھ کر رشد وہدایت اور خلق کی راحت رسانی کا تنِ تنہا وہ کام کیا ہے جو ایک بڑی جماعت سے بھی مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی طبیعت میں مخلوق کی ہمدردی اور غم گساری کا خاص جذبہ وَدِیعت فرمایا تھا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی تحریر فرماتے ہیں۔

"خواجہ عزیز الدین ایک دعوت میں شرکت کرنے کے بعد شیخؒ کی خدمت میں پہنچے، شیخؒ نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو؟ عرض کیا فلاں شخص کے یہاں مدعو تھا۔ وہاں لوگ ذکر کرتے تھے کہ شیخ نظام الدین کو عجب فراغِ باطنی حاصل ہے اُن کو کسی طرح کا کوئی غم اور فکر نہیں، شیخؒ نے یہ سُن کر نہایت کرب آمیز لہجے میں فرمایا "جس قدر غم واندوہ مجھے رہتا ہے کسی کو اِس جہان میں نہ ہوگا، اس واسطے کہ اتنی مخلوق میرے پاس آتی ہے اور اپنے رنج اور تکلیف بیان کرتی ہے۔ اُن سب کا بوجھ میرے جان و دل پر پڑتا ہے۔" ۲ہ

تاریخ میں آپ کے جذبۂ ایثار و ہمدردی، غمخواری و غمگساری کے بہت سے

لے مکتوبات امام ربانی ج اوّل ص۹۴ طبع رؤف اکیڈمی لاہور۔

۲ہ شیخ نظام الدین اولیاء ص۱۲

واقعات ملتے ہیں دو تین واقعات نذرِ قارئین کیے جاتے ہیں۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی رقمطراز ہیں۔

۱۔ "حضرت محبوب الٰہی اکثر روزہ رکھتے تھے، اور سحر کے وقت بھی بہت قلیل غذا تناول فرماتے تھے، آپ کے خادم خواجہ عبد الرحیم جن کے ذمے سحری کا لے جانا تھا بیان کرتے ہیں کہ اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت خواجہ سحری کے وقت کچھ بھی نہ کھاتے، میں نے عرض کیا۔ آپ افطار میں بھی نہیں کھاتے۔ اگر سحری بھی نہ کھائیں گے تو ضعف بڑھ جائے گا۔ آپ پر گریہ طاری ہو گیا اور فرمایا۔

"کتنے غریب اور بیکس مسجدوں کے کونوں اور چبوتروں پر بھوکے پڑے ہوئے ہیں اور فاقے سے رات گزار دیتے ہیں۔ یہ کھانا بھلا میرے حلق سے نیچے کس طرح اُتر سکتا ہے" [۱]

۲۔ "حضرت محبوب الٰہی نے ایک عورت کو دیکھا کہ دریاء جمنا کے کنارے ایک کنوئیں سے پانی بھر کر لے جا رہی ہے۔ آپ نے اس سے کہا کہ تو دریا کو چھوڑ کر کنوئیں کا پانی کیوں پیتی ہے؟ اس نے کہا کہ میرا شوہر غریب ہے ہمارا گھر کا خرچ مشکل سے چلتا ہے، جمنا کا پانی بھوک زیادہ لگاتا ہے اس لیے ہم کنوئیں کا پانی پیتے ہیں، حضرت یہ سُن کر رونے لگے اور خانقاہ میں آکر اپنے خادم سے کہا کہ غیاث پور میں ایک عورت ہے جو جمنا کا پانی نہیں پیتی، کیوں، اس سے بھوک زیادہ لگتی ہے۔ تم جا کر اُس سے پُوچھو کہ اس کے ماہانہ خرچ میں کتنا خسارہ

---

[۱] چشتی تعلیمات ص ۳۸

رہتا ہے ۔ اتنا خرچ اُسے ہر مہینے ہماری خانقاہ سے دیا کرو اور اُس سے کہو جمنا کا پانی پیئے ۔" [۱]

۳۔ ایک بار غیاث پور میں آگ لگ گئی ، گرمی کا موسم تھا ، آپ چلچلاتی دھوپ میں اپنے مکان کی چھت پر کھڑے ہُوئے آگ لگنے کا منظر اُس وقت تک دیکھتے رہے جب تک وہ بُجھ گئی ۔ پھر خواجہ اقبال کو بلایا اور فرمایا کہ "جاکر گھروں کی گنتی کرو کہ کتنے آگ سے متاثر ہوئے ہیں ، اور ہر گھر والے کو چاندی کے دو تنکے ، دو روٹیاں اور ایک صراحی ٹھنڈے پانی کی پہنچاؤ ۔" بستی کے لوگ اس وقت بہت ہی پریشان اور مضطر تھے ۔ جب خواجہ اقبال کھلنے کا خوان اور پانی کی صراحی اور چاندی کے تنکے لے کر ہر ایک کے گھر پہنچے تو لوگ خوشی سے آب دیدہ ہو گئے ۔ دو تنکے اس زمانے میں اتنی قیمت رکھتے تھے کہ اس سے کئی چھپر ڈلوائے جا سکتے تھے ۔" [۲]

کاش کہ خلقِ خدا کے ساتھ ایثار و ہمدردی اور غم خواری و غمگساری کا ایک شمّہ ہمیں بھی نصیب ہو جائے ۔

صحابہ کرامؓ جیسی دو رکعت نماز پڑھنا سکھا دیجیے

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ ، حضرت مولانا عبد الحیؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ـــــــ کے حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ سے بیعت ہونے کا

---

[۱] چشتی تعلیمات ص ۳۸

[۲] چشتی تعلیمات ص ۳۹

واقعہ تحریر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"مولانا عبدالحیؒ اور مولانا اسمٰعیل خاندانِ ولی اللّٰہی کے چشم و چراغ تھے اور شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ کے بعد ہندوستان کے ممتاز ترین علماء میں ان کا شمار تھا۔ علمی تبحر، رشد و صلاحیت اور تقویٰ وللّٰہیت میں اپنے ہم عمروں اور اَقران واَمثال میں ممتاز تھے۔ ان کی علمی عظمت اور صحیح منزلت کا اندازہ شاہ عبدالعزیزؒ کے اس خط سے ہوگا جو آپ نے منشی خیرالدین کو لکھنؤ جج کے متعلق لکھا ہے۔ اس میں آپ نے مولانا عبدالحیؒ کو شیخ الاسلام اور مولانا اسماعیل کو حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے اور دونوں کو تاج المفسّرین، فخر المحدّثین سرآمد علمائے محققین کا خطاب دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ دونوں حضرات تفسیر و حدیث، فقہ و اُصول، منطق وغیرہ میں اس فقیر سے کم نہیں ہیں۔ جنابِ باری کی جو عنایت ان دونوں بزرگوں کے شامل حال ہے۔ اس کا شکر مجھ سے ادا نہیں ہوسکتا۔ ان دونوں کو علمائے ربّانی میں شمار کرو اور جو اشکال حل نہ ہوں ان کے سامنے پیش کرو۔ بظاہر ان کلمات سے اپنی تعریف نکلتی ہے، لیکن امرِ حق کا اظہار واقفوں پر واجب ہے۔

ایک روز مولانا عبدالحیؒ نے اور ان کے بعد مولانا اسمٰعیلؒ نے سیّد صاحبؒ سے بیعت کی درخواست کی اور دونوں حلقۂ ارادت اور سلکِ بیعت میں منسلک ہوگئے۔ اُن کی بیعت کا واقعہ اور اُس کا سبب مختلف کتابوں میں مختلف طریقے پر بیان ہوا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے مستند اور مفصّل روایت وہ ہے جو مولانا کرامت علی جونپوریؒ نے خود مولانا عبدالحیؒ کے حوالے سے بیان کی ہے۔ رسالۂ "نورٌ علیٰ نور"

میں لکھتے ہیں۔

" اس حکایت سُننے کے پہلے یاد رکھو کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ۔ حضرت سیّد احمد صاحبؒ کو اُن کے ابتدائے وقت سے " میر صاحب " کہا کرتے تھے۔ اور حضرت مولانا عبدالحئی صاحبؒ اور ہم سب معتقد لوگ " میاں صاحب " کہا کرتے تھے اور مولانا عبدالحئی مولانا محمد اسمٰعیل کو میاں محمد اسمٰعیل کہا کرتے تھے۔ چونکہ اس حکایت کو ہم بجنسہٖ لفظ بہ لفظ بیان کریں گے اور یہ لفظیں اس میں آویں گی، اس واسطے ان لفظوں کے یاد رکھنے کو کہا۔ اب وہ حکایت سنو۔

ایک روز اس عاجز مسکین نے حضرت عالم ربانی مولانا عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ آپ جو اس قدر میاں صاحب سے اعتقاد رکھتے ہیں اور روپے پیسے کپڑے وغیرہ دُنیاوی چیزوں کو چھوڑ کے میاں صاحب کی صحبت اختیار کیے ہیں، اور آپ کے بدن پر جو کپڑا ہے اس کے سوا آپ کے پاس کہیں کپڑا بھی نہیں اور آپ جب میاں صاحب کے روبرو بات کرتے ہیں تو ترساں و لرزاں رہا کرتے ہیں تو للہ آپ ہم سے سچ بیان کیجئے کہ آپ نے میاں صاحب سے کیا پایا جو اپنا حال ایسا بنایا۔

تب مولانا مغفور نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ مَیں سچ بیان کرونگا۔ سُنو، میرا یہ حال تھا کہ مَیں سُلوک اِلی اللہ اور مشاہدہ حاصل ہونے کا بڑا مشتاق تھا تب میں نے مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ سے عرض کیا کہ مجھ کو آپ سلوک اِلیٰ اللہ تعلیم کیجئے اور اس سے قبل میں بہت سے ہندی اور ولایتی مرشدوں سے توجّہ لے چکا تھا، مگر میرا مقصود حاصل نہ ہُوا تھا تب آپ نے مجھ کو حضرت شاہ غلام علی قدس سرہٗ کے پاس

بھیجا۔ وہاں بھی چند روز توجہ لیتا رہا۔ مگر میرا مقصد حاصل نہ ہوا۔ تب مَیں نے حضرت مولانا سے پھر عرض کیا کہ یہ خادم حضور کی توجہ کا محتاج ہے اور حضور دوسرے مقام میں بھیجتے ہیں ہم کو آپ خود تعلیم کیجئے۔ تب حضرت مولانا نے فرمایا کہ میاں میں بہت بڈھا اور کمزور ہوا اور مجھ میں بہت دیر تک بیٹھنے کی طاقت نہیں یہ مقصد تمہارا میر احمد صاحب سے حاصل ہوگا۔ تم اُن سے بیعت کرو۔ تب اس جناب کا یہ فرمانا مجھ کو بہت شاق گزرا اور میں ناراض ہو کر چُپ رہا۔ پھر کئی بار اور بھی عرض کیا، وہی جواب پایا۔ آخر کو بعد چند روز کے یہ واقعہ درپیش ہوا کہ میں اور حضرت میاں صاحب اور میاں محمد اسمٰعیل مدرسے کے ایک ہی مکان میں رہا کرتے تھے۔ ایک شب کو بعد عشاء کے جب ہم تینوں شخص پلنگ پر سوئے، تب میاں صاحب نے فرمایا کہ "مولانا، مجھ کو حضرت ربّ العالمین نے محض اپنے فضل و کرم سے بطور الہام کے خبر دیا ہے کہ فلانی تاریخ فلانے سفر میں تو جاویگا فلانے مقام میں یہ ہوگا۔ فلانے مقام میں وہ ہوگا اور اس قدر لوگ مرید ہوں گے"۔ وعلیٰ ہذا القیاس سب باتیں بیان کیا۔ پھر دوسرے روز بھی ایسی ہی عجیب وغریب باتیں بیان کیا۔ اسی طرح سے کئی روز تک مکہ معظّمہ کے سفر اور جہاد کے سفر اور جہاد کے واقعات کا بیان بتفصیل تمام فرمایا۔ تب ہم نے اور میاں محمد اسمٰعیل نے مشورہ کیا کہ اگر یہ سب باتیں سچ بیان کرتے ہیں تو بلا شبہہ یہ بہت بڑے شخص اور قطب ہیں ان سے کچھ فیض لینا بہت ضرور ہے۔ سو آؤ کسی بات میں ان کا امتحان کریں۔ تب میاں محمد اسمٰعیلؒ نے کہا کہ آپ ہم سے بڑے ہیں، آپ ہی تجویز کر کے کسی بات میں امتحان کیجئے۔ آخر کو جب پھر رات

کو میاں صاحب نے پُکارا کہ مولانا! تب ہم نے عرض کیا کہ حضرت، آپ کی بزرگی میں کچھ شبہہ نہیں، مگر ہم کو ان سب باتوں سے کیا فائدہ؟ کچھ ہم کو عنایت کیجیے۔ تب فرمایا کہ مولانا، کیا مانگتے ہو؟ تب ہم نے کہا کہ حضرت، ہم یہی مانگتے ہیں کہ جیسی نماز صحابۂ کرامؓ ادا کرتے تھے، ویسی ہی دو رکعت ہم سے ادا ہو۔ یہ کہا اور میاں صاحب ایک بارگی خاموش ہو گئے اور اس روز پھر کچھ نہ بولے۔ تب ہم لوگوں نے جانا کہ فقط یہ زبانی باتیں تھیں، اصل باتوں سے ان کو کچھ علاقہ نہیں! مگر ہمیشہ کی دوستی اور صحبت کی مروّت سے ہم لوگ کچھ نہ بولے کہ اب شرم دینا کیا ضرور اور چُپ کر کے سو رہے۔ پھر آدھی رات کے کچھ قبل یا بعد حضرت میاں صاحب نے پُکارا "مولانا" اس پکارنے سے مجھ کو قشعریرہ[1] ہوا اور بدن پر رُوئیں کھڑے ہو گئے اور اس جناب سے مجھ بڑا اعتقاد آگیا تب مَیں نے جواب میں کہا "حضرت" تب فرمایا کہ "جاؤ اس وقت اللہ کے واسطے وضو کرو" تب میرے بدن پر پھر قشعریرہ ہوا اور مَیں نے کہا کہ بہت خوب! دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پُکارا "مولانا، سُن لو!" میں پھر کے حضرت کے پاس حاضر ہوا۔ فرمایا "تم نے خوب سمجھا، مَیں نے کیا کہا؟ مَیں نے کہا اللہ کے واسطے وضو کرو۔" پھر مَیں نے کہا "بہت خوب" اور چلا۔ دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا اور اسی طرح فرمایا۔ اسی طرح تین بار کیا، اور تیسری بار جا کے میں وضو کرنے لگا تو ایسا حضورِ دل اور حق سُبحانہٗ کے خوف سے مَیں نے اَدب کے ساتھ وضو کیا کہ ایسا وضو کبھی نہ کیا تھا۔ پھر وضو کر کے حضرت کے حضور میں حاضر ہوا۔ فرمایا کہ "جاؤ، اللہ ربّ العٰلمین کے واسطے اس وقت دو رکعت نماز پڑھو۔"

---

[1] لرزہ اور رونگٹے کھڑے ہو جانا۔

تب میرے بدن پر قشعریرہ ہوا اور نماز کے واسطے چلا۔ دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا اور میں حضور میں حاضر ہوا۔ فرمایا کہ۔ تم نے خوب سمجھا یا نہیں ؟ میں نے کہا کہ جاؤ۔ اس وقت اللہ رب العالمین کے واسطے دو رکعت نماز پڑھو"۔ میں نے کہا کہ۔ بہت خوب ! اور نماز کے واسطے چلا۔ پھر تیسری بار بلایا اور ویسا ہی سمجھا دیا۔ تب میں نے ایک گوشے میں نماز شروع کیا تو تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہی ایسا مشاہدۂ جلال میں غرق ہوا کہ ہوش نہ باقی رہا اور اس قدر رویا کہ آنسو سے ڈاڑھی تر ہوگئی اور اس قدر نماز میں غرق ہوگیا کہ دنیا کی یاد مطلق نہ باقی رہی اور نہایت خوف اور لذت کے ساتھ میں نے دو رکعت نماز پڑھی۔ جب دو رکعت پڑھا تو خیال کیا کہ میں نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھا تھا پھر سلام پھیر کے دوبارہ دوسری بار دو رکعت کی نیت کیا۔ جب پڑھ چکا تو خیال کیا کہ فاتحہ میں سورۃ کو ضم نہ کیا تھا۔ پھر شروع کیا۔ اسی طرح ہر بار ایک ایک واجب کے ترک کرنے کا خیال آتا تھا اور نماز کو ناقص سمجھ کے دہراتا تھا۔ واللہ اعلم، سو رکعت یا زیادہ کم پڑھا ہوگا کہ صبح صادق کا قریب ہوا پھر آخر کو ناچار ہو کے سلام پھیرا اور بہت شرمندہ ہوا کہ میری استعداد اس طرح کی ناقص ہے کہ دو رکعت پوری بھی حضورِ دل کے ساتھ نہ پڑھ سکا اور اتنے بڑے کامل شخص کو میں نے آزمایا۔ اب اگر وہ پوچھیں کہ تم نے دو رکعت اللہ کے واسطے پڑھا تو میں کیا جواب دوں گا ؟ میں تو حضورِ دل کے ساتھ جیسا کہ حق نماز پڑھنے کا ہے ویسا دو رکعت بھی پڑھ نہ سکا۔ اسی سوچ میں شرم کے دریا میں غرق ہوگیا اور اپنے قصور کا معترف ہو کے اللہ سبحانہٗ کے خوف سے اَسْتَغْفِرُ اللہ ! کہنے شروع کیا۔ جب

اذان ہوئی، تب مجھ کو ہوش ہوا اور یاد پڑا کہ صحابہ کرام رضؓ کا یہی حال تھا کہ تمام رات عبادت کرتے اور پچھلی رات کو استغفار کرتے تھے۔ ان کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ اور سوچا کہ بلا شبہہ یہ بڑے کامل مُرشد ہیں کہ اُن کے کلام سے میرا مقصد پُورا ہوا اور جو نعمت مُدّتِ دراز کی محنت سے حاصل نہ ہوئی تھی سوان کے ایک دم کے فرمانے سے حاصل ہوئی۔ پھر میں مسجد میں گیا اور قبل نمازِ فجر کے مَیں نے حضرت میاں صاحب سے بعیت کیا اور صبح کی نماز کے بعد میاں محمد اسمٰعیل سے مَیں نے رات کا قصّہ پُورا بیان کیا۔ کیونکہ وہ مجھ کو صادق جانتے تھے انہوں نے بھی حضرت میاں صاحب سے بعیت کیا۔

پھر میں دن کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس گیا اور رات کا قصّہ بیان کیا اور اپنے بعیت کرنے کا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ "بارک اللہ! بارک اللہ! خوب کیا! میاں، مَیں تم سے اِسی واسطے کہا کرتا تھا۔ کیوں میاں تم نے میر صاحب کا کمال دیکھا؟" تب میں نے عرض کیا کہ "حضرت، مَیں نے بہت درویشوں کی خدمت کیا اور بہت طریقوں کے موافق مَیں نے شغل اور مراقبہ کیا۔ میرا مقصد کبھی نہ حاصل ہوا حضرت سیّد صاحب نے ایک بات زبان سے کہہ دیا اور میں اپنا دلی مقصد پاگیا۔ حضرت، یہ کون طریقہ کہلاتا ہے؟ تب فرمایا کہ۔ "میاں ایسے لوگ کسی طریقے کے محتاج نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ جو زبان سے کہیں وہی طریقہ ہے۔ ایسے لوگ خود صاحبِ طریقہ ہوتے ہیں اور ایسے لوگ طریقہ نکالتے ہیں۔" حضرت مولانا کے فرمانے سے

اور بھی زیادہ مجھ کو حضرت میاں صاحب کے مُرشد صاحب طریقہ ہونے کا یقین ہوا اور میرا اعتقاد اور بھی زیادہ ہوا۔ اس سبب سے میاں صاحب کی غلامی میں حاضر ہوں اور ان کی غلامی کے قابل بھی مَیں اپنے تئیں نہیں پاتا"۔ تمام ہوئی تقریر مولانا عبدالحئی مرحوم کی"۔ [1]

جب ایمان کارفرما ہوتا ہے

مولانا نورالحسن راشد صاحب زید مجدہم حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمہ اللہ (م ۱۲۸۳/۱۸۶۶ء) کا ایک رُوح پرور اور ایمان افروز واقعہ تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"بزرگانِ دین کے حالات وواقعات میں عجب کیفیت وتاثیر ہوتی ہے اور ان کے زبان وقلم سے نکلا ہوا ایک ایک فقرہ کبھی کبھی زندگیوں میں ایسا انقلاب لے آتا ہے اور ایسی تبدیلی پیدا کر دیتا ہے جو برسوں کے مطالعہ وکوشش اور ہزاروں وعظ وپند سے بھی نہیں ہوتی۔ ایسے ہی پُرتاثیر صاحبِ فیض خاصانِ خدا میں سے ایک معروف شخصیت حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کی تھی۔ ان کے اخلاصِ نیت، سادگی، بےنفسی اور تعلق مع اللہ کے متعدد واقعات ایسے ہیں جن کو پڑھ کر رُوح وجد کرتی ہے اور ایمان میں تازگی اور طراوٹ محسوس ہوتی ہے، ایسے ہی مؤثر ودل پذیر واقعات میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو آئندہ سطور میں درج کیا جارہا ہے اور پہلی بار شائع ہو رہا ہے۔

راقم سطور نے یہ واقعہ (کرٹھی پختہ ضلع مظفرنگر کے) بلوچ خاندان

---

[1] سیرت سید احمد شہیدؒ ج ۱ ص ۱۲۰ تا ۱۲۵

کے ایک معزز و عمر رسیدہ شخص جناب حسن علی خاں صاحب بلوچ سے سُنا تھا اور اسی وقت قلم بند کرلیا تھا، حسن علی خاں صاحب نے یہ واقعہ اپنی والدہ محترمہ سے سُنا تھا جو حضرت مولانا مظفر حسین سے بیعت تھیں، اور مولانا کی برگزیدہ ورابعۂ وقت صاحبزادی حضرت اُمیّ بی (امۃ الرحمان) کی خدمت میں حاضر رہتی تھیں۔

حضرت مولانا جس زمانہ میں اس وقت سفر کی سہولتیں بہت کم تھیں، سفر عموماً پیادہ پا یا چھکڑوں، بہلیوں میں ہوا کرتے تھے اور راستے غیر محفوظ اور پُرخطر تھے۔ بہرحال مولانا کسی ضرورت سے اپنے سب اہل خاندان کے ساتھ کاندھلہ سے گنگوہ کے لیے روانہ ہوئے اور اس وقت کاندھلہ سے گنگوہ جانے کے لیے وہ راستہ زیادہ موزوں سمجھا جاتا تھا جو موضع گڑھی پختہ سے ہو کر جاتا تھا، مولانا کا قافلہ گڑھی پختہ سے نکل کر گنگوہ کے راستہ میں تھا کہ اچانک اس قافلہ کو ڈاکوؤں نے گھیر لیا، مولانا نے جب دیکھا کہ ہم ڈاکوؤں کے نرغہ میں آگئے ہیں اور ڈاکو حملہ کرنے، مارنے لوٹنے کے لیے آرہے ہیں تو حضرت مولانا گاڑی سے اُتر کر ڈاکوؤں کے سردار کے پاس گئے اور اس سے فرمایا کہ اپنا کام کرنے سے پہلے میری ایک بات سُن لو، سردار نے کہا: "کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ مولانا نے فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ساتھ ایک معاملہ کرلوں۔ ڈاکوؤں کے سردار نے اس کی تفصیل پوچھی تو مولانا نے کہا: معاملہ اس طرح کرلو کہ تم ہماری عورتوں کو مت چھیڑنا، ہاتھ بھی نہ لگانا اور ہم اپنے پاس کوئی زیور، روپیہ پیسہ اور قیمتی سامان نہیں رکھیں گے، سب تمہیں دے دیں گے۔ (ڈاکوؤں کے لیے ہدایت واصلاح کا وقت آچکا تھا) انہوں نے مولانا کی یہ فرمائش قبول کرلی، اب

ڈاکوؤں کا گروہ ایک طرف بیٹھ گیا، مولانا اپنی گاڑیوں (بہلیوں یا چھکڑے) کے پاس آئے اور سب عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس کے پاس جو زیور اور قیمتی سامان ہو وہ دے دو۔ عورتوں، بچیوں نے اپنے اپنے زیورات اتارنے اور پیسے وغیرہ نکالنے شروع کر دیے، مولانا کھڑے ہوئے اس کی نگرانی فرماتے رہے، جب سب زیورات وغیرہ جمع ہو گئے تو مولانا ان سب کو ایک کپڑے میں باندھ کر ڈاکوؤں کے گروہ کے پاس لائے اور کہا: "بھائی! دیکھو، میں سب سامان لے آیا ہوں۔" یہ کہہ کر گٹھری اُن کے حوالہ کر دی اور ڈاکوؤں کی اس بات کے لیے تحسین فرمائی کہ انہوں نے اپنی بات کو نبھایا اور کسی عورت کو دیکھا تک نہیں۔ ڈاکو وہ سامان لے کر خوش ہو گئے اور مولانا کا قافلہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔

مولانا کا قافلہ کچھ ہی دُور چلا تھا کہ مولانا کے ساتھ جانے والی عورتوں میں کچھ کھُسر پھُسر شروع ہوئی۔ حضرت مولانا نے اس کو محسوس کر لیا اور پُوچھا کیا بات ہے؟ عورتوں نے کہا، کچھ نہیں، مگر جب مولانا نے سختی سے معلوم کیا تو بتایا کہ وہ فلاں یہ کہہ رہی ہے کہ میری ہنسلی (گلے میں پہننے کا ایک زیور جو خاصا بھاری اور قیمتی ہوتا ہے) بچ گئی۔ میں نے کپڑوں کے نیچے چُھپا لی تھی مولانا نے یہ سُنا تو فوراً سواری روکنے کی ہدایت کی۔ گاڑی سے اُتر کر مولانا ان خاتون کے پاس آئے اور فرمایا: "بی بی! یہ تو وعدہ خلافی ہے، چونکہ ہم ڈاکوؤں سے وعدہ اور معاہدہ کر چکے ہیں اس لیے یہ زیور اُن کا ہو چکا ہے، لاؤ، مجھے دو، میں ڈاکوؤں کو دے کر آؤں گا۔" اس خاتون نے وہ زیور اتار کر مولانا کے حوالے کر دیا، مولانا گاڑی

سے اُتر کر واپس گئے اور وہاں پہنچے جہاں ڈاکوؤں کا گروہ پڑا ہوا تھا۔ ڈاکو مولانا کو واپس آتا ہوا دیکھ کر یہ سمجھے کہ شاید بڑے میاں (مولانا) کے معاون مددگار آ گئے ہیں اور یہ مقابلہ کے لیے آئے ہیں، اس خیال سے ڈاکو ہتھیار اُٹھانے لگے تو مولانا نے فرمایا، مَیں لڑنے کے لیے نہیں آیا۔ مَیں تو ایک بات کہنے اور تمہاری ایک امانت تمہیں لوٹانے کے لیے آیا ہوں۔

مولانا یہ فرمانے کے بعد ڈاکوؤں کے سردار کے پاس پہنچے اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا، "بھائی! میں تمہارے سے معافی مانگنے اور تمہاری ایک امانت واپس کرنے آیا ہوں۔ تم اپنے وعدہ اور بات کے سچے نکلے ہم نہ نکلے یہ ایک زیور ہے جو ایک بچّی نے اپنے کپڑوں میں چُھپا لیا تھا، مگر کیونکہ تمہارے سے وعدہ ہو چکا تھا اس لیے اب یہ ہمارا نہیں رہا۔ تمہارا ہے۔ میں یہی دینے کے لیے آیا تھا، یہ زیور سنبھالو اور اس بچّی کی غلطی کو معاف کر دو۔"

ڈاکوؤں کا سردار مولانا کی بات سُن کر بولا، "تم مولوی مظفر حسین کاندھلوی تو نہیں ہو۔ اس علاقہ میں تو وہی ایک ایسے سچّے آدمی ہیں۔" مولانا نے فرمایا، "ہاں بھائی، مظفر حسین میرا ہی نام ہے۔ ڈاکوؤں کا سردار یہ سُنتے ہی مولانا کے قدموں میں گر گیا اور ڈاکوؤں کے پورے گروہ میں گریہ و بکا اور آہ و زاری شروع ہو گئی اور اسی وقت سب ڈاکوؤں نے اپنے اس کام اور تمام گناہوں سے توبہ کی، مولانا سے بیعت ہو گئے اور مولانا کے قافلہ سے لیا ہوا ایک ایک سامان واپس کر دیا اور عہد کیا کہ ہم نے آج تک جن لوگوں کا سامان لوٹا ہے یا کسی قسم کی تکلیف پہنچائی

ہے اُن کو تلاش کر کے ان کا سب سامان واپس کریں گے یا اُن سے معافی مانگیں گے ...... کسی نے سچ کہا ہے:

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ کہنے کی وجہ؟

"حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ کیوں مخصوص ہے فرمایا کہ عمر بن عبد العزیزؒ نے جو عمر ثانی سے مُلقّب ہیں یہ صیغہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ شائع کرایا تھا۔ اس لیے کہ خوارج آپ کے نام کے ساتھ سَوَّدَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ کہا کرتے تھے، یہ میں نے بعض اہلِ علم سے سُنا ہے"۔[2]

اخلاص وللّٰہیت

حضرت علی کَرَّمَ اللہ تعالیٰ وَجْہَہٗ کا واقعہ مشہور ہے کہ "آپ ایک کافر کے قتل کرنے کے واسطے اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھے اُس نے آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا آپ فوراً اُتر پڑے اور اس کو چھوڑ دیا۔ اُس نے پوچھا کہ آپ باوجود اس کے کہ مجھ پر غالب ہو گئے تھے اور میں پوری طرح آپ کے قبضہ میں آگیا تھا پھر گستاخی بھی سخت کی باوجود ان

---

[1] سہ ماہی رسالہ احوال وآثار (کاندھلہ) ج ا ش ۳، ص ۸۸۔

[2] الافاضات الیومیہ ج ا صفحہ ۲۵۔

مُقتَضَیات کے پھر کیا وجہ پیش آئی کہ الگ ہو گئے اور قتل نہیں کیا۔ فرمایا کہ تیرے تھو کنے سے پہلے تو میری نیت اللہ کے واسطے تجھ کو مارنے کی تھی اور جب تُو نے تھوکا تو غصہ آگیا اور نفس نے کہا کہ جلدی اس گستاخ کا کام تمام کردو تو اب نفس کی آمیزش ہوگئی۔ اگر قتل کرتا تو خالص اللہ کے لیے نہ ہوتا اس لیے میں نے چھوڑ دیا وہ یہ دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔ [۱]

شیخ ابوالحسین نوریؒ کا اخلاص

تیسری صدی ہجری کا قصہ ہے جس میں وقت کا حاکم عباسی حکمران ابوالعباس احمد بن موفق المعروف بہ مُعتَضِد باللہ تھا جو بہت سی خوبیوں کے باوصف بہت سی خرابیوں کا بھی شکار تھا۔ علامہ سیوطی (م ۹۱۱ھ) اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ سخت گیر حکمران تھا، اس کو کسی پر غصہ آجاتا تھا تو پھر معاف نہیں کرتا تھا، اکثر مجرموں کو زندہ زمین میں گڑوا دیتا تھا۔" [۲] اس بادشاہ کے زمانے میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ شیخ ابوالحسین احمد بن محمد نوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۹۵ھ) حضرت تھانویؒ نے آپ کے احتساب کا ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے جو دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ نصیحت آموز بھی ہے اور اس سے آپ کے کامل اخلاص کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں

"ایک بار ایک موقع پر چلے جا رہے تھے۔ چلتے چلتے دِجلہ کے کنارے پہنچے دیکھا کہ شراب کے مٹکے کشتیوں سے اُتر رہے ہیں پوچھا کہ ان میں کیا ہے؟ کشتی والے نے کہا کہ شراب ہے۔ خلیفہ وقت معتضد باللہ کے لیے آئی ہے اور وہ دس مٹکے تھے۔ شیخ کو غصہ آیا اور کشتی والے کی لکڑی مانگ

---

[۱] وعظ ذم الھویٰ مشمولہ آداب انسانیت ص۳۱

[۲] تاریخ الخلفاء عربی ص۳۶۸

کر انہوں نے نو مٹکے یکے بعد دیگرے توڑ ڈالے اور ایک مٹکا چھوڑ دیا ۔ چونکہ یہ شراب خلیفہ کے لیے لائی گئی تھی اس لیے ان کا براہ راست خلیفہ کے ہاں چالان کر دیا گیا ۔ معتضد باللہ نہایت ہیبت ناک صورت میں بیٹھ کر اجلاس کیا کرتا تھا ۔ لوہے کی ٹوپی اوڑھتا تھا اور لوہے کی زرہ اور لوہے کا گرز ہاتھ میں ہوتا تھا اور لوہے کی کرسی پر بیٹھتا تھا۔

معتضد نے نہایت کڑک کر ہولناک آواز سے پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا ۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جو کچھ میں نے کیا ہے آپ کو بھی معلوم ہے ۔ دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ورنہ میں یہاں تک نہ لایا جاتا ۔ معتضد یہ جواب سن کر برہم ہوا اور پوچھا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی کیا تم محتسب ہو ۔ شیخ نے فرمایا کہ ہاں محتسب ہوں ۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تم کو کس نے محتسب بنایا ہے ۔ فرمایا کہ جس نے تجھ کو خلیفہ بنایا ہے ۔ خلیفہ نے پوچھا کہ کوئی دلیل ہے فرمایا کہ

یَا بُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ط

(قائم کر نماز کو حکم کر نیک باتوں کا ۔ اور روک لوگوں کو بُری باتوں سے اور اس سے جو تجھ کو تکلیف پہنچے اس پر صبر کر)

معتضد یہ بیباکی کی باتیں سن کر متأثر ہوا اور کہا کہ ہم نے تم کو آج سے محتسب بنایا ، مگر ایک بات بتاؤ کہ ایک مٹکہ تم نے کیوں چھوڑ دیا فرمایا کہ جب میں نے نو مٹکے توڑ ڈالے تو نفس میں خیال آیا کہ اے ابوالحسین ! تو نے بڑی ہمت کا کام کیا کہ خلیفۂ وقت سے بھی نہ ڈرا میں نے اسی وقت ہاتھ روک لیا ۔ کیونکہ اس سے پہلے تو اللہ تعالےٰ کی

رضامندی کے لیے توڑے تھے۔ اگر اب توڑوں گا تو وہ نفس کے لیے ہوگا
اس لیے دسواں مٹکا چھوڑ دیا۔" [۱]

یہ واقعہ تو حضرت ابوالحسین نوریؒ کے احتساب و اخلاص کا تھا۔ ایک واقعہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ (م ۵۰۵ھ) نے آپ کے انتہائی ایثار کا لکھا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں۔

"کسی بادشاہ کے سامنے صوفیہ صافیہ کے ایک گروہ کے حق میں لوگوں نے غَمَّازِی (چغلی) کی سب صوفیوں کے قتل کے واسطے تلوار کھینچی گئی ان میں حضرت ابوالحسین نوری قدس سرہ بھی تھے آگے بڑھے کہ پہلے مجھے قتل کریں، بادشاہ نے پوچھا کہ تم آگے کیوں بڑھے؟ کہا یہ سب صوفی میرے دوست بھائی ہیں میں نے چاہا کہ ایک ساعت پہلے ان پر سے جان نثار کروں، بادشاہ نے کہا: سبحان اللہ جو لوگ ایسے با مُرُوَّت ہوں انہیں قتل کرنا درست نہیں اور سبھوں کو رہا کر دیا۔" [۲]

یاد رہے کہ حضرت شیخ ابوالحسین نوری رحمہ اللہ اپنے زمانہ کے اولیاء کبار میں سے تھے، آپ حضرت سری سقطیؒ (م: ۲۵۳ھ) کے مرید، حضرت شیخ احمد بن ابی الحواریؒ (م: ۲۳۰ھ) سے صحبت یافتہ اور حضرت جنید بغدادیؒ (م: ۲۹۷ھ) کے ہم عصر تھے۔

آپ کو نوری اس لیے کہتے ہیں کہ جب آپ اندھیری رات میں گفتگو فرماتے تو آپ کے مُنہ سے ایسا نور نکلتا جس سے سارا گھر روشن ہو جاتا۔

---

[۱] وعظ ذم الھویٰ ص۳۰ مشمولہ خطبات حکیم الامت ج ۹ المسمّٰی بہ آداب انسانیت۔

[۲] اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیاء سعادت ص۱۹۴

اور اس وجہ سے بھی کہ آپ اپنے نورِ فراست سے باطن کے اسرار بتا دیا کرتے تھے۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ جنگل میں آپ نے ایک عبادت خانہ بنوایا ہوا تھا جس میں آپ ساری رات عبادت کرتے تھے۔ جب لوگ وہاں آپ کی زیارت کے لیے آتے تو رات کو ایک نور چمکتا ہوا دیکھتے جو گھر کے اوپر تک چھایا ہوا ہوتا تھا۔ [1]

ابتدا میں آپ کی یہ حالت تھی کہ ہر روز صبح دکان جاتے وقت گھر سے کھانا ساتھ لے کر نکلتے اور راستے میں اُسے صدقہ کر دیتے اور مسجد میں جا کر ظہر تک نماز پڑھتے رہتے پھر نکل کر دکان کا دروازہ کھولتے اور روزہ رکھے رہتے، گھر والوں کو یہی خیال ہوتا کہ آپ دکان جا کر کھانا کھا لیتے ہوں گے اور دکان والوں کو یہ خیال ہوتا کہ گھر سے کھا کر آئے ہوں گے، پورے بیس برس ان کی یہی حالت رہی لیکن کسی کو اس کا پتہ نہیں چلا۔ [2]

آپ فرماتے تھے کہ: ہمارے زمانے میں دو چیزیں بہت نایاب ہیں ایک عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہو۔ دوسری، عارف جو حقائق بیان کرتا ہو۔ [3]

حضرت شیخ الہندؒ کا اخلاص

حضرت شیخ ابوالحسین نوریؒ کے اخلاص کا واقعہ نظر سے گزرا تو راقم الحروف کو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ (م: ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) کے اخلاص وللّٰہیت کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ مناسب معلوم ہوا کہ وہ بھی نذرِ قارئین کیا جائے تاکہ قارئین کو معلوم ہو

---

[1] تذکرۃ الاولیاء فارسی ج ۲ ص ۳۹

[2] تذکرۃ الاولیاء فارسی ج ۲ ص ۴۰

[3] رسالہ قشیریہ مترجم ص ۶۳

کہ ہمارے اکابر رحمہم اللہ اخلاص وللّٰہیت میں مکمل طور پر اپنے اسلاف کے نقش قدم پر تھے۔

ملاحظہ فرمائیے، حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک بار احقر کی درخواست پر مدرسہ جامع العلوم کانپور کے جلسۂ دستار بندی میں رونق افروز ہوئے اور احقر کے بے حد اصرار پر وعظ فرمانے کا وعدہ فرمایا جامع مسجد میں وعظ شروع ہوا، جناب مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی بھی کانپور تشریف لائے ہوئے تھے۔ میرے عرض کرنے پر جلسہ میں تشریف لائے اور عین اثنائے وعظ میں تشریف لائے اُس وقت ایک بڑا عالی مضمون بیان ہو رہا تھا جس میں معقول کا ایک خاص رنگ تھا۔ ہم لوگ خوش ہوئے کہ ہمارے اکابر کی نسبت معقولات میں مہارت کم ہونے کا شبہہ آج جاتا رہے گا، اور سب دیکھ لیں گے کہ معقول کس کو کہتے ہیں، مولانا کی جوں ہی مولانا علی گڑھی پر نظر پڑی فوراً وعظ بیچ ہی میں سے قطع کر کے بیٹھ گئے۔ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی بوجہ ہم درس ہونے کے بے تکلف تھے انہوں نے دوسرے وقت عرض کیا کہ یہ کیا کیا یہی تو وقت تھا بیان کا۔ فرمایا یہی خیال مجھ کو آیا تھا اس لیے قطع کر دیا کہ یہ تو اظہارِ علم کے لیے بیان ہوا نہ کہ اللہ کے واسطے"۔ [۱]

اخلاص کی برکت سے بغداد کا مدرسہ نظامیہ بچ گیا

پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں حسن بن علی نظام الملک طوسی کی حکومت تھی، یہ

---

[۱] ذکر محمود ص۵ حضرت تھانویؒ کا یہ رسالہ ماہنامہ انوار مدینہ ج نمبر ۹ ش نمبر ۸ میں مکمل شائع ہو گیا ہے۔

بادشاہ نہایت ہی فہم و فراست کا مالک اور حدیث و فقہ کا عالم تھا، علم دوست اور علماء کا قدر دان تھا۔ اس کے دورِ حکومت میں علم کو بڑی ترقی ہوئی ہے۔

نظام الملک نے ملک کے چپے چپے پر مکاتب و مدارس قائم کئے جن کا خرچ خود برداشت کرتا تھا۔ علامہ قزوینیؒ نے "آثار البلاد" میں تصریح کی ہے کہ اس زمانہ میں مدارس کا سالانہ خرچ چھ لاکھ اشرفیاں تھیں، اس کے سوا اپنی کل جاگیرات کا دسواں حصہ تعلیم کے مصارف پر وقف کر دیا تھا۔ علامہ شبلیؒ کا کہنا ہے کہ سلطنتِ سلجوقیہ کی اشرفیاں ہماری نظر سے گزری ہیں کم سے کم ۲۵ روپے کے برابر ہوتی ہیں اس بناء پر نظام الملک کے خاص عطیہ کو چھوڑ کر ایک کروڑ پچاس لاکھ سالانہ کی رقم شاہی خزانہ سے تعلیمات کے لیے مقرر تھی۔" [۱]

نظام الملک کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ اس نے بغداد میں ایک عالی شان مدرسہ بنوایا جس کا نام تھا "مدرسہ نظامیہ" اس مدرسہ کے متعلق حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"بغداد میں ایک مدرسہ نظامیہ تھا کہ جس سے بڑے بڑے علماء جیسے امام غزالیؒ اور شیخ سعدیؒ پڑھ کر نکلے اور وجہ اس مدرسہ کی بناء کی یہ ہوئی تھی کہ اس زمانہ میں قضاء اور افتاء اور دیگر بڑے بڑے عہدے علماء ہی کو دیے جاتے تھے تو جس کا باپ مثلاً قاضی ہوتا تھا وہ کوشش کرتا تھا اور دعویٰ استحقاقِ قضا کا کرتا تھا خواہ وہ اہل ہو یا نہ ہو تو سلطانِ وقت نے بمشورہ وزراء و ارکانِ دولت اس لیے یہ مدرسہ بناء کیا کہ جو اس مدرسہ میں پاس حاصل کرے اس کو یہ عہدے دیے جاویں گے تاکہ نا اہلوں کو اور جہلاء کو حوصلہ ایسے عہدوں کی درخواست کا نہ ہو تو جس روز اُس مدرسہ کی

---

[۱] الغزالی ص ۱۶ طبع مدینہ پبلشنگ کراچی

بنیاد رکھی گئی اس روز علماء بخارا میں ماتم ہوا تھا کہ آج کی تاریخ سے علم دین دُنیا کے لیے پڑھا جائے گا، لیکن تاہم ایسے بڑے علماء اس میں سے پڑھ کر نکلے کہ فخرِ علماء ہوئے اور جن کا نظیر اس وقت روئے زمین پر نہیں ایک روز بادشاہ اس مدرسہ کے دیکھنے کے لیے تشریف لائے اور مخفی طور سے طلبہ کے خیالات کی آزمائش کی کہ دیکھیں علم پڑھنے سے ان کی کیا غرض ہے، چنانچہ ایک طالب علم سے پوچھا کہ آپ کس لیے پڑھتے ہیں اس نے کہا کہ میں اس لیے پڑھتا ہوں کہ میرا باپ قاضی ہے میں اگر عالم بن جاؤں گا تو میں بھی قاضی ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد دوسرے سے پوچھا، اُس نے کہا کہ میرا باپ مفتی ہے میں مفتی بننے کے لیے پڑھتا ہوں۔ غرض جس سے پوچھا اس نے کوئی غرض دنیا ہی کی بتلائی۔ بادشاہ کو بہت غصہ آیا کہ افسوس ہے کہ ــــــــ علم دین دُنیا کے لیے پڑھا جارہا ہے اور ہزاروں روپیہ مفت میں برباد ہو رہا ہے۔ ایک گوشہ میں امام غزالیؒ بھی خستگی کی حالت میں بیٹھے کتاب دیکھ رہے تھے۔ اس وقت تک یہ طالب علم تھے نہ کوئی جانتا تھا نہ شہرت تھی ان سے دریافت کیا کہ تم کیوں پڑھتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے معلوم کیا ہے کہ ہمارا ایک مالک حقیقی جو سماوات و ارض کا مالک ہے اور مالک کی اطاعت ضروری ہوتی ہے کہ اسکی مرضیات پر عمل کرے اور نامرضیات سے بچے۔ سو میں اس لیے پڑھتا ہوں کہ اس کی مرضیات و نامرضیات کی اطلاع حاصل ہو، بادشاہ سُن کر خوش ہوئے اور ظاہر کر دیا کہ میں بادشاہ ہوں اور کہا کہ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ اس مدرسہ کو توڑ دوں مگر تمہاری وجہ سے یہ مدرسہ رہ گیا۔" [۱]

---

[۱] وعظ ذم الهویٰ صـ۲۸ مشمولہ آدابِ انسانیت

ہم کو اللہ کی نماز ادا کرنی تھی وہ ادا کر لی

پروفیسر خلیق احمد نظامی تحریر فرماتے ہیں۔

"سکندر (لودھی) جب تک بہار میں رہا پابندی کے ساتھ نماز جمعہ کے لیے حاضر ہوتا تھا، ایک مرتبہ اسے آنے میں دیر ہو گئی میاں بُدّای حقّانی نے سلطان کا انتظار کیے بغیر جماعت کھڑی کرا دی، جب نماز ختم ہو چکی تو بادشاہ پہنچا، جمالی نے سمجھ لیا کہ نماز ہو چکی ہے، لیکن درباری ذہنیت سے مجبور ہو کر نمازیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

"اے مرداں! بس ایں مقدار تاخیر نہ باید کرد کہ بادشاہ بیاید"	(اے لوگو! کیا تم اتنی دیر انتظار نہیں کر سکتے تھے کہ بادشاہ تشریف لے آتے؟)

میاں بُدّای حقّانی، جمالی کی یہ تقریر سُن کر فوراً بولے:

"من نماز خدائے را گزرانیدم و گزاردیم"	ہم کو اللہ کی نماز ادا کرنی تھی وہ ادا کر لی،

سکندر نے مولانا جمالی کو خاموش کر دیا اور میاں بُدّای سے کہا کہ آپ نے اچھا کیا کہ نماز ادا کرا دی کوتاہی تو میری ہی ہے۔" [۱]

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"بعض مؤرخین نے جھوٹی جھوٹی تواریخ لکھ کر شاہانِ اسلام کو بدنام کیا

---

[۱] سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات صـ۴۵۷

کیا ہے، محض اپنے مصالح کی غرض سے ورنہ شاہانِ اسلام کی مراعات عدل آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت عالمگیر کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے جیسے بہت ہی بڑے بزرگ کا نام لیا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت شاہجہان بادشاہ کے زیادہ معتقد تھے، فرمایا کرتے تھے کہ شاہجہان سلطنت کے زیادہ مناسب تھے، ایک صاحب کو حضرت عالمگیرؒ پر کچھ تاریخی شبہات تھے۔ وہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کیے، مولانا نے سب شبہات کا جواب دیا اور فرمایا کہ حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کو بارہ ہزار حدیث کے متن یاد تھے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی نسبت فرمایا ان کو چھ ہزار متن یاد تھے۔ متولی عبدالرحمٰن صاحب انہوں نے مولانا سے عرض کیا کہ حضرت کو کس قدر یاد ہیں فرمایا پھر جواب دوں گا، یہ مزید احتیاط کی بنا پر فرمایا، ایک ماہ کے بعد فرمایا کہ مجھ کو تین ہزار حدیث کے متن یاد ہیں۔" [۱]

علمی غیرت

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ (م ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء) نے اپنی کتاب "نظام تعلیم و تربیت" میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) کے صاحبزادے مولانا نور الحق رحمہ اللہ (م ۱۰۷۴ھ/۱۶۶۳ء) کے ایک شاگرد سید

---

[۱] الافاضات الیومیہ ج ۱ ص ۲۸۹

محمد مبارک محدث بلگرامی رحمہ اللہ (م ۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء) کا ایک واقعہ درج کیا ہے۔ یہ واقعہ سید محمد مبارک رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید مولانا طفیل محمد بلگرامی رحمہ اللہ (م ۱۱۵۱ھ/۳۸، ۱ء) کا چشم دید ہے اور انہوں نے یہ واقعہ اپنے شاگرد سید غلام علی آزاد بلگرامی رحمہ اللہ (م ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۵ء) کو سنایا تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ یہ واقعہ انہی مولانا آزاد بلگرامیؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں، لیجئے ملاحظہ فرمائیے مولانا تحریر فرماتے ہیں۔

"ان ہی مولانا نور الحقؒ کے ایک شاگرد سید محمد مبارک محدث بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں مولانا آزادؒ نے ارقام فرمایا ہے کہ ان کے وہی استاذ المحققین مولانا طفیل محمد بلگرامی نے اپنا یہ چشم دید واقعہ مولانا آزادؒ سے بیان کیا،

"روزے شرفِ خدمت حضرت میر (مبارک) دریافتم برائے تہیۂ وضوء برخاستہ بود ناگاہ بر زمین افتاد، بہ سرعت تمام شتافتہ نزدیک رفتم بعد ساعتے افاقت آمد"

(ایک روز مجھے حضرت میر مبارک کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل ہوا، آپ وضو کے ارادے سے اُٹھے تھے کہ اچانک زمین پر گر پڑے، میں نے جلدی سے پہنچ کر انہیں اُٹھایا، کچھ دیر بعد انہیں افاقہ ہوا۔)

لیکن جانتے ہو کہ یہ میر مبارکؒ محدث بیہوش ہو کر کیوں گر پڑے تھے، میر طفیل محمدؒ ہی کی زبانی اس کا افسانہ سُنیے۔

"کیفیت استفسار کردم، بعد مبالغۂ بسیار فرمود۔"

(میں نے حالت پُوچھی تو میرے انتہائی اصرار کرنے پر فرمایا۔)

مبالغۂ بسیار کے بعد کیا فرمایا۔

"سہ روز است کہ مطلقاً از

(تین دن گزر گئے کچھ بھی کھانے

جنس غذا میسّر نیامد"۔ کو نہیں ملا)

گویا تین دن سے کھیل اُڑ کر مُنہ میں میر صاحبؒ کے نہیں پڑی تھی، پھر کیا اس فاقہ کے بعد انہوں نے چندہ کا اعلان کیا تھا، خود ہی فرماتے ہیں۔

"دریں سہ روز با ہیچ کس لب بہ اظہار نہ کشود و دام نہ گرفت"۔

(ان تین دنوں میں نہ کسی کے سامنے کچھ ظاہر کیا اور نہ کسی سے قرضہ لیا۔)

علم کی غیرت کا یہ حال ہے اور دین کی پاسداری کا قصہ اس سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے میر طفیل محمدؒ فرماتے ہیں کہ

"مرا بسیار رقت دست داد فی الفور از آنجا بہ مکان خود شتافتم وطعام شیریں کہ مرغوب ایشاں بود مہیا ساختہ حاضر آوردم، اول بشاشت بسیار ظاہر نمود و دُعا ہا کرد"

(مجھے (یہ سُن کر) بڑا ہی رونا آیا، مَیں وہاں سے فوراً اُٹھا اور گھر جا کر حضرت کا پسندیدہ شیریں کھانا تیار کروا کرلے آیا، آپ نے اوّلاً تو بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور بڑی دعائیں دیں۔)

مگر یہ تو اپنے سعادت مند شاگرد کی ہمّت افزائی کے لیے بشاشت تھی۔ دینی ذمہ داریوں کا احساس اب بیدار ہوتا ہے اور فرماتے ہیں، تین دن کے بھوکے بیہوش ہو کر گرنے والے میر مُبارکؒ فرماتے ہیں۔

"سخنے گویم بشرطیکہ شما گراں خاطر نہ شوید گفتم حضرت بفرمائید"

(میں تم سے ایک بات کہتا ہوں بشرطیکہ تمہاری طبیعت پر گراں نہ گزرے، میں نے عرض کیا کہ حضرت (ضرور) فرمائیے)

دینی نکتہ نوازی سنیے اپنے اسی شاگرد سے جس کی خاطر شکنی بھی منظور نہیں فرماتے ہیں

"در اصطلاحِ فقراء این را طعامِ اشراف گویند۔" (فقراء کی اصطلاح میں اس کھانے کو اشراف[1] والا کھانا کہتے ہیں۔)

یعنی نفس نے جس کی طرف لو لگائی تھی یہ ایسا کھانا ہے، کیونکہ اظہارِ خیال کے بعد اور میر طفیل محمدؒ کے جانے کے بعد میر مبارکؒ کے نفس نے ظاہر ہے کہ کھانے کی اُمید قائم کر لی تھی، اس کے بعد میر مبارکؒ فرماتے ہیں۔

"ہر چند نزدِ فقہاء اکلِ آں جائز است و در شرع بعد از سہ روز میتہ حلال، اما در طریقہ فقراء اکلِ طعامِ اشراف جائز نیست۔" (گو کہ فقہاء کے نزدیک اس کا کھانا جائز ہے اور شریعت میں تین دن کے بعد مردار بھی حلال ہو جاتا ہے، تاہم فقراء کے نزدیک طعامِ اشراف کا کھانا جائز نہیں۔)

یعنی مخلوق سے توقع قائم کرنے کے بعد جو چیز سامنے آئے اِن لوگوں کے لیے اس کا لینا جائز نہیں ہے جنہوں نے۔ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ (نہیں روکنے والا ہے اس سے کوئی جسے تو دے اور نہ

---

[1] حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ فرماتے ہیں (جب) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے (زکوٰۃ وصول کرنے کی اجرت) عطا فرماتے تو میں عرض کرتا یہ اس شخص کو دیدیجئے جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو، آپ اس کے جواب میں فرماتے (اگر تمہیں حاجت وضرورت ہو تم) اسے لے کر اپنے مال میں شامل کر لو (اور اگر حاجت وضرورت سے زیادہ ہو تو خود) خدا کی راہ میں خیرات کر دو (نیز آپ یہ بھی فرماتے کہ) جو چیز تمہیں بغیر اشراف یعنی طمع وحرص اور بغیر مانگے حاصل ہو اسے قبول کر لو اور جو چیز اس طرح ہاتھ نہ لگے تو اس کے پیچھے مت پڑو۔ (بخاری ومسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص۱۶۲)

دینے والا ہے کوئی اسے جس کے لیے تو روک دے) پر کمر ہمت چست کی ہو اور جنہوں نے۔ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهٖ (آدمی کے لیے اللہ جس رحمت کو کھول دیتا ہے پھر اس کا روکنے والا کوئی نہیں اور جسے روک دیتا ہے اس کا جاری کرنے والا بھی اس کے بعد کوئی نہیں) ۔ ہی کے تجربہ کا نام " الحیوۃ الدنیا " قرار دے رکھا ہے ۔ میر طفیل محمدؒ استاذ کے مذاق شناس تھے ، بغیر کسی اصرار اور ردّ و کد کے کھانا سامنے سے اُٹھا لیا اور چلے گئے اوٹ میں جانے کے بعد پھر لوٹے اور اب کھانا پیش کر کے اُستاد سے پوچھتے ہیں ۔

" ہرگاہ بندہ طعام را برداشتہ برد حضرت را توقع بود کہ باز خواہم آورد "	جس وقت بندہ کھانا اُٹھا کرلے گیا تھا کیا حضرت کو اسکی توقع تھی کہ میں واپس آؤں گا)

فرمایا " نے " ، نہیں ، میر طفیل محمدؒ نے عرض کیا ۔

" حالا ایں طعام بے توقع حضرت آوردہ ام طعام اشراف نماند "	(اب جبکہ میں یہ کھانا حضرت کی توقع کے بغیر لایا ہوں تو اب یہ طعام اشراف نہیں رہا ۔)

سعید شاگرد کی اس حسن تدبیر پر استاذ خوش ہوئے اور بولے ۔

" شما عجب فراستے بہ کار بردید " (تم نے بڑی فراست سے کام لیا)

اس منطق سے جو منطق نہیں واقعہ تھا ۔ استاذ کو شکست کا اعتراف کرنا پڑا اور ۔

" طعام را بہ رغبت تمام (اور انتہائی رغبت کے ساتھ

تناول فرمود" کھانا کھالیا)"[1]

شانِ استغناء

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ " اخبار الاخیار " کے حوالے سے رقمطراز ہیں" محدث دہلوی شیخ عبدالحق نے اخبار میں لکھا ہے کہ گجراتی سلطان بہادر خاں مدت العمر اس آرزو میں رہا کہ شیخ متقی اس کے شاہی محل سرا کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے سعادت اندوزی کا موقع دیں، لیکن آرزو پوری نہیں ہوتی تھی، وقت کے قاضی عبداللہ السندی کو بادشاہ نے تیار کیا کہ کسی طرح سمجھا بجھا کر ایک ہی دفعہ سہی شیخ کو شاہی کوشک میں لے آئیں۔ السندی بڑی جدوجہد کے بعد کامیاب ہوئے، مگر شیخ نے شرط کر دی تھی کہ بادشاہ کے ظاہر یا باطن میں اگر کوئی اجنبی غیر اسلامی عنصر نظر آئے گا تو میں خاموش نہیں رہ سکتا، بر سرِ دربار ٹوک دوں گا، شرط منظور کر لی گئی۔ شیخ سے بادشاہ نے کہلا بھیجا۔ " ملازماں ہر چہ دانند بگویند و بکنند " (جناب کے خدام جو مناسب سمجھیں کہیں اور کریں) شیخ تشریف لائے اور جو جی میں آیا گجرات کے اس بادشاہ کے منہ پر فرماتے چلے گئے، محدث دہلوی نے لکھا ہے نصیحتے کہ بالیست کرد و راکردند (شیخ کے معتقدین نے اسے نصیحتیں کیں) اور اُٹھ کر چلے آئے، اس کے بعد کیا ہوا اس زمانے کے مولوی کے سینے میں حوصلہ ہے جو یہ سُن سکتا ہے فرماتے ہیں لاکھ دو لاکھ نہیں درّ یک کروڑ تنکہ گجراتی فتوح فرستاد"۔ (دوسرے دن سلطان نے

---

[1] پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ج ۱ ص ۲۲۔

ایک کروڑ روپے گجراتی بطور ہدیہ شیخ کی خدمت میں روانہ کیے) واللہ اعلم گجراتی تنکہ کی کیا قیمت تھی، تاہم وہ تنکہ ہی تھا، روپیہ سے کیا کم ہو گا اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ، نہیں بلکہ میرے نزدیک تو ہم جلیسوں کے لیے دل ہلا دینے والا شرم سے گردنوں کو جھکا دینے والا واقعہ ہے "کہ آں مبلغ (یک کروڑ تنکہ گجراتی) را بہ تمام بقاضی عبد اللہ السندی مذکور دادند" (آپ نے وہ ایک کروڑ گجراتی تنکے سب کے سب قاضی عبد اللہ سندی کو دے دیئے) دنیا کے بادشاہ نے جو کچھ بھی بھیجا تھا دین کے بادشاہ نے اس کو پھر اسی کے ملازم کے حوالہ کر دیا، فرمایا کہ

" ایں فتوح بہ توسل او آمدہ است پس مستحق او ہموں است " [1] (چونکہ بادشاہ کی ملاقات کا ذریعہ تم تھے اس لیے یہ ساری رقم تمہاری ہے)

حضرت شیخ علی متقی حنفی اپنے زمانے کے بہت بڑے محدث اور انتہائی مرتاض بزرگ تھے، ۸۸۵ھ میں ہندوستان کے صوبۂ دکن کے ایک شہر برہان پور میں پیدا ہوئے۔ وقت کے بڑے بڑے علماء و مشائخ سے فیض حاصل کیا، کچھ عرصہ بعد ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہاں شیخ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی مکی شافعی سے حدیث کا اور شیخ ابو الحسن بکری شافعی سے طریقت کا درس لیا، شریعت و طریقت میں آپ اس قدر بلند مرتبہ پر پہنچے کہ خود آپ کے اساتذہ و مشائخ کو آپ پر فخر ہونے لگا، چنانچہ آپ کے استاذ حدیث شیخ ابن حجر ہیتمی آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا، آپ نے تقریباً سو کتابیں تصنیف فرمائیں

---

[1] پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ج ۱ ص ۳۰۲

جن میں سب سے اہم کتاب " کَنْزُ الْعُمَّالْ "، ہے، یہ احادیث نبویہ کا دائرۃ المعارف ہے جس میں تقریباً سینتالیس ہزار احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اس کتاب کو دیکھ کر آپ کے شیخ طریقت محدّث ابوالحسن بکری نے فرمایا تھا " لِلسُّیُوْطِی مِنَّۃٌ عَلَی الْعَالَمِیْنَ وَلِلْمُتَّقِی مِنَّۃٌ عَلَیْہِ "، [1] یعنی سیوطیؒ کا احسان تو دنیا پر ہے اور سیوطیؒ پر شیخ متقیؒ کا احسان ہے۔ ۹۷۵ھ میں حضرت شیخ علی متقیؒ کا انتقال ہوا اور جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ میں حضرت فضیل بن عیاض کے جوار میں آپ کی تدفین ہوئی۔ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ جو حضرت شیخ علی متقی رحمہ اللہ کے ایک واسطے سے شاگرد ہیں فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات کے بارہ چودہ برس بعد آپ کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ آپ کا جسم اپنے کفن میں جوں کا توں اپنی اصلی خشک حالت میں موجود ہے حالانکہ مکہ معظمہ کی زمین کی یہ حالت ہے کہ تین چار ماہ کی قلیل مدت میں میت بالکل مٹی ہو جاتی ہے اور اس جسم کا کوئی اثر نظر نہیں آتا ہے۔" [2]

عشق عجیب چیز ہے

حضرت تھانویؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" اس عشق اور محبت کا ایک اور واقعہ یاد آیا کہ ایک قاری صاحب تھے ریاست رامپور میں انہوں نے حج کا ارادہ کیا۔ خرچ پاس نہ تھا۔ سفر شروع

---

[1] علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے دل میں تمام حدیثوں کو ایک کتاب میں جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا اور " جمع الجوامع " کے نام سے ایک کتاب تالیف بھی کی لیکن ترتیب کے لحاظ سے اس کتاب سے استفادہ آسان نہیں تھا، شیخ علی متقی رحمہ اللہ نے نئے سرے سے اس کام کو ایسی عمدہ ترتیب سے انجام دیا کہ علامہ سیوطی کی کتاب کی جگہ ان ہی کی کتاب نے لے لی۔

[2] اخبار الاخیار فارسی ص ۲۶۶

کیا۔ دن کو روزہ رکھتے۔ پیدل چلتے اور شام جہاں ہو جاتی ٹھہر جاتے کچھ چنے ساتھ لے لیے تھے۔ دن کو روزہ رکھتے شام کو ایک مٹھی چنوں سے افطار فرما لیتے۔ غرض اسی طرح بمبئی پہنچ گئے۔ کوئی جہاز تیار ہوا کپتان جہاز سے ملے کہ ہم جدہ جانا چاہتے ہیں اور خرچ ہمارے پاس ہے نہیں۔ ہم کو کوئی نوکری جہاز میں دے دو۔ اس نے نورانی صورت دیکھ کر سمجھا کہ ان کو ایسی نوکری بتاؤں جس کو یہ قبول ہی نہ کر سکیں۔ کہا کہ بھنگی کی جگہ خالی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے منظور ہے اُس نے دیکھا کہ یہ تو اس پر آمادہ ہیں تو اور بات گھڑی کہ محض بھنگی ہی کا کام نہیں اس کے ساتھ بوجھ بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ بھی منظور ہے۔ اس نے کہا کہ اچھا بوجھ اٹھانے میں امتحان دو ایک بورا تھا جس میں اڑھائی تین من وزن تھا کہا کہ اس کو اٹھاؤ انہوں نے اس بورے کے پاس پہنچ کر حق تعالےٰ سے دُعا کی کہ یہاں تک تو میرا کام تھا۔ اب آگے آپ کا کام ہے۔ مجھ میں قوت دے دیجئے پس بِسْمِ اللہ کہہ کر بورے کو سر سے اُونچا اُٹھا لیا تب تو کپتان جہاز مجبور ہوا۔ انہوں نے بھنگی کا کام شروع کر دیا۔ شب کے وقت قاری صاحب حسبِ معمول تہجد پڑھتے۔ ایک روز جہاز کے کنارے پر کھڑے تہجد پڑھ رہے تھے اور اس میں جہر کے ساتھ تلاوتِ قرآن کر رہے تھے کہ اتفاق سے وہ انگریز کپتان جہاز اس طرف آنکلا۔ قرآن شریف بہت ہی عمدہ پڑھتے تھے۔ انگریز کو سُن کر بہت اچھا معلوم ہوا۔ قاری صاحب نے جب سلام پھیر دیا تو اس نے پوچھا کہ تم کیا پڑھتے تھے؟ کہا کہ قرآن، پوچھا کہ قرآن کس کو کہتے ہیں کہا کہ ایک کتاب ہے خدا کا کلام ہے۔ اس نے کہا کہ ہم کو بھی سکھا دو انہوں نے کہا کہ ہر شخص نہیں سیکھ سکتا اس کے لیے پاک ہونے کی ضرورت ہے۔ اس

پر کہا کہ ہم غسل کر لیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ظاہری غسل سے کچھ نہیں ہوتا۔ باطنی غسل کی ضرورت ہے۔ کہنے لگا کہ باطنی غسل کیسے ہوتا ہے فرمایا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھنے سے ہوتا ہے۔ یہ سُن کر کہنے لگا کہ ہم کو سکھلا دو انہوں نے سکھلا دیا اور وہ اس کو یاد کرتا پھرتا تھا۔ دوسرے انگریزوں نے اس کی میم سے کہہ دیا۔ میم نے پوچھا کیا تم مسلمان ہو گئے؟ کہا نہیں، پھر اُس نے قاری صاحب سے کہا کہ کیا ہم کلمہ پڑھنے سے مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے فرمایا آج کیا مدّت ہوئی۔ اوّل تو وہ کچھ گھبرایا۔ اس کے بعد کہا کہ اچھا ہم مُسلمان ہی ہوتے ہیں اور میم سے کہہ دیا۔ اگر ہمارا ساتھ دینا ہے تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔ اس نے انکار کیا۔ آخر جدہ پہنچ کر اپنے نائب کو چارج دے کر خود قاری صاحب کے ساتھ ہو لیا اور خادموں میں داخل ہو کر حج کو چلا گیا۔ تو حضرت یہ عشق وہ چیز ہے کہ اس میں آدمی آبرو مال جان سب کچھ دے بیٹھتا ہے۔ کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا۔ ہم میں اسی کی کمی ہے ورنہ جس کے اندر یہ حالت پیدا ہو جائے اس پر خدا کا بڑا فضل ہے"۔ [۱]

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں

اللہ تعالیٰ نے سورۂ " اَنْعَام " میں اٹھارہ جلیل القدر انبیاء کرام کا نام بنام اور دیگر انبیاء کرام کا ضمناً تذکرہ فرما کر ارشاد فرمایا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ : (۶ : ۹۰) یہ حضرات ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی سو آپ بھی اُنہی کے طریق پر چلیے۔

---

[۱] الافاضات الیومیۃ ج ۳ ص ۱۸۵

اس آیت کریمہ کے تحت علامہ علاء الدین علی بن محمد ابراہیم بغدادی شافعی رحمہ اللہ (م ۷۲۵ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

"علماء کرام نے اس آیت کریمہ سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تمام انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام سے افضل ہیں۔ بیان اس کا یہ ہے کہ فضل و کمال کی تمام خصلتیں اور شرف و مرتبہ کی تمام صفتیں تمام انبیاء کرام کو متفرق طور پر دی گئی ہیں۔ (یعنی کسی نبی کو کوئی صفت کسی نبی کو کوئی صفت) چنانچہ نوح علیہ السّلام میں یہ خاص صفت تھی کہ وہ اپنی قوم کی اذیتوں کو برداشت کرتے تھے (اور اُف نہ کرتے تھے) حضرت ابراہیم علیہ السّلام میں یہ خوبی تھی کہ آپ بڑے سخی تھے اور اللہ کے راستے میں بڑا مجاہدہ کیا کرتے تھے۔ حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السّلام میں یہ خوبی تھی کہ یہ دونوں حضرات مصیبتوں اور مشقتوں پر صبر کیا کرتے تھے، جناب داؤد اور سلیمان علیہما السّلام اللہ کی نعمتوں پر شکر گزاری میں ممتاز تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اُن کے بارے میں فرماتے ہیں۔ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا (۳۴ : ۱۳) اے داؤد کے خاندان والو تم سب شکریہ میں نیک کام کیا کرو۔ حضرت ایوّب علیہ السلام تکلیف پر صبر کرنے میں خاص امتیاز رکھتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ (۳۸ : ۴۴) بیشک ہم نے ان کو صابر پایا۔ اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہوتے تھے، جناب یوسف علیہ السّلام صبر و شکر دونوں صفتوں کے جامع تھے، جناب موسیٰ علیہ السّلام کو ظاہری شریعت اور کھلے معجزات دیے گئے تھے۔ جناب زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس علیہم السّلام

صفتِ زہد یعنی دُنیا سے بے رغبتی میں ممتاز تھے ۔ جناب اسمٰعیل علیہ السلام صفتِ صدق (سچائی) میں خاص امتیاز رکھتے تھے ، جناب یونس علیہ السلام اللہ کے حضور میں عاجزی کرنے اور گڑگڑانے میں ایک خاص شان رکھتے تھے ۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو ایک تو یہ حکم دیا کہ آپ ان انبیاء کرام کی اقتداء فرمائیں دوسرے وہ تمام خصائلِ حمیدہ جو ان انبیاء کرام کو الگ الگ عطا فرمائی تھیں ۔ وہ تمام کی تمام آپ کو عطا فرما دیں ۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام سے افضل ہیں ۔ کیونکہ آپ میں دیگر انبیاء کرام کی تمام خصائلِ حمیدہ جمع کر دی گئی ہیں ۔" [۱]

کتاب و سُنّت میں طِب و حکمت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ (م ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) تحریر فرماتے ہیں ۔

"تفسیر روح المعانی اور مظہری وغیرہ میں ہے کہ امیر المومنین ہارون رشید کے پاس ایک نصرانی طبیب علاج کے لیے رہتا تھا ۔ اُس نے علی بن حسین بن واقد سے کہا کہ تمہاری کتاب یعنی قرآن میں علمِ طب کا کوئی حصّہ نہیں ، حالانکہ دُنیا میں دو ہی علم ہیں ، ایک علمِ اَدیَان دوسرا علمِ اَبدَان جس کا نام طب ہے ۔ علی بن حسین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سارے فنِ طب و حکمت کو آدھی آیتِ قرآن میں جمع کر دیا ہے ، وہ یہ کہ ارشاد فرمایا کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۔ پھر اُس نے کہا اچھا تمہارے رسول کے

---

[۱] لباب التأویل فی معانی التنزیل ، المعروف تفسیر خازن ج ۲ ص ۱۵۷

کلام میں بھی طب کے متعلق کچھ ہے ؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کلمات میں سارے فنِ طب کو جمع کر دیا ہے، آپ نے فرمایا کہ "معدہ بیماریوں کا گھر ہے اور مضر چیزوں سے پرہیز دوا کی اصل ہے اور ہر بدن کو وہ دو جس کا وہ عادی ہے" (کشاف، روح) نصرانی طبیب نے یہ سُن کر کہا کہ "تمہاری کتاب اور تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جالینوس کے لیے کوئی طب نہیں چھوڑی" [1]

امام کرخیؒ کا بیت المال سے وظیفہ لینے سے انکار

فقہائے احناف میں سے ایک بہت بڑے فقیہ گزرے ہیں جن کا نام نامی عبید اللہ بن حسین ہے کنیت ابوالحسن ہے، عراق کی ایک نواحی بستی "کرخ" کی طرف نسبت کی وجہ سے کرخی کہلاتے ہیں۔ نام سے زیادہ نسبت سے معروف ہیں۔ امام ابوبکر جصاص رازیؒ اور امام ابوالحسن قدوریؒ جیسی قد آور شخصیات کے استاذ ہیں، مولانا عبدالحئی لکھنویؒ آپ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں۔

"آپ بڑی کثرت کے ساتھ نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے تھے۔ اخیر عمر میں فالج کے حملہ کی وجہ سے معذور ہو گئے تھے۔ آپ کے کچھ شاگردوں نے سیف الدولہ بن حمدان کو لکھا کہ "امام کرخیؒ کے لیے بیت المال سے کچھ وظیفہ متعین کر دیا جائے تاکہ وہ فارغ البالی کے ساتھ اپنی عمر کے آخری ایام

---

[1] معارف القرآن ج ۳ ص ۵۲۷ حضرت مفتی صاحبؒ کچھ مزید روایات لکھ کر آخر میں فرماتے ہیں محدثین نے ان روایاتِ حدیث کے الفاظ میں کچھ کلام کیا ہے۔ الخ یہ واقعہ نفحۃ العرب ص ۳۸ پر قلۃ الطعام کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے۔

بسر کر سکیں"۔ امام کرخیؒ کو جب دوستوں کی اس تحریک کی خبر ہوئی تو بے حد روئے اور بولے۔

" اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ رِزْقِیْ اِلَّا مِنْ حَیْثُ عَوَّدْتَنِیْ "

اے اللہ مجھے میرا رزق بس اسی جگہ سے عطا کیجئے جس کا آپ نے مجھے عادی بنا رکھا ہے۔

لکھا ہے کہ سیف الدولہ کا دس ہزار دراہم کا عطیہ پہنچ رہا تھا اور دوسری جانب لوگ اس علم و عمل کے پیکر کو کندھوں پر اٹھائے تہہ خاک سلانے کیلئے لے جا رہے تھے۔"[1]

امام ابوالحسن کرخی رحمہ اللہ کا ۳۴۰ھ میں شعبان کی پندرہویں شب میں انتقال ہوا رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

میں نہیں چاہتا کہ اللہ کی حرام کردہ چیز استعمال کر کے اللہ سے ملوں

سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۶۹ھ) کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ اپنے تقویٰ و طہارت، خوف و خشیت، اور عدل و انصاف کی بنا پر معروف و مشہور ہیں سلاطین اسلام میں آپ کی شخصیت بہت سی خوبیوں کی بنا پر ممتاز ہے آپ کے ایک صاحبزادے تھے اسماعیل یہ بھی اپنے والد کی طرح اچھائیوں میں معروف تھے ان کا لقب ہی " الملک الصالح " تھا، ابھی بالکل نوجوان تھے صرف ۱۹ برس کی عمر تھی کہ مرض قولنج کا شکار ہو گئے۔

علامہ ابن العماد حنبلیؒ (م ۱۰۸۹ھ) لکھتے ہیں۔

---

[1] الفوائد البھیہ ص ۱۰۹

" اطبار نے یہ تجویز پیش کی کہ تھوڑی سی شراب استعمال کیجیے مرض کا ازالہ ہو جائے گا۔ (اطبار اصرار کر رہے تھے) مگر نوجوان شہزادے نے کہا " لَا أَفْعَلُ حَتّٰی أَسْأَلَ الْفُقَهَاءَ " میں فقہار سے جب تک نہ پوچھ لوں گا یہ نہ کروں گا، آخر فقہاء بلائے گئے۔ شافعی مذہب کے علمار نے (ایسی حالت میں اس کے استعمال کے متعلق) بالاتفاق جواز کا فتوٰی دیا، شہزادے نے علمارِ احناف میں سے علامہ علار الدین کاسانی رحمہ اللہ سے سوال کیا تو انہوں نے بھی جواز کا فتوٰی دیا۔ شہزادے نے یہ سُن کر سوال کیا کہ " اگر میری موت کی مقررّہ مدت آچکی ہے تو شراب پینے سے کیا وہ ٹل جائیگی؟ جواب دیا گیا کہ نہیں، شہزادے نے کہا " وَاللّٰهِ لَا لَقِيْتُ اللّٰهَ وَقَدْ فَعَلْتُ مَا حَرَّمَ عَلَيَّ " خدا کی قسم میں ایسی چیز استعمال کر کے اللہ سے ملاقات نہیں کروں گا جسے اس نے مجھ پر حرام قرار دیا ہے، علامہ آگے تحریر فرماتے ہیں۔ " مَاتَ وَلَمْ يَشْرَبْهُ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى " خدا اس پر رحم و کرم فرمائے وہ مرگیا، لیکن اُس نے شراب کو منہ نہیں لگایا۔ [1]

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اِن حضرات کے نقشِ قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

---

[1] شذرات الذہب ج ۴ ص ۲۵۸

حضرت شیخ ابوعبداللہ اندلسیؒ کا عبرت آموز واقعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"سنہ ہجری کی دوسری صدی ختم پر ہے، آفتاب نبوت غروب ہوئے ابھی بہت زیادہ مدت نہیں گزری لوگوں میں امانت دیانت اور تدین تقویٰ کا عنصر غالب ہے۔ اسلام کے ہونہار فرزند جس کے ہاتھ پر اس کو فروغ ہونے والا ہے کچھ برسرکار ہیں اور کچھ ابھی تربیت پا رہے ہیں۔ ائمہ دین کا زمانہ ہے، ہر ایک شہر علماء دین وصلحاء متقین سے آباد نظر آتا ہے خصوصاً مدینۃ الاسلام (بغداد) جو اس وقت مسلمانوں کا دارالسلطنت ہے اپنی ظاہری اور باطنی آرائشوں سے آراستہ ہو کر گلزار بنا ہوا ہے۔ ایک طرف اگر اس کی دلفریب عمارتیں اور ان میں گزرنے والی نہریں دل لبھانے والی ہیں تو دوسری طرف علماء اور صلحاء کی مجلسیں درس وتدریس کے حلقے ذکر وتلاوت کی دلکش آوازیں۔ خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کی دلجمعی کا ایک کافی سامان ہے فقہاء، محدثین اور عباد وزہاد کا ایک عجیب وغریب مجمع ہے۔ اس مبارک مجمع میں ایک بزرگ ابوعبداللہ اندلسیؒ کے نام سے مشہور ہیں جو اکثر اہل عراق کے پیر ومرشد اور استاذ محدث ہیں۔ آپ کے

مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ چکی ہے جن کا عبرتناک واقعہ ہمیں اس وقت ہدیۂ ناظرین کرنا ہے۔

یہ بزرگ علاوہ زاہد و عابد اور عارف باللہ ہونے کے حدیث و تفسیر میں بھی ایک جلیل القدر امام ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو تیس ہزار حدیثیں حفظ تھیں، اور قرآن شریف کو تمام روایاتِ قرارت کے ساتھ پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے سفر کا ارادہ کیا، تلامذہ اور مریدین کی جماعت میں سے بہت سے آدمی آپ کے ساتھ ہولیے جن میں حضرت جنید بغدادی اور حضرت شبلی رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ حضرت شبلی قدس سرہٗ کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے نہایت امن و امان اور آرام و اطمینان کے ساتھ منزل بمنزل مقصود کی طرف بڑھ رہا تھا کہ ہمارا گزر عیسائیوں کی ایک بستی پر ہوا نماز کا وقت ہو چکا تھا، لیکن پانی موجود نہ ہونے کی وجہ سے اب تک ادا نہ کر سکے تھے، بستی میں پہنچ کر پانی کی تلاش ہوئی ہم نے بستی کا چکر لگایا۔ اس دوران میں ہم چند مندروں اور گرجا گھروں پر پہنچے، جن میں آفتاب پرستوں، یہودیوں اور صلیب پرست نصرانیوں کے رُہبان اور پادریوں کا مجمع تھا۔ کوئی آفتاب کو پُوجتا اور کوئی آگ کو ڈنڈوت کرتا تھا اور کوئی صلیب کو اپنا قبلہ حاجات بنائے ہوئے تھا۔ ہم یہ دیکھ کر متعجب ہوئے اور ان لوگوں کی کم عقلی اور گمراہی پر حیرت کرتے ہوئے آگے بڑھے، آخر گھومتے گھومتے بستی کے کنارہ پر ہم ایک کنوئیں پر پہنچے جس پر چند نوجوان لڑکیاں پانی پلا رہی تھیں۔ اتفاق سے شیخ مُرشد ابو عبداللہ اندلسیؒ کی نظر ان میں سے ایک لڑکی پر پڑی جو اپنے خداداد حسن و جمال میں سب ہمجولیوں سے ممتاز ہونے کے ساتھ زیور

اور لباس سے آراستہ تھی۔ شیخ کی اس سے آنکھیں چار ہوتے ہی حالت دگرگوں ہونے لگی، چہرہ بدلنے لگا، اس انتشارِ طبع کی حالت میں شیخ اس کی ہم جولیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے یہ کس کی لڑکی ہے؟

لڑکیاں: یہ اس بستی کے سردار کی لڑکی ہے۔

شیخ: پھر اس کے باپ نے اس کو اتنا ذلیل کیوں بنا رکھا ہے کہ کنوئیں سے خود ہی پانی بھرتی ہے۔ کیا وہ اس کے لیے کوئی ماما نوکر نہیں رکھ سکتا جو اس کی خدمت کرے۔

لڑکیاں: کیوں نہیں، مگر اس کا باپ ایک نہایت عقیل اور فہیم آدمی ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ لڑکی اپنے باپ کے مال و متاع، حشم و خدم پر غرّہ ہو کر اپنے فطری اخلاق خراب نہ کر بیٹھے اور نکاح کے بعد شوہر کے یہاں جا کر اس کی خدمت میں کوئی قصور نہ کرے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ اس کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے اور تین دن کامل اس پر گزر گئے کہ نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں اور نہ کسی سے کلام کرتے ہیں، البتہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو نماز ادا کر لیتے ہیں۔ مریدین اور تلامذہ کی کثیر التعداد جماعت اُن کے ساتھ ہے، لیکن سخت ضیق میں ہیں۔ کوئی تدبیر نظر نہیں آتی۔

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ تیسرے دن میں نے یہ حالت دیکھ کر پیش قدمی کی اور عرض کیا کہ اے شیخ! آپ کے مریدین آپ کے اس مستمر سکوت سے متعجب اور پریشان ہیں کچھ تو فرمائیے کیا ہے۔

شیخ: (قوم کی طرف متوجہ ہو کر) میرے عزیزو! میں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں۔ پرسوں میں نے جس لڑکی کو دیکھا ہے۔ اُس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آچکی ہے کہ میرے تمام اعضاء و جوارح پر اُسی کا تسلط ہے۔ اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو میں چھوڑ دوں۔

حضرت شبلیؒ : اے ہمارے سردار آپ اہلِ عراق کے پیر و مرشد، علم و فضل اور زہد و عبادت میں شہرۂ آفاق ہیں، آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے بطفیل قرآنِ عزیز ہمیں اور ان سب کو رُسوا نہ کیجئے۔

شیخ : میرے عزیزو! میرا اور تمہارا نصیب تقدیرِ خداوندی ہو چکی ہے مجھ سے ولایت کا لباس سلب کر لیا گیا ہے اور ہدایت کی علامات اُٹھا لی گئیں یہ کہہ کر رونا شروع کیا اور کہا " اے میری قوم! قضا و قدر نافذ ہو چکی ہے اب کام میرے بس کا نہیں ہے۔"

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حسرت سے رونا شروع کیا۔ شیخ بھی ہمارے ساتھ رو رہے تھے یہاں تک کہ زمین آنسوؤں کے اُمنڈ آنے والے سیلاب سے تر ہو گئی۔ اس کے بعد ہم مجبور ہو کر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے لوگ ہمارے آنے کی خبر سُن کر شیخ کی زیارت کے لیے شہر سے باہر آئے اور شیخ کو ہمارے ساتھ نہ دیکھ کر سبب دریافت کیا۔ ہم نے سارا واقعہ بیان کیا، سُن کر لوگوں میں کہرام مچ گیا۔ شیخ کے مریدوں میں سے کثیر التعداد جماعت اسی غم و حسرت میں اسی وقت عالمِ آخرت کو سدھار گئی اور باقی لوگ گڑگڑا کر خدا ئے بے نیاز کی بارگاہ میں دُعائیں کر رہے ہیں کہ اے مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ! شیخ کو ہدایت کر اور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹا دے۔ اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہو گئیں اور ہم ایک سال تک اسی حسرت و افسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹتے رہے۔ ایک سال کے بعد جب مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر شیخ کی خبر لیں کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا اور اس گاؤں میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا۔

گاؤں والے : وہ جنگل میں سؤر چرا رہا ہے۔

ہم : خدا کی پناہ یہ کیا ہُوا۔

گاؤں والے : اس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی۔ اُس کے باپ نے اس شرط پر منظور کر لیا اور وہ جنگل میں سوٗر چرانے کی خدمت پر مامور ہے۔

ہم یہ سُن کر ششدر رہ گئے اور غم سے ہمارے کلیجے پھٹنے لگے۔ آنکھوں سے بے ساختہ آنسوؤں کا طوفان اُمنڈنے لگا۔ بمشکل دل تھام کر اس جنگل میں پہنچے جہاں وہ سوٗر چرا رہے تھے۔ دیکھا تو شیخ کے سر پر نصارٰی کی ٹوپی ہے اور کمر میں زُنّار باندھی ہوئی ہے اور اس عصار پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس سے وعظ اور خطبہ کے وقت سہارا لیا کرتے تھے۔ جس نے ہمارے زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر سر جُھکا لیا۔ ہم نے قریب پہنچ کر "السّلام علیکم" کہا۔

شیخ : (کسی قدر دبی زبان سے) "وعلیکم السّلام"۔

شبلیؒ : اے شیخ! اس علم و فضل اور حدیث و تفسیر کے ہوتے ہُوتے آج تمہارا کیا حال ہے۔

شیخ : میرے بھائیو! میں اپنے اختیار میں نہیں، میرے مولٰی نے مجھے جیسا چاہا ویسا کر دیا۔ اور اس قدر مقرب بنانے کے بعد جب چاہا کہ مجھے اپنے دروازہ سے دُور پھینک دے تو پھر اس کی قضار کو کون ٹالنے والا ہے۔ اے عزیزو! خدائے بے نیاز کے قہر و غضب سے ڈرو، اپنے علم و فضل پر مغرور نہ ہو۔ اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر کہا۔ "اے میرے مولٰی! میرا گمان تو تیرے بارے میں ایسا نہ تھا کہ تو مجھ کو ذلیل و خوار کر کے اپنے دروازہ سے نکال دے گا"۔ یہ کہہ کر خدائے تعالٰی سے استغاثہ کرنا اور رونا شروع کر دیا۔ (میرے والد صاحب اس قصّہ کو سُناتے وقت یہ شعر بھی شیخ کی طرف سے پڑھا کرتے تھے ؎

بے نیازی نے تری اے کبریا
مجھ غریب و خستہ کو کیا کیا کیا

(غالباً یہ کسی عربی شعر کا ترجمہ اُردو داں شاعر نے کیا ہوگا) اور شیخ نے آواز دے کر کہا کہ اے شبلی! اپنے غیر کو دیکھ کر عبرت حاصل کر (حدیث میں ہے اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَيْرِهٖ یعنی نیک بخت وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے)

شبلیؒ: (رونے کی وجہ سے لکنت کرتی ہوئی آواز سے نہایت دردناک لہجہ میں) "اے ہمارے پروردگار، ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں ہر کام میں ہم کو تیرا ہی بھروسا ہے، ہم سے یہ مصیبت دور کردے کہ تیرے سوا کوئی دفع کرنے والا نہیں۔"

خنزیر اُن کا رونا اور اُن کی دردناک آواز سنتے ہی سب کے سب وہیں جمع ہوگئے اور زمین پر مرغِ بسمل کی طرح لوٹنا تڑپنا اور چلّانا شروع کر دیا۔ اور اس زور سے چیخے کہ اُن کی آواز سے جنگل اور پہاڑ گونج اُٹھے۔ یہ میدان، میدانِ حشر کا نمونہ بن گیا، اُدھر شیخ حسرت کے عالم میں زار زار رو رہے تھے۔

حضرت شبلیؒ: شیخ! آپ حافظِ قرآن تھے اور قرآن کو ساتوں قرأت سے پڑھا کرتے تھے۔ اب بھی اس کی کوئی آیت یاد ہے؟

شیخ: اے عزیز مجھے قرآن میں دو آیت کے سوا کچھ یاد نہیں رہا۔

حضرت شبلیؒ: وہ دو آیتیں کون سی ہیں؟

شیخ: ایک تو یہ ہے۔ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ط اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اُس کو کوئی عزت دینے والا نہیں، بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے) اور دوسری یہ ہے۔ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (جس نے ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار

کیا تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا۔)

شبلیؒ : اے شیخ! آپ کو تیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے بزبان یاد تھیں اب اُن میں سے بھی کوئی یاد ہے؟

شیخ : صرف ایک حدیث یاد ہے یعنی مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ (جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اُس کو قتل کر ڈالو۔)

شبلیؒ : ہم یہ حال دیکھ کر بصد حسرت و یاس شیخ کو وہیں چھوڑ کر واپس ہوئے اور بغداد کا قصد کیا۔ ابھی تین منزل طے کرنے پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک شیخ کو اپنے آگے دیکھا کہ نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور بآواز بلند شہادتین اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتے جاتے تھے۔ اُس وقت ہماری مسرت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس سے پہلے ہماری مصیبت اور حسرت و یاس کا اندازہ ہو۔

شیخ : (قریب پہنچ کر) "مجھے ایک پاک کپڑا دو" اور کپڑا لے کر سب سے پہلے نماز کی نیت باندھی، ہم منتظر ہیں کہ شیخ نماز سے فارغ ہوں تو مفصل واقعہ سنیں تھوڑی دیر کے بعد شیخ نماز سے فارغ ہوئے اور ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے۔

ہم : اُس خدائے قدیر و علیم کا ہزار ہزار شکر جس نے آپ کو ہم سے ملایا اور ہماری جماعت کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد پھر درست فرما دیا، مگر ذرا بیان تو فرمائیے کہ اس انکار شدید کے بعد پھر آپ کا آنا کیسے ہوا؟

شیخ : میرے دوستو! جب تم مجھے چھوڑ کر واپس ہوئے تو میں نے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ خداوندا مجھے اس جنجال سے نجات دے میں تیرا خطاکار بندہ ہوں۔ اس سمیعُ الدّعا نے بایں ہمہ میری آواز سُن لی اور میرے سارے گناہ محو کر دیے۔

ہم : کیا آپ کے اس ابتلاء (آزمائش) کا سبب تھا؟

شیخ : ہاں جب ہم گاؤں میں اُترے اور بُت خانوں اور گرجا گھروں پر ہمارا گزر ہُوا، آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللہ کی عبادت میں مشغول دیکھ کر میرے دل میں تکبّر اور بڑائی پیدا ہُوئی کہ ہم مؤمن موحّد ہیں اور یہ کم بخت کیسے جاہل و احمق ہیں کہ بے حس و بے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ مجھے اسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی کہ یہ ایمان و توحید کچھ تمہارا ذاتی کمال نہیں کہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے، کیا تم اپنے ایمان کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہو جو اُن کو حقیر سمجھتے ہو اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتلا دیں اور مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا ایک جانور میرے قلب سے نکل کر اُڑ گیا جو درحقیقت ایمان تھا۔

حضرت شبلیؒ : اس کے بعد ہمارا قافلہ نہایت خوشی اور کامیابی کے ساتھ بغداد پہنچا۔ سب مریدین شیخ کی زیارت اور اُن کے دوبارہ قبولِ اسلام سے خوشیاں منا رہے ہیں خانقاہیں اور حجرے کھول دیے گئے۔ بادشاہِ وقت شیخ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا اور کچھ ہدایا پیش کیے۔ شیخ پھر اپنے قدیم شغل میں مشغول ہو گئے اور پھر وہی حدیث و تفسیر وعظ و تذکیر تعلیم و تربیت کا دَور شروع ہو گیا۔ خداوند عالم نے شیخ کو بھولا ہوا علم پھر عطا فرما دیا بلکہ اب نسبتاً پہلے سے ہر علم و فن میں ترقی ہے۔ تلامذہ کی تعداد چالیس ہزار اور اسی حالت میں ایک مُدّت گزر گئی۔ ایک روز ہم صُبح کی نماز پڑھ کر شیخ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک کسی شخص نے حجرہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ مَیں دروازہ پر گیا تو دیکھا کہ ایک شخص سیاہ کپڑوں میں لپٹا ہوا کھڑا ہے۔

مَیں : آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کیا مقصود ہے؟

آنے والا : اپنے شیخ سے کہہ دو کہ وہ لڑکی جس کو آپ فلاں گاؤں میں (اُس گاؤں کا نام لے کر جس میں شیخ مبتلا ہوئے تھے) چھوڑ کر آئے تھے آپ کی خدمت کے

لیے حاضر ہے سچ ہے کہ جب کوئی خدا تعالیٰ کا ہو رہتا ہے تو سارا جہان اس کا ہو جاتا ہے اور جو اللہ سے منہ موڑ لیتا ہے تو ہر چیز اُس سے منہ موڑ لیتی ہے۔ ع

چوں از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت

میں شیخ کے پاس گیا واقعہ بیان کیا۔ شیخ سُنتے ہی زرد ہو گئے اور خوف سے کانپنے لگے۔ اس کے بعد اُس کو اندر آنے کی اجازت دی۔ لڑکی شیخ کو دیکھتے ہی زار زار رو رہی ہے، شدتِ گریہ دم لینے کی اجازت نہیں دیتا کہ کچھ کلام کرے۔

شیخ: (لڑکی سے خطاب کر کے) تمہارا یہاں کیسے آنا ہوا اور یہاں تک تمہیں کس نے پہنچایا؟

لڑکی: اے میرے سردار جب آپ ہمارے گاؤں سے رخصت ہوئے اور مجھے خبر ملی تو میری بے چینی اور بے قراری جس حد کو پہنچی اس کو کچھ میرا دل ہی جانتا ہے، نہ بھوک رہی نہ پیاس، نیند تو کہاں آتی۔ میں رات بھر اسی اضطراب میں رہ کر صبح کے قریب ذرا لیٹ گئی۔ اور اُس وقت مجھ پر کچھ غنودگی سی غالب ہوئی اور اسی غنودگی میں میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو کہہ رہا تھا کہ اگر تو مومنات میں داخل ہونا چاہتی ہے تو بتوں کی عبادت چھوڑ دے اور شیخ کا اتباع کر اور اپنے دین سے توبہ کر کے شیخ کے دین میں داخل ہو جا۔

میں: (اسی عالمِ خواب میں اس شخص کو خطاب کر کے) شیخ کا دین کیا ہے؟

شخص: اُس کا دین اسلام ہے۔

میں: اسلام کیا چیز ہے؟

شخص: اس بات کی دل اور زبان سے گواہی دینا کہ خدا تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے برحق رسول اور پیغمبر ہیں۔

میں: تو اچھا میں شیخ کے پاس کس طرح پہنچ سکتی ہوں؟

شخص : ذرا آنکھیں بند کرلو اور اپنا ہاتھ میرے ..... ہاتھ میں دے دو۔

مَیں : " بہت اچھا " یہ کہا اور کھڑی ہوگئی اور ہاتھ اُس شخص کے ہاتھ میں دے دیا

شخص : میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھوڑی دور چل کر بولے " بس کھول دو "

مَیں نے آنکھیں کھولیں، اپنے کو دجلہ (ایک نہر ہے جو بغداد کے نیچے بہتی ہے) کے کنارے پایا۔ اَب مَیں متحیّر ہوں اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہوں کہ یااِن چند منٹوں میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔

اُس شخص نے آپ کے حجرہ کی طرف اشارہ کر کے کہا " یہ سامنے شیخ کا حجرہ ہے وہاں چلی جاؤ اور شیخ سے کہہ دو کہ آپ کا بھائی خضر (علیہ السلام) آپ کو سلام کہتا ہے "۔ مَیں اُس شخص کے اشارہ کے موافق یہاں پہنچ گئی اور اب آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں مجھے مسلمان کر لیجیے۔

شیخ نے اُس کو مسلمان کر کے اپنے پڑوس کے ایک حجرہ میں ٹھہرایا کہ یہاں عبادت کرتی رہو۔

لڑکی عبادت میں مشغول ہوگئی اور زہد و عبادت میں اپنے اکثر اَقران سے سبقت لے گئی۔ دن بھر روزہ رکھتی اور رات بھر اپنے مالک بے نیاز کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی، محنت سے بدن ڈھل گیا۔ ہڈی اور چمڑے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، آخر اسی میں مریض ہوگئی اور مرض اتنا ممتد ہوا کہ موت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ اور اب اس مسافرِ آخرت کے دل میں اس کے سوا کوئی حسرت باقی نہیں کہ ایک مرتبہ شیخ کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لے۔ کیونکہ جس وقت سے اِس حجرہ میں مقیم ہے نہ شیخ نے اس کو دیکھا ہے اور نہ یہی شیخ کی زیارت کر سکی جس سے آپ چند گھڑی کے مہمان کی حسرت و یاس کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ آخر شیخ

کو کہلا بھیجا کہ موت سے پہلے ایک مرتبہ میرے پاس ہو جائیں۔

شیخ یہ سُن کر فوراً تشریف لائے۔ جاں بلب لڑکی حسرت بھری نگاہوں سے شیخ کی طرف دیکھنا چاہتی ہے مگر آنسوؤں میں ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں اُسے ایک نظر بھر کر دیکھنے کی مہلت نہیں دیتیں۔ آنسوؤں کا ایک تار بندھا ہُوا ہے، مگر ضعف سے بولنے کی اجازت نہیں، لیکن اس کی زبانِ بے زبانی یہ کہہ رہی ہے ؎

دمِ آخر ہے ظالم دیکھ لینے دے نظر بھر کر
سَدا پھر دیدۂ تر کرتے رہنا اشک افشانی

آخر لڑکھڑائی ہوئی زبان اور بیٹھی ہوئی آواز سے اتنا لفظ کہا "السّلام علیکم"۔

شیخ: (شفقت آمیز آواز سے) تم گھبراؤ نہیں، انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ہماری ملاقات جنّت میں ہونے والی ہے۔

لڑکی شیخ کے ناصحانہ کلمات سے متأثّر ہو کر خاموش ہوگئی اور اب یہ خاموشی ممتد ہوئی کہ یہ مُہرِ سکوت صُبحِ قیامت سے پہلے نہ ٹوٹے گی۔ اس پر کچھ دیر نہیں گزری تھی کہ مُسافرِ آخرت نے اس دارِ فانی کو خیرباد کہا۔

شیخ اُس کی وفات پر آبدیدہ ہیں، مگر اُن کی حیات بھی دُنیا میں چند روز سے زائد نہیں رہی۔ حضرت شبلیؒ کا بیان ہے کہ چند ہی روز کے بعد شیخ اس عالمِ فانی سے رُخصت ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد مَیں نے شیخ کو خواب میں دیکھا کہ جنّت کے ایک پُر فضا باغ میں مقیم ہیں اور ستّر حوروں سے آپ کا نکاح ہوا ہے جن میں پہلی وہ عورت جس کے ساتھ نکاح ہُوا یہی لڑکی ہے اور اب وہ دونوں ابدالآباد جنّت کی بیش قیمت نعمتوں میں خوش و خرم ہیں۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشآء والله ذو الفضل العظيم [1]

---

[1] اکابر کا سلوک و احسان ص۹۶ تا ص۱۰۰

ایک بڑھیا کے درہم کی برکت

"ایک بار (حضرت) شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ (م ۶۳۲/۱۲۳۴ء) حج سے بغداد واپس آئے تو اہلِ بغداد کی ایک بڑی جماعت اُن کے پاس آئی اور ہر ایک نے اپنی حیثیت کے مطابق نقد وجنس پیش کیا، ایک بڑھیا بھی آئی اُس نے اپنی چادر میں سے ایک درہم پیش کیا (حضرت) شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اس درہم کو تمام نذرانوں کے اُوپر نمایاں طور پر رکھ دیا، پھر تمام حاضرین سے کہا کہ جو چاہے اُن نذرانوں کے ڈھیر میں سے اپنی اپنی پسند کی چیزیں لے لے، اس موقع پر شیخ جلال الدین تبریزیؒ بھی موجود تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اُن سے فرمایا تم بھی کچھ لے لو۔ شیخ جلال الدینؒ نے بڑھیا کا پیش کردہ درہم اُٹھالیا، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے یہ دیکھ کر کہا کہ: "تم نے سب کچھ لے لیا"۔ [1]

اسی طرح کی ایک حکایت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے، وہ بھی سُنتے چلیں۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں۔

"ایک بزرگ کسی دوسرے بزرگ کی ملاقات کو چلے، پاس کچھ نہ تھا محبت میں خیال ہوا کہ خالی ہاتھ نہ جانا چاہیئے کچھ تو لے کر جانا چاہیئے، راستہ میں دیکھا کہ درختوں پر سے لکڑیاں سُوکھ کر زمین پر پڑی ہیں اُن کو جمع کر کے ایک گٹھری باندھ کر ان بزرگ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ حضرت کچھ لکڑیاں لایا ہوں حضرت کے یہاں ایک وقت کی روٹی ہی پک جائے گی۔ وہ بزرگ

---

[1] اخبار الاخیار ص ۴۵ فارسی

اس ہدیہ کی کیسی قدر فرماتے ہیں، خادم کو حکم دیتے ہیں کہ یہ چیز حُبّ فی اللہ کی وجہ سے آئی ہے اس کی تحقیر نہ کرنا۔ ویسے ہی مت جلا ڈالنا، بلکہ اس کو محفوظ رکھو ہمارے مرنے کے بعد ہمارے غسل کا پانی ان سے گرم کرنا، وہ ہماری نجات کا ذریعہ ہوگا،، لہ

سماع کا تاریک ترین پہلو

ہمایوں بادشاہ کے زمانے میں حضرت میر سید ابراہیم بن معین عبد القادر الحسنی القادری الایرجی رحمہ اللہ (م ۹۵۳ھ) ایک بڑے مشہور بزرگ تھے، اُن کے زمانہ میں دہلی میں کوئی شخص علم و دانش میں اُن کے برابر تھا، وہ گوشہ نشین ہو کر مطالعۂ کتب کرتے رہتے تھے اور مجلسِ سماع کو پسند نہیں کرتے تھے، حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۰۵۲ھ) نے اپنی کتاب میں حضرت میر سید ابراہیمؒ کا محفلِ سماع سے متعلق ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے جو سُننے کے قابل ہے۔

"آپ محفلِ سماع میں شریک نہیں ہوتے تھے، ایک بار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ کے عُرس کے موقع پر اُن کے ایک ہم عصر بزرگ حضرت شیخ رکن الدین بن حضرت شیخ عبد القدوس (گنگوہیؒ) ان کے پاس آئے اور عُرس کی مجلسِ سماع میں شرکت کی دعوت دی۔ میر سید ابراہیمؒ نے وہاں جانے سے انکار کیا، لیکن شیخ رکن الدین سے کہا کہ وہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے مزار کے پاس جاکر مراقبہ کریں اور معلوم کریں کہ اس قوالی کے متعلق اُن کا کیا خیال ہے انہوں نے ایسے ہی کیا

لہ حضرت تھانویؒ کے پسندیدہ واقعات ص ۲۳۳

اور حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے مزار کے پاس مراقبہ کے لیے بیٹھ گئے۔ قوالی کی مجلس گرم تھی تمام شرکاء جوش وخروش میں تھے کہ شیخ رکن الدینؒ کو کشف ہوا کہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ فرما رہے ہیں۔

" ایں بدبختاں دماغِ ما را بُردند و وقتِ ما را مشوش ساختند "	ان بدبختوں نے ہمارا دماغ کھا رکھا ہے اور ہمارا وقت برباد کر رہے ہیں۔

شیخ رکن الدینؒ نے میر سید ابراہیمؒ کو اپنا یہ کشف سنایا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا: اب بھی آپ مجھ کو مجلسِ سماع کی شرکت سے معذور رکھیں گے یا نہیں؟ (حضرت شیخ رکن الدینؒ فرماتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا۔

" ایں چنیں ست کہ می فرمائید حق بجانب شما است۔ " [1]	بات وہی صحیح ہے جو آپ فرماتے ہیں حق آپ ہی کی جانب ہے۔

حضرت میر سید ابراہیمؒ کی ۹۵۳ھ میں وفات ہوئی اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مقبرے میں حضرت امیر خسروؒ کی پائنتی آپ کی تدفین ہوئی۔ یہ واقعہ آج سے تقریباً پونے پانچ سو سال پہلے کا ہے، اُس زمانہ کے عرسوں اور قوالیوں کا یقیناً یقیناً وہ حال نہیں تھا جو آج کل کے عرسوں اور قوالیوں کا ہے لیکن اس کے باوجود وہ عرس وقوالی پسند نہیں کی گئی تو آج کل کے عرس وقوالی کیسے پسندیدہ ہو سکتے ہیں۔

نیک نفس قاضی

مشہور واعظ ملا معین ہروی جو اپنی کتاب معارج النبوت کی وجہ سے خاص طور

---

[1] اخبار الاخیار فارسی ص۲۵۱، اردو ص۵۱۲

پر مشہور ہیں ان کے پوتے جن کا نام بھی شیخ معین تھا۔ یہ اکبر بادشاہ کے زمانے میں ہندوستان تشریف لائے اور لاہور کے قاضی مقرر ہوئے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ ان کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"ان کے قضا کے قصّے بھی بڑے دلچسپ ہیں بداؤنی کا بیان ہے کہ جب تک قاضی رہے لوگوں کا بیان ہے کہ ہمیشہ مُدَّعِیْ اور مُدَّعیٰ عَلَیْہ میں مصالحت ہی کرانے کی کوشش کی اور کبھی خود کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا لکھا ہے کہ

"مدعی اگر الحاح بر فیصلِ قضا می نمود اُو بالحاح و عجز و زاری می گفت کہ از برائے خدا شما بایک دیگر صلح نمائید تا من و ایں میاں ماخوذ نہ شوم و شرمندہ نہ باشم، و نیز گفت کہ شُما ہر دو دانائید و من تنہا نادان را با دو دانایان کار اُفتاد پس مرا شرمندہ درگاہِ خدا تعالیٰ مَسَازید"

(مدعی اگر مقدمہ کے فیصلہ پر اصرار کرتا تو آپ اس سے بڑی الحاح و زاری سے کہتے خدا کے لیے تم آپس میں صلح کر لو تاکہ میں خدا کے سامنے ماخوذ اور شرمندہ نہ ہوں، پھر مدعی اور مدعیٰ علیہ دونوں سے کہتے کہ تم دونوں دانا ہو میں اکیلا نادان تم دونوں کے درمیان پڑ گیا ہوں مجھ کو خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں شرمندہ نہ کرو۔)

یہ بھی لکھا ہے کہ اگر

"زنے از غیبتِ شوہر طلب تفریق می کرد کفافِ اُو را

(کسی عورت کا شوہر مفقود الخبر ہوتا اور وہ اُن کے ہاں آکر علیحدگی

از خود می داد و گفت	کی خواہاں ہوتی تو وہ اُس کو اپنے
ایں قدر وجہ معیشت بہ	پاس سے خرچ دیتے اور کہتے
گیر و انتظار شوہر ببرد و ازو	کہ ابھی انتظار کرو اور اس سے
جُدا مشو"	علیحدگی اختیار نہ کرو۔)

مولانا گیلانی مزید لکھتے ہیں کہ

"اس سلسلہ میں عہد عثمانی کے ایک حاکم تقی یار جنگ کا خیال آتا ہے، سنتے ہیں کہ جب کسی کی سزا کا فیصلہ کرتے تو قلم سے فیصلہ لکھتے جاتے اور روتے جاتے، کہتے کہ دیکھیے فیصلہ کرنے والا ہمارے متعلق کیا فیصلہ کرتا ہے ؟ ان کی عادت بھی یہی تھی کہ حتی الوسع فریقین کو مصالحت پر آمادہ کرتے۔" [1]

درویشی میں مزدوری

حضرت خواجہ شمس الدین ترک (م ۷۱۹ھ/ ۱۳۱۹ء) نے اپنی روحانی تربیت کلیر شریف کے بزرگ حضرت علاء الدین صابرؒ (م ۶۹۰ھ/ ۱۲۹۱ء) سے پائی ان کے مرشد نے اُن کو پانی پت میں جاکر قیام کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے رُوحانی طور پر اس مقام کا بار اٹھانے کی صلاحیت اپنے میں نہ پائی، اس لیے مرشد کی اجازت سے مزید مجاہدہ و ریاضت کی خاطر مزدوری کرنے لگے، دہلی آکر سلطان غیاث الدین بلبن کی فوج میں سواروں کے زمرے میں شامل ہوگئے اور جب شاہی فوج ایک قلعہ کی تسخیر (جس کا نام معلوم نہیں) کے لیے روانہ ہوئی تو وہ بھی ساتھ گئے قلعہ کی تسخیر میں بڑی دیر لگی، اسی دوران میں ایک سخت آندھی آئی اور بارش ہوئی

---

[1] پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص۸۱

شاہی لشکر کے تمام خیمے گر پڑے، بارش تیزی سے جاری رہی، سخت سردی پڑنے لگی اور کسی جگہ آگ باقی نہ رہی، سلطان غیاث الدین بلبن کا سقہ اس کے وضو کا پانی گرم کرنے کے لیے آگ کی تلاش میں نکلا، اس نے دفعتہً دور سے دیکھا کہ ایک خیمہ میں چراغ روشن ہے، یہ خیمہ حضرت خواجہ شمس الدین ترکؒ کا تھا۔ سقّہ دوڑا گیا خیمہ کے پاس گیا، دیکھا کہ ایک فقیر کلام مجید کی تلاوت کر رہا ہے، اُن کے خوف سے سقّہ آگ مانگ نہ سکا، لیکن انہوں نے سر اٹھایا اور فرمایا کہ بھائی آؤ اور جتنی آگ چاہتے ہو لے جاؤ، وہ سامنے آیا، ایک لکڑی آگ سے جلائی، اور لوٹا لے کر لوٹ گیا، سقّہ اس خیمہ کو دیکھ کر پریشان تھا، صبح کے وقت اپنی مشک لے کر اُس خیمہ کی طرف چلا تو اس میں وہ بزرگ نہ تھے، لیکن قریب ہی ایک تالاب کے پاس اُن کو وضو کرتے دیکھا، وہ ایک گوشہ میں کھڑا ہو گیا، لیکن جب وہ بزرگ وضو کر کے چلے گئے تو سقّہ نے اسی جگہ سے مشک میں پانی بھرا، جاڑے کا زمانہ تھا۔ ہر جگہ پانی جما ہوا تھا، لیکن جس جگہ اُن بزرگ نے وضو کیا تھا وہاں کا پانی اس قدر گرم تھا کہ گویا کسی نے اس کو ابھی گرم کیا ہے۔

سقّہ نے اس کی خبر سلطان غیاث الدین بلبن کو دی تو اس کو ان بزرگ سے ملنے کا اشتیاق ہوا، وہ رات کو چپکے سے پا پیادہ ان کی قیام گاہ پر اس وقت پہنچا جب وہ کلام پاک کی تلاوت میں مشغول تھے، سلطان چُپ چاپ دست بستہ کھڑا رہا، جب وہ تلاوت سے فارغ ہوئے تو اُن کی نظر سلطان پر پڑی، تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور سلام کیا، سلطان نے اظہارِ ادب کر کے عرض کیا کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے دوست میرے عہد میں موجود ہیں لیکن اس کے باوجود ہزار افسوس ہے

کہ ابھی تک قلعہ فتح کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ حضرت خواجہ شمس الدینؒ نے ہر چند اپنے کو چھپانے کی کوشش کی، لیکن بے سود تھا۔ مجبوراً دُعا کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا اسی وقت حملہ کیا جائے، انشاء اللہ فتح ہوگی، سلطان نے ایسا ہی کیا، اور قلعہ فتح ہوگیا۔ دوسرے دن سلطان نے غایتِ مسرّت میں برہنہ پا خواجہ شمس الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا، لیکن خواجہ شمس الدینؒ کو اپنے نورِ باطن سے اس کا ارادہ معلوم ہوا تو کمبل اوڑھ کر شاہی لشکر سے چل کھڑے ہوئے اور اُن کا پھر کہیں لشکر میں پتہ نہ تھا۔" [1]

دو آنکھیں

حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ وَ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِي سَبِيلِ اللهِ" [2]

دو آنکھیں ایسی ہیں جنہیں (جہنّم کی) آگ نہیں چھوئے گی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روتی رہی، دوسری وہ آنکھ جو اللہ کے راستے (جہاد) میں سرحدات کی حفاظت کے لیے بیدار رہی۔

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۸۷ تا ۱۸۹ بحوالہ بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ج ۱ ص ۶۷

[2] ترمذی ج ۱ ص ۲۹۳ باب ما جاء فی فضل الحرس فی سبیل اللہ۔

دو قدم

حضرت ابو عبس (عبد الرحمٰن بن جبر) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَھُمَا حَرَامٌ عَلَی النَّارِ"[1]

جس شخص کے دونوں قدم اللہ کے راستے (جہاد) میں غبار آلود ہوئے وہ (جہنّم کی) آگ پر حرام ہیں۔

دو قطرے اور دو نشان

حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"لَیْسَ شَیْءٌ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ قَطْرَتَیْنِ وَ اَثَرَیْنِ قَطْرَۃُ دُمُوْعٍ مِّنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ وَ قَطْرَۃُ دَمٍ تُھْرَاقُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ اَمَّا الْاَثَرَانِ فَاَثَرٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ اَثَرٌ فِیْ فَرِیْضَۃٍ مِّنْ فَرَائِضِ اللّٰہِ" [2]

اللہ تعالیٰ کو دو قطروں سے زیادہ کوئی قطرہ اور دو نشانوں سے زیادہ کوئی نشان محبوب نہیں، ایک آنسوؤں کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو دوسرا خون کا قطرہ جو اللہ کے راستے (جہاد) میں گرا ہو۔

---

[1] ترمذی ج ۱ ص ۲۹۲ باب من اغبرت قدماہ فی سبیل اللہ

[2] ترمذی ج ۱ ص ۲۹۶

رہے دو نشان تو اُن میں سے ایک تو وہ ہے جو اللہ کے راستے (جہاد) میں (زخم لگ جانے کی وجہ سے) پڑا ہو۔ دوسرا وہ جو اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے کسی فرض کی بجاآوری کی وجہ سے پڑ گیا ہو۔

دو گھونٹ

حضرت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ (م ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان جس قدر گھونٹ پیتا ہے اُن سب میں دو گھونٹ زیادہ محبوب ہیں ایک مصیبت پر صبر کا دوسرا غصہ کو پی جانے کا۔" [۱]

تین اہم باتیں

امام ترمذی رحمہ اللہ (م ۲۷۹ھ) نے اپنی "جامع" میں ایک طویل حدیث نقل کی ہے جسے آپ نے صحیح بھی قرار دیا ہے۔ اس حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"تین باتیں ایسی ہیں جن (کی صداقت وحقانیت) پر میں قسم کھا سکتا ہوں۔

۱۔ یہ کہ بندہ کا مال راہِ خدا میں خرچ کرنے (یعنی صدقہ وخیرات کرنے) کی وجہ سے کم نہیں ہوتا۔

۲۔ یہ کہ جس بندے پر ظلم کیا جائے اور وہ بندہ اس ظلم وزیادتی پر صبر کرے

---

[۱] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۹ ص۲۴۷ تحت قولہ تعالیٰ قال بل سولت لکم انفسکم امرًا فصبر جمیل۔

تو اللہ تعالیٰ اس کی عزّت کو بڑھا دیتے ہیں۔

۲۔ یہ کہ جس بندے نے اپنے نفس پر سوال کا دروازہ کھولا (یعنی ضرورت و حاجت کی وجہ سے نہیں بلکہ مال و دولت جمع کرنے اور خواہشات نفسانی کی تکمیل کے لیے لوگوں سے مانگنا شروع کیا) تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے فقر و افلاس کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ (یعنی اس کو طرح طرح کے احتیاج و افلاس میں مبتلا کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ بے شرم ہو کر مانگتا ہی رہتا ہے۔") [1]

عقل مند اور بیوقوف

عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَہٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَہٗ ھَوَاھَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰہِ" [2]

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "عقل مند شخص وہ ہے جو (اپنے قول و فعل اور اپنی حالت کا) احتساب کرتا رہے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں کام آنے والے اعمال کرتا ہے اور بیوقوف شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو تو اس کی خواہشات کے تابع بنا دے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی اُمّید رکھتا رہے۔

---

[1] ترمذی شریف، باب ما جاء مثل الدنیا مثل اربعۃ نفر، ج ۲ ص ۵۸

[2] ترمذی، ابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ ص ۴۵۱۔

حضرت حاتمؒ اور قاضیِ رَیؒ کے درمیان مکالمہ

حضرت حاتم اَصَمّ رحمہ اللہ تیسری صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ حضرت شقیق بلخیؒ (م ۱۹۸ھ) کے شاگرد اور حضرت احمد بن خضرویہؒ (م ۲۴۰ھ) کے استاذ ہیں، آپ زہد و تقویٰ میں یکتا، روزگار تھے۔ خلق اللہ کی خیر خواہی اور وعظ و نصیحت آپ کا مشغلہ تھا، بقول علامہ ذہبیؒ کے آپ کو اس اُمت کا "لقمان" کہا جاتا تھا۔[1] ابونعیم اصفہانی (م ۴۳۰ھ) نے "حلیۃ الاولیاء" میں تفصیل سے آپ کے حالات لکھے ہیں، یہاں ہم اسی کتاب کے حوالہ سے حضرت حاتمؒ اور قاضیِ رَیؒ محمد بن مقاتل کے درمیان پیش آنے والا ایک مکالمہ ذکر کر رہے ہیں جو ہمارے لیے سبق آموز بھی ہے اور عبرت انگیز بھی۔

ابونعیم تحریر فرماتے ہیں۔

"بلخ سے حاتمؒ حج کے ارادہ سے نکلے، راستہ میں شہرِ رَے میں ٹھہرے ایک تاجر کے مہمان تھے۔ تاجر نے ایک دن اُن سے پوچھا کہ شہر کے ایک عالم بیمار ہیں میں اُن کی عیادت کے لیے جا رہا ہوں۔ حاتمؒ نے کہا کہ عالم ہیں تو میں بھی چلتا ہوں۔ کیونکہ فقیہ کی عیادت کی بڑی فضیلت ہے بلکہ ــــ اَلنَّظَرُ اِلَی الْفَقِیْہِ عِبَادَۃٌ فقیہ کی طرف تو دیکھنا

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۴۸۵۔

بھی عبادت ہے۔

دراصل یہ رَے کے قاضی القضاۃ محمد بن مقاتل تھے اس زمانے میں بیمار ہو گئے تھے۔

جب تاجر کے ساتھ قاضی صاحب کے دروازے پر حاتم اصمؒ پہنچے تو دیکھا کہ دروازہ کیا ہے وہ تو بڑی عظیم الشان ڈیوڑھی کا آستانہ ہے۔ حاتمؒ سوچ میں پڑ گئے۔ اور بولے۔

"بَابُ عَالِمٍ عَلٰی هٰذِهِ الْحَالِ" ایک عالم کے دروازہ کا یہ حال ؟

اتنے میں اندر سے طلبی آئی ڈیوڑھی میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ :

پھولوں کا چمن ایک طرف ہے فوارے سے پانی
اچھل رہا ہے، آگے ہر ہر کمرے کے سامنے
پردے پڑے ہوئے ہیں۔ لوگوں کا ایک مجمع ہے
(یعنی نوکروں چاکروں کا)

حاتم اصمؒ کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی آخر قاضی صاحب کے سامنے پہنچے دیکھا کہ :

ایک مکلّف گدا بچھا ہوا ہے اُس پر قاضی صاحب آرام فرما رہے ہیں اور اُن کے سرہانے قطار باندھے غلام کھڑے ہیں۔ مہمانوں کو دیکھ کر قاضی صاحب اپنی مسند پر بیٹھ گئے اور حاتم اصمؒ سے بھی کہا کہ تشریف لائیے، بیٹھیے، لیکن وہ کھڑے ہی رہے۔ جب قاضی صاحب نے بیٹھنے پر اصرار کیا اور ان کو دیکھا کہ انکار پر مصر ہیں تو حاتمؒ سے پوچھا کہ کیا آپ کسی ضرورت سے تشریف لائے ہیں ؟ بولے ہاں ! قاضی نے کہا تو فرمایئے کیا ضرورت ہے ؟ حاتمؒ نے کہا کہ ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہوں، قاضی

نے کیا پوچھے، بولے ذرا اطمینان کے ساتھ آپ بیٹھ جائیے، غلام سامنے کھڑے تھے، تکیے قاضی صاحب کی پیٹھ کے پیچھے رکھ دیے گئے اور اُن ہی سے ٹیک لگا کر وہ بیٹھ گئے انتظار کرنے لگے کہ حاتمؒ کیا پوچھتے ہیں۔ پھر یہ مکالمہ دونوں میں شروع ہوا۔

حاتمؒ: آپ نے یہ علم کن لوگوں سے سیکھا ہے؟

قاضی: بڑے بڑے معتبر اساتذہ سے۔

حاتمؒ: ان کے پاس علم کہاں سے آیا تھا؟

قاضی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے۔

حاتمؒ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے پاس علم کہاں سے آیا تھا۔

قاضی: جبرئیل علیہ السلام لائے تھے۔

حاتمؒ: ہاں! تو ذرا یہ فرمائیے آپ کے پاس علم کا جو ذخیرہ ہے وہی ذخیرہ جسے اللہ سے جبرئیل نے پایا اور جبرئیل نے رسول اللہ کو پہنچایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذخیرہ صحابہؓ تک پہنچا ——— اور صحابہؓ سے آپ کے بڑے بڑے معتبر اساتذہ تک پہنچا، اس ذخیرے میں کہیں اس کی بھی اطلاع دی گئی ہے کہ جس کا گھر امیروں کے گھر کے مانند ہوگا اور جس کے پاس امیرانہ ٹھاٹ باٹ ہوگا۔ اللہ کے نزدیک اسی کا مرتبہ سب سے زیادہ بلند ہوگا۔؟

قاضی: نہیں یہ تو میں نے نہیں سُنا۔

حاتمؒ: یہ نہیں سُنا تو پھر کیا اس کا علم بھی آپ تک پہنچا ہے یا نہیں کہ دُنیا سے رُخ پھیر کر آخرت کی تعمیر میں جو زیادہ مشغول رہیں گے اور غربا و مساکین سے جو زیادہ محبت کریں گے اور آئندہ زندگی کی تیاری کرتے رہیں گے خدا کے

نزدیک ان ہی کا مرتبہ بلند ہوگا؟ اسی کے ساتھ حاتم اصمؒ کو جوش آیا اور اسی جوش میں فرمانے لگے۔

"تم نے اپنے آپ کو کن لوگوں کی زندگی سے مطمئن کر رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ اور اُمت کے صالحین کی زندگی سے؟ یا فرعون اور نمرود کی زندگی میں تمہارے قلب نے اطمینان کو پایا ہے وہی فرعون وہی نمرود جس سے اینٹ اور چونے کی تعمیر کی ابتدا ہوئی"

قاضی ابن مقاتل سُن رہے تھے اور حاتمؒ فرماتے جاتے تھے کہ

"اے علماء سوء تم ہی جیسوں کو ایک بیچارا غریب جاہل مسلمان دنیادار دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ جب عالم اس حال میں ہے تو پھر اپنے آپ کو میں اس سے زیادہ بُرے حال میں نہیں پاتا۔"

کہتے ہیں کہ بیچارے قاضی صاحب کے ہوش حاتمؒ کی اس تقریر سے جاتے رہے بجائے گھٹنے کے بیماری میں اور اضافہ ہوگیا۔ اسی حال میں چھوڑ کر حاتمؒ ان کے گھر سے باہر نکل آئے"[1]

ابونعیم آگے لکھتے ہیں کہ "اہل رَیّ کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت حاتمؒ سے عرض کیا کہ: حضور: قزوین کے طنافسی عیش پرستی میں ان سے کہیں آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ حضرت حاتمؒ طنافسی کے پاس پہنچے، اور ایک ناواقف کی شکل میں قاضی طنافسی سے وضو کرنے کا طریقہ پوچھا، انہوں نے بتلا دیا، بولے کہ میں آپ کے سامنے وضو کر کے دکھاتا ہوں کوئی غلطی رہ جائے تو درست کر دیجیے گا۔ یہ کہہ کر

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۸۰

وضو کرنے لگے، ابتدا میں تو تین تین دفعہ ہر عضو کو دھویا جب ہاتھ دھونے کی باری آئی تو بجائے تین دفعہ کے چار دفعہ ہاتھوں کو دھویا۔ طنافسی نے ٹوکا کہ تم نے غلطی کی، بولے کیا غلطی ہوئی، قاضی نے کہا کہ تین بار سے زیادہ دھونا پانی کو بیکار ضائع کرنا ہے اور شریعت میں اس کو بھی اسراف (فضول خرچی) قرار دیا گیا ہے۔ تب حاتمؒ نے سر اٹھایا اور کہنے لگے کہ سبحان اللہ قاضی صاحب میں غریب آدمی تو ایک چلّو بہا کر اسراف کا مرتکب ٹھہرایا گیا اور جناب والا نے یہ طمطراق جو اکٹھا کر رکھا ہے آخر یہ کیا ہے؟ قاضی طنافسی سمجھ گئے کہ حاتمؒ کا مطلب وضو کا طریقہ سیکھنا نہیں بلکہ انہیں متنبہ کرنا تھا، چنانچہ اُن پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ گھر گئے تو چالیس دن تک باہر نہیں نکلے۔" [1]

افغانستان کے شہر "بلخ" کے نواح میں ۲۳۷ھ میں حضرت حاتمؒ کا انتقال ہوا۔

محمود و ایاز

محمود و ایاز دو ایسی ہستیوں کے نام ہیں جنہیں اپنے کارناموں اور تعلق خاص کی بنا پر شہرتِ دوام حاصل ہے اور دونوں کا نام مخلوق کی زبان زد ہے، ان میں سے ایک سلطان محمود ہیں جو فاتح سومنات ہیں۔ دوسرے سلطان محمود کے انتہائی جاں نثار اور محبوب ترین غلام خواجہ احمد ایاز ہیں۔

خواجہ ایاز کا تذکرہ بڑے بڑے شعراء اور اُدباء نے اپنے کلاموں میں کیا ہے جس کی وجہ سے اُن کی شہرت بامِ عروج کو پہنچ گئی ہے، خواجہ ایاز سے ہمارا تعلق اس لحاظ سے بھی ہے

---

[1] حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۸۱

کہ وہ شہر لاہور کے معمار ہیں۔ انہوں نے اپنے زمانہ میں شہر لاہور کو از سر نو آراستہ و آباد کیا تھا، ورنہ اُن سے پہلے یہ شہر بادشاہوں کی تاخت و تاراج کی وجہ سے کھنڈر کی شکل اختیار کر چکا تھا، اگر خواجہ ایاز کو شہر لاہور کا بانی کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا، خواجہ ایاز یوں تو معمولی شکل و صورت کے حامل نحیف و نزار انسان تھے، لیکن اپنی جاں سپاری اور وفاداری کی بناء پر سلطان محمود کے دل میں گھر کیے ہوئے تھے سلطان محمود کو آپ سے از حد محبت تھی اور وہ آپ کو ہر وقت ساتھ رکھتے تھے۔ کتابوں میں سلطان محمود اور خواجہ ایاز کے بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ ان میں سے دو تین واقعات نذر قارئین کیے جاتے ہیں۔ ایک واقعہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۹۱ھ) نے "بوستان" میں ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"سلطان محمود غزنوی کے کسی درباری نے سلطان پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ ایاز میں کوئی ایسی خاص خوبی تو ہے نہیں پھر نہ معلوم بادشاہ اس پر کیوں فریفتہ ہے؟ سلطان کے کانوں تک یہ بات پہنچی تو اسے بڑا غصہ آیا، لیکن اُس نے فیصلہ کیا کہ مناسب موقع پر اس کا جواب دے گا، اتفاق سے جلد ہی ایک موقع پیدا ہو گیا، ایک دن دورانِ سفر قیمتی سامان سے لدے ہوئے ایک اونٹ کا پاؤں پھسلا تو وہ زمین پر گر گیا اور اس پر لدا ہوا سارا سامان گر گیا، سلطان نے حکم دیا کہ اس بکھرے ہوئے سامان میں سے جو شخص جو چیز اُٹھالے۔ وہ اسی کی ہو جائے گی، یہ حکم دے کر سلطان آگے بڑھ گیا اور اس کے تمام ہمراہی سامان لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ بس ایک ایاز اس کے ساتھ رہا، سلطان نے پوچھا، ایاز! تم نے بھی کچھ حاصل کیا؟ اس نے ادب سے جواب دیا کہ میں نے کچھ حاصل نہیں کیا کرتا بھی کیوں؟ میں تو آپ کے جلو میں تھا۔ آپ کی خدمت چھوڑ کر مال کو

کیا جمع کرتا ؟ سلطان نے حاسدوں کو بتلایا کہ ایاز کی یہی خوبی ہے جس نے اُسے ہماری نظروں میں محبوب بنا رکھا ہے"۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے یہ حکایت لکھ کر دو شعر رقم فرمائے ہیں جو اس واقعہ کی گویا رُوح ہیں۔ ؎

گرت قربتے ہست در بارگاہ　　بخلعت مشو غافل از پادشاہ
خلافِ طریقت بود کاولیار　　تمنّا کنند از خُدا جز خُدا "[1]

اگر تجھے دربار میں قرب حاصل ہے تو پوشاک میں لگ کر بادشاہ سے غافل نہ ہو۔ یہ طریقت کے خلاف ہے کہ اولیاء اللہ خدا سے خدا کے ماسوا کی تمنّا کریں۔

دوسرا واقعہ مولانا روم رحمۃ اللہ نے مثنوی شریف میں ذکر کیا ہے۔ یہ واقعہ مولانا عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ (م ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۳ء) کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

" مولانا رومی رحمہ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایاز نام کا ایک بہت غریب شخص تھا، محمود بادشاہ نے اس کے اخلاق عالیہ کے سبب اس کو اپنا محبوب اور مقرّب بنا لیا تھا، لیکن ایاز جس دن شاہ محمود کے یہاں حاضر ہوا تھا تو اس دن اس کے پاس صرف ایک پرانی گدڑی تھی، اور ایک بوسیدہ پوستین تھا، جس کو ایاز نے ایک حجرے میں مقفل کر دیا تھا، اور ہر روز تنہا اس حجرے میں داخل ہوتا اور اپنی گدڑی کو دیکھتا اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے یہ کہتا تھا کہ " اے ایاز ایک وہ دن تھا کہ اسی بوسیدہ گدڑی میں تو یہاں آیا تھا اور آج تو مقرب بادشاہ ہے، دیکھ اپنی حقیقت کو

---

[1] بوستان ص۱۰۵

مت بھولنا، نظرِ عنایت شاہ کی تجھ پر بہت ہے، ناز اور تکبر میں مُبتلا نہ ہونا، بلکہ یہ شکر کا مقام ہے کہ یہی گدڑی پہننے والا آج مقرب اور محبوب سلطان ہے جس سے آج تمام وزراء و حکمران لرزتے ہیں، رفتہ رفتہ یہ خبر عام ہوئی، سارے اراکینِ سلطنت کو پہلے ہی سے ایاز کے ساتھ حسد تھا کہ ایک معمولی غریب آدمی آج ہم سبھوں سے سبقت لے گیا اور اس سے بڑھ کر شاہ محمود کا کوئی مقرب اور محبوب نہیں ہے، حاسدین میں یہ چہ میگوئیاں شروع ہوئیں کہ ایاز تنہا حجرہ میں جاکر کیا کرتا ہے اور حجرے کو ہر وقت مقفل کیوں رکھتا ہے، ہو نہ ہو یہ خفیہ خفیہ شاہی خزانہ سے چُرا چُرا کر دولت جمع کر رہا ہے، پس سلطان کو اس کی اس حرکت کی خبر کرنی چاہیئے، تاکہ یہ تقرب ایاز کا عتاب شاہی سے بدل جائے۔

پس سبھوں نے باہمی مشورہ کے بعد سلطان محمود کو خبر دی کہ حضور ایاز گندم نما جو فروش ہے، یہ آپ کا عاشق نہیں ہے۔ یہ منافق ہے خزانۂ شاہی سے اپنے خاص حجرے میں سیم و زر جمع کر رہا ہے۔

سلطان محمود کو ایاز کے متعلق ایسی حرکت کا گمان تک بھی نہ ہوا، لیکن اراکین پر حجت تمام کرنے کے لیے اور ایاز کا مقامِ محبت اور اس کی صداقت ظاہر کرنے کے لیے حکم نافذ کر دیا کہ آدھی رات کو ایاز کے حجرے کی تلاشی لی جائے اراکینِ سلطنت بڑے خوش ہوئے کہ آج رات میں ایاز کی قلعی کھل جاوے گی، اور اس کا تقرب ختم ہو جاوے گا۔

چنانچہ نیم شب کو اس کے حجرے کا تالا توڑا گیا اور حکامِ سلطنت نے حجرے کے اندر تلاشی لی، لیکن بجز ایک پُرانی گدڑی اور ایک بوسیدہ پوستین کے حجرے میں کچھ نہ تھا، اور حاسدین نے حجرے کی زمین بھی اس

شبہ سے کھودی کہ شاید زمین میں دفینہ ہو اور گدڑی کو دھوکہ دینے کے لیے ٹانگ رکھا ہو، بالآخر تلاشی لینے والے حکام تہیدست و نامراد شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باصد شرمندگی معذرت اور معافی طلب کرنے لگے۔

محمود پر اس وقت ایاز کی محبت میں ایک حال غالب ہوگیا، اور ایاز سے پوچھا، کہ اے ایاز اس قدر اہتمام سے اس گدڑی اور پوستینِ بوسیدہ کو حجرے میں کیوں مقفل کر رکھا ہے؟ ایاز نے عرض کیا کہ حضور میں ہر روز اپنی اس گدڑی اور پوستینِ بوسیدہ کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتا ہوں، اور نفس سے کہتا ہوں کہ اے ایاز تیری یہ تمام نعمتیں عزت وشوکت سب عطاءِ شاہِ محمود ہے ورنہ اے ایاز تیری حقیقت ایک دن یہی گدڑی اور بوسیدہ پوستین تھی۔" [1]

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایاز کا ایک اور واقعہ بھی مثنوی میں ذکر کیا ہے موقع کی مناسبت سے وہ بھی سنتے چلیں۔

"ایک روز صبح کے وقت سلطان محمود نے ارکینِ سلطنت کی عقل و فہم کا امتحان کرنے کے لیے خزانۂ شاہی سے ایک موتی نکلوایا اور سب سے پہلے وزیر کے ہاتھ میں دے کر اس سے دریافت کیا کہ یہ موتی کتنے دام میں فروخت ہوگا۔ وزیر نے عرض کیا کہ حضور! یہ موتی تو بہت ہی بیش قیمت ہے۔ سونے سے لدے ہوئے دو سو گدھوں سے بھی اس کی قیمت زیادہ ہے۔

سلطان نے کہا کہ اچھا تو میرے حکم سے اس بیش بہا موتی کو

---

[1] معرفت الٰہیہ ص۱۸۷

ریزہ ریزہ کردو، وزیر نے عرض کیا کہ حضور میں اس موتی کو ضائع نہ کروں گا میں آپ کے خزانہ دولت کا خیر خواہ ہوں اور اس گوہر کو توڑنا بد خواہی ہوگی بادشاہ نے اس کو شاباش دی اور ایک شاہی خلعت عطاء فرمائی۔ اور اس موتی کو وزیر کے ہاتھ سے لے کر سلطنت کے ایک دوسرے مقرب عہدیدار کو دیا اور اس سے بھی اس کی قیمت دریافت کی اس نے کہا حضور اس بیش بہا موتی کی قیمت آپ کی آدھی سلطنت ہے خدا اس موتی کو محفوظ رکھے۔ بادشاہ نے اس کو بھی حکم دیا کہ اس موتی کو ریزہ ریزہ کردو اس نے عرض کیا حضور ایسے قیمتی موتی کو توڑنے کے لیے میرا ہاتھ حرکت نہیں کر سکتا۔ اس موتی کو توڑنا خزانہ سلطنت سے دشمنی کے مترادف ہوگا۔

سلطان محمود نے اس کو بھی شاہی خلعت عطا فرمائی اور دیر تک اس کی تعریف کرتا رہا۔

غرض بادشاہ نے ۶۵۔ اراکین سلطنت کو باری باری طلب کر کے یہی معاملہ فرمایا اور ہر ایک نے وزیر کی تقلید کی اور شاہی خلعت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ سلطان سے شرف مدح بھی حاصل کیا۔ بادشاہ جب سب کا امتحان کر چکا اور انعامات دے چکا تو آخر میں اس نے ایاز کو طلب کیا اور موتی کو اس کے ہاتھ پر رکھ کر کہا کہ اے ایاز! ہر ایک نے اس موتی کو دیکھا تو بھی اس کی شعاعوں کو دیکھ لے اور غور کر کے بتا کہ اس کی کیا قیمت ہوگی۔

ایاز نے عرض کیا کہ حضور! جس قدر قیمت اس موتی کی عرض کرونگا یہ موتی اس سے بھی کہیں زیادہ گراں اور بیش قیمت ہوگا۔ شاہ نے حکم دیا کہ اچھا تو فوراً اس گوہر کو توڑ دے اور بالکل ریزہ ریزہ کردے۔

ایاز سلطان کا مزاج شناس تھا اور سمجھ رہا تھا کہ بادشاہ اس وقت امتحان کر رہا ہے۔ سلطان کا حکم سنتے ہی اس نے گوہر بیش بہا کو چکنا چور کر دیا اور خلعت و انعامات کی ذرا بھی طمع نہ کی۔ جیسے ہی ایاز نے وہ بیش بہا موتی توڑا تمام اراکینِ سلطنت نے شور برپا کر دیا اور دیوانِ خاص میں ایک ہنگامہ مچ گیا، تمام وزراء سلطنت نے کہا کہ واللہ یہ شخص کافر ہے یعنی ناسپاس نعمت ہے جس نے اس پُر نور و محترم موتی کو توڑ دیا۔ ایاز نے کہا اے محترم بزرگو! حکم شاہ کی قیمت زیادہ ہے یا اس موتی کی۔ اے لوگو! تمہاری نظر موتی پر ہے بادشاہ پر نہیں۔ میں اپنی نظر کو بادشاہ سے نہ ہٹاؤں گا اور مشرک کی طرح موتی کی طرف رُخ نہ کروں گا۔ کیونکہ بادشاہ سے نظر ہٹا کر موتی کی طرف متوجہ ہونا بادشاہ کی محبت و اطاعت میں شرک ہے۔

(۱) گفت ایاز اے مہترانِ نامور ۔۔۔ امر شہ بہتر بقیمت یا گہر

(۲) من ز شہ بر می نگر دانم بصر ۔۔۔ من چو مشرک روئے نارم در گہر

(۳) گوہر امر شاہ بود اے ناکساں ۔۔۔ جملہ بشکستید گوہر را میاں

(۴) چوں ایاز ایں راز بر صحرا فگند
جملہ ارکاں خوار گشتند و نژند

ترجمہ (۱ـ) ایاز نے کہا کہ اے نامور بزرگو! امر شاہ قیمت میں بہتر ہے یا موتی۔

(۲ـ) میں شاہ سے اپنی نگاہ نہ ہٹاؤں گا۔ میں مشرک کی طرح گوہر کی طرف رُخ نہ کروں گا۔

(۳ـ) اے نااہلو! اصل موتی تو حکم شاہ تھا۔ تم سب نے سلطان کے حکم کا موتی توڑ دیا۔

(۴ـ) جس وقت ایاز نے اس راز کو اراکینِ سلطنت پر ظاہر کیا تمام اراکین

جو ایاز کے مقرب بادشاہ ہونے کی وجہ سے حسد رکھتے تھے اس کی فتح و کامیابی سے ذلیل وخوار ہوگئے۔" [1]

سلطان محمود کی ۴۲۱ھ میں وفات ہوئی اور افغانستان کے شہر غزنی کے قصر فیروزہ میں مدفون ہوئے، خواجہ ایاز ۴۴۹ھ میں شہر لاہور میں واصل بحق ہوئے۔ چوک رنگ محل میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

دعوت و تبلیغ کا ایک زرّیں اصول

۱۹۷۶ء کی بات ہے کہ حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ (م ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء) "اسلامی مشاورتی کونسل" کے ایک اجلاس میں شرکت کے لیے کراچی سے اسلام آباد تشریف لائے، اجلاس منعقد ہوا اجلاس کی تیسری نشست میں بعض حضرات نے حضرت بنوری سے فرمائش کی کہ آپ ٹیلی ویژن پر خطاب فرمائیں۔ آپ نے ٹیلی ویژن پر خطاب کرنے سے یہ کہہ کر معذرت فرمادی کہ یہ میرے مزاج کے خلاف ہے۔ اسی دوران غیر رسمی طور پر یہ گفتگو بھی آئی کہ فلموں کو مخرب اخلاق عناصر سے پاک کرکے تبلیغی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں مولانا نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

"اس سلسلہ میں مَیں ایک اصولی بات کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ جس طرح بھی ممکن ہو لوگوں کو پکّا مسلمان بنا کر چھوڑیں ہاں اس بات کے مکلّف ضرور ہیں کہ تبلیغِ دین کے لیے جتنے جائز ذرائع و وسائل ہمارے بس میں ہیں اُن کو اختیار کرکے اپنی پوری کوشش صرف کر دیں۔ اسلام نے ہمیں جہاں تبلیغ کا حکم دیا ہے۔ وہاں تبلیغ کے باوقار طریقے اور آداب

---

[1] معارف مثنوی ص۱۱۶

بھی بتائے ہیں ہم ان طریقوں اور آداب کے دائرے میں رہ کر تبلیغ کے مکلف ہیں۔ اگر ان جائز ذرائع اور تبلیغ کے ان آداب کے ساتھ ہم اپنی تبلیغی کوششوں میں کامیاب ہوتے ہیں تو عین مراد ہے، لیکن اگر بالفرض ان جائز ذرائع سے ہمیں کامیابی حاصل نہیں ہوتی تو ہم اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ناجائز ذرائع اختیار کر کے لوگوں کو دین کی دعوت دیں اور آدابِ تبلیغ کو پس پشت ڈال کر جس جائز و ناجائز طریقے سے ممکن ہو لوگوں کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کریں۔ اگر ہم جائز وسائل کے ذریعے اور آدابِ تبلیغ کے ساتھ ہم ایک شخص کو بھی دین کا پابند بنا دیں گے تو ہماری تبلیغ کامیاب ہے اور اگر ناجائز ذرائع اختیار کر کے ہم سو آدمیوں کو بھی اپنا ہم نوا بنا لیں تو اس کامیابی کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔ کیونکہ دین کے احکام کو پامال کر کے جو تبلیغ کی جائے گی وہ دین کی نہیں کسی اور چیز کی تبلیغ ہوگی "فلم" اپنے مزاج کے لحاظ سے بذاتِ خود اسلام کے احکام کے خلاف ہے لہٰذا ہم اس کے ذریعے تبلیغ دین کے مکلف نہیں ہیں۔ اگر کوئی شخص جائز اور باوقار طریقوں سے ہماری دعوت کو قبول کرتا ہے تو ہمارے دیدۂ و دل اس کے لیے فرش راہ ہیں، لیکن جو شخص فلم دیکھے بغیر دین کی بات سُننے کے لیے تیار نہ ہو اسے فلم کے ذریعے دعوت دینے سے ہم معذور ہیں اگر ہم یہ موقف اختیار نہ کریں تو آج ہم لوگوں کے مزاج کی رعایت سے فلم کو تبلیغ کے لیے استعمال کریں گے کل بے حجاب خواتین کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا جائے گا، اور رقص و سرود کی محفلوں سے لوگوں کو دین کی طرف بلانے کی کوشش کی جائے گی، اس طرح ہم تبلیغ کے نام پر خود دین کے ایک ایک حکم کو پامال کرنے کے مرتکب ہوں گے۔"

اس واقعہ کے راوی حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم جو اس سفر میں حضرت بنوریؒ کے رفیق تھے یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ کونسل میں مولاناؒ کی آخری تقریر تھی اور غور سے دیکھا جائے تو یہ تمام دعوتِ دین کا کام کرنے والوں کے لیے مولاناؒ کی آخری وصیت تھی جو لوحِ دل پر نقش کرنے کے لائق ہے۔" [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مصلحین کے لیے ایک عظیم ہدایت

عماد الدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ) ابن ابی حاتمؒ کی سند سے نقل کرتے ہیں کہ "اہل شام میں سے ایک بڑا بارعب اور قوی آدمی تھا، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کرتا تھا، کچھ عرصہ تک وہ نہ آیا تو آپ نے لوگوں سے اس کا حال پوچھا۔ لوگوں نے کہا امیر المومنینؓ اس کا حال نہ پوچھیے وہ تو شراب میں بدمست رہنے لگا۔ فاروق اعظمؓ نے اپنے منشی کو بلایا اور کہا کہ یہ خط لکھو۔

مِنْ عُمَرَ بْنِ الخطاب	منجانب عمر بن خطاب بنام فلاں
اِلٰی فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ	بن فلاں۔ سلام علیک، اس کے
سَلَامٌ عَلَيْكَ فَاِنِّیْ	بعد میں تمہارے لیے اُس اللہ کی
اَحْمَدُ اِلَيْكَ اللهَ الَّذِیْ	حمد پیش کرتا ہوں جس کے سوا کوئی
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ غَافِرِ	معبود نہیں وہ گناہوں کو معاف
الذَّنْبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ	کرنے والا، توبہ کو قبول کرنے
شَدِيْدِ الْعِقَابِ	والا، سخت عذاب والا، بڑی
ذِی الطَّوْلِ	قدرت والا ہے، اس کے سوا

[1] نقوش رفتگاں ص ۱۰۵

لَآ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ط — کوئی معبود نہیں، اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

پھر حاضرینِ مجلس سے کہا کہ سب مل کر اس کے لیے دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو پھیر دے، اور اس کی توبہ قبول فرمائے۔ جب اُس کے پاس حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ خط پہنچا اور اس نے پڑھا تو بار بار ان کلمات کو پڑھتا اور غور کرتا رہا کہ اس میں مجھے سزا سے ڈرایا بھی گیا ہے اور معاف کرنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔ پھر رونے لگا اور شراب خوری سے باز آگیا۔ ایسی توبہ کی کہ پھر اس کے پاس نہ گیا۔

حضرت فاروق اعظمؓ کو جب اس اثر کی خبر ملی تو لوگوں سے فرمایا کہ ایسے معاملات میں تم سب کو ایسا ہی کرنا چاہیئے کہ جب کوئی بھائی کسی لغزش میں مبتلا ہو جائے تو اُس کو دُرستی پر لانے کی فکر کرو اور اس کو اللہ کی رحمت کا بھروسہ دلاؤ اور اللہ سے اس کے لیے دُعا کرو کہ وہ توبہ کرلے اور تم اس کے مقابلہ پر شیطان کے مددگار نہ بنو۔ یعنی اس کو بُرا بھلا کہہ کر یا غصّہ دلا کر اور دین سے دُور کر دو گے تو یہ شیطان کی مدد ہو گی"۔ [1]

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ پڑھتے ہوئے راقم الحروف کو اپنے بزرگوں میں سے حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ (م ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء) کا واقعہ یاد آگیا جو اپنی نوعیت کا عجیب واقعہ ہے، قارئین یہ واقعہ بھی ملاحظہ فرماتے چلیں۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

---

[1] تفسیر القرآن العظیم للامام ابن الکثیر ج ۴ ص ۷۰

" ایک مرتبہ آپ کا جلال آباد یا شاملی گزر ہوا۔ ایک مسجد ویران پڑی تھی، وہاں نماز کے لیے تشریف لاکر پانی کھینچا وضو کیا، مسجد میں جھاڑو دی اس کے بعد ایک شخص سے پوچھا کہ یہاں کوئی نمازی نہیں؟ اس نے کہا کہ جی سامنے خان صاحب کا مکان ہے جو شرابی اور رنڈی باز ہیں۔ اگر وہ نماز پڑھنے لگیں تو یہاں اور بھی دو چار نمازی ہو جائیں آپ ان خان صاحب کے پاس تشریف لے گئے تو رنڈی پاس بیٹھی تھی اور نشہ میں مست تھے۔ آپ نے خان صاحب سے فرمایا کہ بھائی خان صاحب اگر تم نماز پڑھ لیا کرو تو دو چار آدمی اور جمع ہو جایا کریں اور مسجد آباد ہو جائے گی، خان صاحب نے کہا کہ میرے سے وضو نہیں ہوتی اور نہ یہ دو بُری عادتیں چھٹتی ہیں۔ آپ نے فرمایا بے وضو ہی پڑھ لیا کرو۔ اور شراب بھی پی لیا کرو۔ اس پر اس نے عہد کیا کہ میں بغیر وضو ہی پڑھ لیا کروں گا۔ آپ وہاں سے تشریف لے گئے۔ اور کچھ فاصلہ پر نماز پڑھی اور سجدہ میں خوب روئے، ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت آپ سے دو ایسی باتیں سرزد ہوئیں جو کبھی نہیں ہوئیں اوّل یہ کہ آپ نے شراب اور زنا کی اجازت دے دی۔ دوسرے یہ کہ آپ سجدہ میں بہت روئے، فرمایا کہ سجدہ میں میں نے جناب باری تعالیٰ سے التجا کی تھی کہ اے رب العزت کھڑا تو میں نے کر دیا اب دل تیرے ہاتھ میں ہے، ان خان صاحب کا یہ حال ہوا کہ جب رنڈیاں پاس سے چلی گئیں تو ظہر کا وقت تھا اپنا عہد یاد آیا، پھر خیال آیا کہ آج پہلا روز ہے لاؤ غسل کر لیں کل سے بغیر وضو پڑھ لیا کریں گے غسل کیا پاک کپڑے پہنے۔ اور نماز پڑھی، بعد نماز باغ کو چلے گئے عصر اور مغرب باغ میں اسی وضو سے پڑھی۔ بعد مغرب گھر پہنچے طوائف موجود

تھی۔ اول کھانا کھایا پھر گھر میں گئے بیوی پر جو نظر پڑی تو فریفتہ ہو گئے، ان کی شادی کو سات سال ہو گئے تھے۔ اور آج تک نہ کبھی بیوی کے پاس گئے اور نہ اس کی صورت دیکھی تھی۔ فوراً باہر آ گئے۔ رنڈی سے کہا کہ آئندہ میرے مکان پر نہ آنا اور خادم سے کہا کہ بستر گھر میں بھیج دو۔ سُنا ہے کہ ان خان صاحب کی ۲۵ سال تک کبھی تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی۔" [1]

جو لوگ اصلاحِ خلق اور دعوت و تبلیغ کی خدمت انجام دے رہے ہیں اُن کے ان واقعات میں ایک عظیم الشان ہدایت ہے کہ جس شخص کی اصلاح مقصود ہو اس کے لئے دُعا بھی کریں اور نرم تدبیر سے اس کو درستی کی طرف لائیں، اشتعال انگیزی نہ کریں کہ اس سے نفع پہنچنے کے بجائے اُس کے مزید گمراہی میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔

جنّتی شخص

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

"ایک مرتبہ —— ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے آپؐ نے فرمایا کہ ابھی تمہارے سامنے ایک شخص آنے والا ہے جو اہلِ جنت میں سے ہے، چنانچہ ایک صاحب انصار میں سے آئے، جن کی ڈاڑھی سے تازہ وضو کے قطرات ٹپک رہے تھے اور بائیں ہاتھ میں اپنے نعلین لیے ہوئے تھے، دوسرے دن بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور یہی شخص اسی حالت کے ساتھ سامنے آیا، تیسرے روز بھی یہی واقعہ پیش آیا اور یہی

---

[1] حکایاتِ اولیار صت ۲۳۷

شخص اپنی مذکورہ حالت میں داخل ہوا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس
سے اُٹھ گئے تو حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص اس شخص کے پیچھے لگے (تاکہ
اس کے اہلِ جنّت ہونے کا راز معلوم کریں) اور اُن سے کہا کہ مَیں نے کسی
جھگڑے میں قسم کھالی ہے کہ مَیں تین روز تک اپنے گھر نہ جاؤں گا۔ اگر آپ
مناسب سمجھیں تو تین روز مجھے اپنے یہاں رہنے کی جگہ دے دیں۔ انہوں
نے منظور فرمالیا، عبداللہ بن عمروؓ نے یہ تین راتیں اُن کے ساتھ گزاریں تو
دیکھا کہ رات کو تہجّد کے لیے نہیں اُٹھتے، البتہ جب سونے کے لیے بستر
پر جاتے تو کچھ اللہ کا ذکر کرتے تھے پھر صبح کی نماز کے لیے اُٹھ جاتے تھے،
البتہ اس پُورے عرصہ میں مَیں نے اُن کی زبان سے بجز کلمۂ خیر کے کوئی
کلمہ نہیں سُنا، جب تین راتیں گزر گئیں اور قریب تھا کہ میرے دل میں ان
کے عمل کی حقارت آجائے تو مَیں نے اُن پر اپنا راز کھول دیا کہ ہمارے گھر
کوئی جھگڑا نہیں تھا، لیکن مَیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین روز تک
یہ سنتا رہا کہ تمہارے پاس ایک ایسا شخص آنے والا ہے جو اہلِ جنّت میں
سے ہے اور اس کے بعد تینوں دن آپ ہی آئے۔ اس لیے مَیں نے
چاہا کہ مَیں آپ کے ساتھ رہ کر دیکھوں کہ آپ کا وہ کیا عمل ہے جس کے
سبب یہ فضیلت آپ کو حاصل ہوئی، مگر عجیب بات ہے کہ مَیں نے
آپ کو کوئی بڑا عمل کرتے نہیں دیکھا تو وہ کیا چیز ہے جس نے آپ کو اس
درجہ پر پہنچایا۔ اُنہوں نے کہا "میرے پاس تو بجُز اس کے کوئی عمل نہیں
جو آپ نے دیکھا ہے"۔ مَیں یہ سُن کر واپس آنے لگا تو مجھے بُلا کر کہا
کہ "ہاں ایک بات ہے کہ مَیں اپنے دل میں کسی مسلمان کی طرف سے
کینہ اور بُرائی نہیں پاتا، اور کسی پر حسد نہیں کرتا جس کو اللہ نے کوئی خیر کی

چیز عطا فرمائی ہو" عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ بس یہی وہ صفت ہے جس نے آپ کو یہ بلند مقام عطا کیا ہے۔" [1]

عاجزی

حکیم الاُمّت حضرت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" عبدیت تو اسی میں ہے کہ فنا کردے۔ عاجزی انکسار اختیار کرے حق تعالیٰ کے یہاں اسی کی قدر ہے حق تعالیٰ کی ذات تو بڑی ہی رحیم اور کریم ہے۔ مخلوق بھی عاجزی ہی کو پسند کرتی ہے۔ اس پر ایک حکایت یاد آئی ایک مہاجن کی لڑکی پر ایک جن عاشق تھا بڑے بڑے عامل آئے مگر ناکامیاب رہے۔ بعض جن بڑا ہی سرکش اور قوی ہوتا ہے جو عامل جاتا صحیح سلامت واپس نہ ہوتا اکثر یہ حرکت کرتا کہ ہاتھ پکڑ کر چھت اُبھار کر اس میں دبا دیتا اب بیچارہ عامل ہے کہ لٹکا ہوا ہے۔ ایسا ظالم تھا کسی نے اس مہاجن سے ویسے ہی بطور تمسخر کے کہہ دیا کہ فلاں مسجد میں جو مؤذن ہیں بہت بڑے عامل ہیں وہ مہاجن ان بے چاروں کو جا لپٹا یہ ہر چند قسم کھاتا ہے مگر مہاجن ہے کہ پیروں پر گرا پڑتا ہے خوشامد کر رہا ہے جب یہ عاجز ہو گیا اس نے کہا کہ اچھا میں چلتا ہوں یہ بتلاؤ کیا دو گے، مہاجن نے کہا کہ جو کہو۔ کہا کہ پانچ سو روپیہ، اُس نے کہا کہ منظور، یہ سمجھا کہ دو ہی باتیں ہیں یا تو کام بن گیا اور پانچ سو روپیہ مل گیا تو بڑی راحت اور عیش سے گزرے گی اور اگر مار دے گا تو اس مصیبت اور پریشانی و ناداری کی زندگی سے مرجانا ہی بہتر ہے بے چارہ غریب تھا۔

---

[1] مسند احمد بحوالہ تفسیر ابن کثیر عربی ج ۴ ص ۳۴۸

بسم اللہ پڑھ کر مہاجن کے ساتھ ہولیا۔ اس کے مکان پر پہنچا اُس جن نے نہایت زور سے ڈانٹا کہ کیسے آیا ہے ہاتھ جوڑ کر قدموں میں گر گیا کہ حضور کی رعیت کا جولاہا ہوں، حضور نہ مَیں عامل ہوں نہ عمل چلانے آیا ہوں۔ ایک جاہل اور غریب آدمی ہوں۔ یہ مہاجن جا کر سر ہوگیا ہر چند عذر کیا نہ مانا اس لیے مجبوری کو چلا آیا۔ حضور کی بڑی پرورشس ہوگی۔ اگر حضور پانچ منٹ کے لیے اس لڑکی سے جُدا ہوجائیں مجھ کو پانچ سو روپیہ مل جائے گا۔ مَیں غریب آدمی ہوں میرا بھلا ہوجائے گا اور حضور کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ پھر اگر دل چاہے آجایئے۔ یہ سُن کر جن بڑے زور سے قہقہہ مار کر ہنسا اور یہ کہا کہ ہم تیری خاطر سے ہمیشہ کے لیے جاتے ہیں، حضرت اس شخص کی شہرت ہوگئی کہ بہت بڑا عامل ہے عمر بھر کی روٹیاں سیدھی ہوگئیں اور عوام کے اعتقاد کا ۔۔۔۔۔ یہی قاعدہ ہے کہ ایک مرتبہ رجسٹری ہوجائے کسی کے کمال کی پھر تو عقد فسخ ہوتا ہی نہیں یہ بات کا ہے کی بدولت نصیب ہوتی، صرف عاجزی کی بدولت عاجزی بہت ہی عجیب چیز ہے "[1]

شیطان کی عیاری

حضرت انس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

" دو قسم کی آوازیں ایسی ہیں جن پر دُنیا اور آخرت دونوں میں لعنت کی

---

[1] افاضات یومیہ ج ا صـ۲۸۳۔

گئی ہے، ایک تو خوشی کے موقع پر باجے تاشے کی آواز دوسرے مصیبت کے موقع پر آہ و بُکا اور نوحہ کی آواز۔" [1]

اس مقام پر علامہ ابن قیم جوزی رحمہ اللہ (م ۷۵۱ھ) نے بڑی نفیس بات کہی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"قلبِ انسانی پر دو حالتیں طاری ہوتی ہیں ایک غم کی حالت اور دوسری خوشی کی حالت، غم کی حالت بالعموم اس وقت طاری ہوتی ہے جب انسان کی کوئی متاعِ عزیز گم ہو جائے اس کے برعکس خوشی کی حالت اس وقت طاری ہوتی ہے جب انسان کو کوئی اچھی چیز مل جائے۔

ان دونوں حالتوں کی مناسبت سے دو عبادتیں رکھی گئی ہیں۔ غم کی حالت میں صبر کرنا اور اللہ کی مشیئت پر راضی رہنا عبادت ہے اور خوشی کی حالت میں اللہ کی عطا اور انعام پر شکر ادا کرنا عبادت ہے (اور صبر و شکر درحقیقت بڑی عظیم عبادتیں ہیں جن کے فضائل و فوائد قرآن کریم اور احادیث میں بکثرت آئے ہیں) شیطان نے کمال عیاری سے کام لے کر ان دونوں موقعوں پر عبادتِ الٰہی سے ہٹانے اور ثواب کمانے سے محروم کرنے کے لیے انسان کو دو ایسے کاموں میں لگا دیا جو معصیتِ الٰہی اور بڑے گناہ ہیں۔ یعنی غم کے موقع پر رونے دھونے جزع فزع اور نوحہ اور گریہ میں لگا دیا اور خوشی کے موقع پر گانے بجانے اور رقص و سرود میں منہمک کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔" [2]

---

[1] مسند بزار بحوالہ مجمع الزوائد ج ۳ ص

[2] مدارج السالکین ج ۴ ص ۲۱۱

ہمیں چاہیے کہ ان دونوں موقعوں پر کمال احتیاط سے کام لیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے موعودہ اجر وثواب کے مستحق بنیں ایسا نہ ہو کہ شیطانی چال کا شکار ہو کر بڑے اجر وثواب سے محروم ہو جائیں ۔ اعاذنا اللہ منہ،

کُفّار کے ساتھ مشابہت

اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کُفّار کے ساتھ دوستی کرنے اُن کی مخصوص چیزوں کو بنظرِ استحسان دیکھنے اور اُن کے ساتھ کسی بھی قسم کی مشابہت اختیار کرنے کو منع فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ	نہ بناویں مسلمان کافروں کو
اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ج	دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر،
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ	اور جو کوئی یہ کام کرے تو
فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ	نہیں اُس کو اللہ سے کوئی تعلق،
شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا	مگر اس حالت میں کہ کرنا چاہو
مِنْهُمْ تُقٰىةً ط (۳-۲۸)	تم اُن سے بچاؤ۔

(ترجمہ: حضرت شیخ الہندؒ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

"مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ	جو شخص جس قوم سے مشابہت اختیار
مِنْهُمْ"۔ [1]	کرے گا وہ اُسی میں سے شمار ہوگا۔

---

[1] رواہ احمد و ابو داؤد، بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳۷۵

اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ایسے شخص سے سخت ناراض ہیں جو کفار سے دوستی رکھتا ہے، ان کی مخصوص چیزوں کو بنظرِ استحسان دیکھتا ہے اور اُن کے ساتھ شکل وصورت، لباس وپوشاک، رہن سہن، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور اخلاق وعادات میں مشابہت اختیار کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ناراضگی کا اصل پتہ تو آخرت میں چلے گا، کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو عبرت حاصل کرنے کے لیے دنیا میں بھی ایسے واقعات دکھلا دیتے ہیں، تاریخ کے حوالے سے چند ایسے واقعات نذرِ قارئین کیے جاتے ہیں تاکہ لوگ انہیں دیدۂ عبرت سے دیکھ کر نصیحت حاصل کریں۔

قلب میں ظلمتیں

حضرت مجددالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ قدّس سرّہٗ کے صاحبزادگان حضرت خواجہ عبداللہ وحضرت خواجہ عبیداللہ رحمہما اللہ کے نام ایک طویل گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"فقیر یکبارے بعیادتِ شخصے رفتہ بود کہ معاملۂ او قریب باحتضار رسیدہ بود، چوں متوجہ حالِ او شد دید کہ قلبِ او ظلمات بسیار دارد، ہرچند متوجہ دفعِ آں ظلمات شد فائدہ نہ کرد، بعد از توجہ بسیار معلوم شد کہ آں	فقیر ایک مرتبہ ایک شخص کی بیمار پُرسی کے لیے گیا جس کا معاملہ نزع کی حالت تک پہنچا ہوا تھا جب یہ فقیر اس کے حال کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ اس کے قلب پر بہت سی ظلمتیں چھائی ہوئی ہیں، ہرچند ان ظلمتوں کے دُور کرنے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ وہ ظلمتیں اُس کے

ظلمات ناشی از صفاتِ	قلب سے دُور ہو جائیں) لیکن کوئی
کفر است کے در وے	فائدہ نہیں ہوا بڑی (دیر) توجہ کے
مکنونست و منشاءِ آں	بعد معلوم ہوا کہ یہ ظلمتیں اُن صفات
کدورات موالاتِ	کفر کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں
اوست با کفر و	جو اس میں پوشیدہ تھیں اور یہ
اہل کفر، توجہات	کدورتیں کفر اور اہل کفر کے ساتھ
رفعِ آں ظلمات ننمایند"	دوستی رکھنے کے باعث پیدا ہوئی
[1]	ہیں۔ توجہ کے ساتھ یہ ظلمتیں دُور
	نہیں ہو سکتیں۔

ایک عجیب عبرت انگیز حکایت

حکیم الاُمّت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"مَیں آپ کو ایک عجیب عبرت انگیز حکایت سُناتا ہوں جو مَیں نے مولانا فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سُنی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔ شیخ دَہان (تاجر روغن) نے جو مکّہ مکرّمہ کے ایک بڑے عالم تھے فرمایا کہ مکّہ مکرّمہ میں ایک عالم کا انتقال ہوا اور ان کو دفن کر دیا گیا کچھ عرصہ کے بعد کِسی دوسرے شخص کا انتقال ہوا تو اس کے وارثوں نے ان عالم صاحب کی قبر میں اُن کو دفن کرنا چاہا، مکّہ مکرّمہ میں یہ دستور ہے کہ ایک قبر میں کئی کئی مُردوں کو دفن کر دیتے ہیں، چنانچہ ان عالم صاحب کی قبر کھودی گئی تو دیکھا

---

[1] مکتوب نمبر ۲۶۶ در مکتوبات امام ربانی ج ۱ ص ۲۸۳۔

کہ اُن کی لاش کے بجائے ایک نہایت حسین لڑکی کی لاش رکھی ہُوئی ہے
اور صورت دیکھنے سے وہ لڑکی یورپین معلوم ہوتی تھی، سب کو حیرت
ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اتفاق سے اس مجمع میں یورپ سے آنے والا
ایک شخص بھی موجود تھا اس نے جو لڑکی کی صُورت دیکھی تو کہا مَیں اس کو
پہچانتا ہوں یہ لڑکی فرانس کی رہنے والی اور ایک عیسائی کی بیٹی ہے یہ
مجھ سے اُردو پڑھتی تھی اور دَر پردہ مسلمان ہوگئی تھی مَیں نے اس کو دینیات
کے چند رسالے بھی پڑھائے تھے۔ اتفاق سے بیمار ہو کر انتقال کر گئی اور مَیں
دِل برداشتہ ہو کر نوکری چھوڑ کر یہاں چلا آیا۔ لوگوں نے کہا کہ اس کے یہاں
منتقل ہونے کی وجہ تو معلوم ہوگئی کہ مسلمان اور نیک تھی، لیکن اب یہ
بات دریافت طلب ہے کہ اُن عالم صاحب کی لاش کہاں گئی۔ بعض لوگوں
نے کہا کہ شاید عالم کی لاش اِس لڑکی کی قبر میں منتقل کر دی گئی ہو اس پر لوگوں
نے اس سیّاح سے کہا کہ تم حج سے واپس ہو کر یورپ جاؤ تو اس لڑکی کی
قبر کھود کر ذرا دیکھنا کہ اس میں مسلمان عالم کی لاش ہے یا نہیں، اور کوئی
صُورت شناس بھی ساتھ کر دیا، چنانچہ وہ شخص یورپ واپس گیا اور
لڑکی کے والدین سے اس کا یہ حال بیان کیا۔ اس پر اُن کو بڑی حیرت ہوئی
کہ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ لڑکی کو دفن تو کیا جائے فرانس میں اور تم اس
کی لاش مکّہ مکرّمہ میں دیکھ لو۔ اخیر رائے یہ قرار پائی کہ اس لڑکی کی قبر کو کھودو
چنانچہ اس کے والدین اور چند لوگ اس حیرت انگیز معاملہ کی تفتیش کے
لیے قبرستان چلے اور لڑکی کی قبر کھودی گئی تو واقعی اس کے تابوت میں اس کی
لاش نہ تھی بلکہ اُس کے بجائے وہ مسلمان عالم مُقَطَّع صورت وہاں دھرے
ہوئے تھے جن کو مکّہ مکرّمہ میں دفن کیا گیا تھا۔ شیخ دہّانؒ نے فرمایا کہ اس

سیّاح نے کسی ذریعہ سے ہم کو اطلاع دی کہ اُس عالم کی لاش یہاں فرانس میں موجود ہے۔ اب مکہ مکرّمہ والوں کو فکر ہوئی کہ لڑکی کا مکہ مکرّمہ پہنچ جانا تو اس کے مقبول ہونے کی علامت ہے اور اس کے مقبول ہونے کی وجہ بھی معلوم ہو گئی مگر اس عالم کا مکہ مکرّمہ سے کفرستان میں پہنچ جانا کس بنا پر ہوا اُس کے مردود ہونے کی کیا وجہ ہے۔ سب نے کہا کہ انسان کی اصلی حالت گھر والوں کو معلوم ہوا کرتی ہے۔ اُس کی بی بی سے پوچھنا چاہیئے، چنانچہ لوگ اس کے گھر گئے اور دریافت کیا کہ تیرے شوہر میں اسلام کے خلاف کوئی بات تھی؟ اُس نے کہا کچھ بھی نہیں وہ تو بڑا نمازی اور قرآن کا پڑھنے والا تہجد گزار تھا۔ لوگوں نے کہا سوچ کر بتلاؤ کیونکہ اُس کی لاش دفن کے بعد مکہ مکرّمہ سے کفرستان میں پہنچ گئی ہے کوئی بات اسلام کے خلاف اس میں ضرور تھی۔ اس پر بی بی نے کہا ہاں میں اس کی ایک بات پر ہمیشہ کھٹکتی تھی وہ یہ کہ جب وہ مجھ سے مشغول ہوتا اور فراغت کے بعد غسل کا ارادہ کرتا تو یوں کہا کرتا تھا کہ نصاریٰ کے مذہب میں یہ بات بڑی اچھی ہے کہ اُن کے یہاں غسلِ جنابت فرض نہیں لوگوں نے کہا بس یہی بات ہے جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے اُس کی لاش کو مکہ مکرّمہ سے اُسی قوم کی جگہ پھینک دیا جن کے طریقہ کو وہ پسند کرتا تھا" حضرت آپ نے دیکھا کہ یہ شخص ظاہر میں عالم متقی اور پورا مسلمان تھا، مگر تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں ایک بات کفر کی موجود تھی کہ وہ کفار کے ایک طریقے کو اسلامی حکم پر ترجیح دیتا تھا اور استحسانِ کفر کفر ہے۔ اس لیے وہ شخص پہلے ہی سے مسلمان نہ تھا۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ لاش منتقل ہو جایا کرے، مگر خدا تعالیٰ کہیں ایسا بھی کر کے دکھلا دیتے ہیں تاکہ لوگوں کو

عبرت ہو کہ بدحالی کا نتیجہ یہ ہے۔" ؎

اس کو ہولی کھیلنے والوں کے ساتھ لے جاؤ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"ایک قصہ مجھ کو یاد آیا ایک بزرگ تھے وہ ہولی کے دن باہر نکلے تو ہندوؤں کی ہر چیز کو رنگین پایا حتیٰ کہ جانوروں کو بھی۔ راستے میں ایک گدھا نظر پڑا ہنسی میں کہنے لگے تجھ کو کسی نے نہیں رنگا اور یہ کہہ کر اس پر پان کی پیک ڈال دی، بعد مرنے کے کسی نے خواب میں دیکھ کر حال پوچھا فرمایا کہ اس پیک ڈالنے پر مواخذہ ہوا کہ اس کو ہولی کھیلنے والوں کے ساتھ لے جاؤ، تشبُّہ ایسی چیز ہے۔" ؎

یہ بُت فروش ہے

حضرت تھانوی رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں۔

"محمود بادشاہ نے جب ہندوستان کو فتح کیا اور سومنات کا مندر توڑا تو تمام بُت توڑ ڈالے جو بُت سب سے بڑا تھا اُس کو بھی توڑنا چاہا، پجاریوں نے بہت الحاح وزاری کی اور کہا اس کے برابر ہم سے سونا لے لیا جائے اور اس کو نہ توڑا جائے۔ محمود نے ارکان سے مشورہ کیا سب نے کہا ہم کو فتح ہو ہی چکی۔ اب ایک بُت کے چھوڑ دینے سے ہمارا کیا جاتا

؎ وعظ ذم النسیان مشمولہ مواعظ اشرفیہ مسمٰی بہ ذکر وفکر ص ۴۱۵

؎۲ وعظ علاج الکبر مشمولہ مواعظ اشرفیہ مسمٰی بہ اصلاح اعمال ص ۵۶۴

ہے اس قدر مال ملتا ہے لشکرِ اسلام کے کام آئے گا۔ چھوڑ دینا چاہیئے۔
مجلس میں سید سالار مسعود غازی بھی تھے۔ فرمایا یہ بُت فروشی ہے۔ اب
تک بادشاہ بُت شکن مشہور تھا اب بُت فروش کہلائے گا۔ محمود کے
دل کو یہ بات لگ گئی مگر گونہ تردد باقی تھا۔ دوپہر کو سویا تو خواب میں دیکھا
کہ میدانِ حشر ہے اور ایک فرشتہ اُن کو دوزخ کی طرف یہ کہہ کر کھینچتا ہے
کہ یہ بُت فروش ہے، دوسرے فرشتے نے کہا کہ نہیں یہ بُت شکن ہے
اس کو جنّت میں لے جاؤ اتنے میں آنکھ کھل گئی فوراً حکم دیا بُت توڑ ڈالا
جائے اُس کو جو توڑا تمام پیٹ میں جواہرات بھرے ہوئے نکلے حق تعالےٰ
کا شکر کیا کہ بُت فروشی سے بھی بچا اور جس مال کی طمع میں بُت فروشی اختیار
کرتا تھا اُس سے زیادہ مال بھی مل گیا۔ یہ جنّت اور دوزخ کی طرف کھینچا
جانا اُس تردد کی صورت دکھائی گئی جو محمود کے قلب میں تھا۔ خیال کرنے
کی بات ہے کہ بُت کو چھوڑ دینا حقیقت میں بُت فروشی نہ تھا، لیکن صورۃً
بُت فروشوں کی مشابہت تھی جس کا یہ نتیجہ ہُوا۔" [۱]

ان واقعات میں اُن مسلمانوں کے لیے بھی عبرت ہے جو غیر مسلموں بالخصوص
انگریز سے مرعوب و متأثر ہیں اور گفتار و کردار، لباس و پوشاک، شکل و صورت، رہن
سہن اور اخلاق و عادات میں چاہتے ہیں کہ بالکل انگریز بن جائیں، اور اُن مسلمانوں کے
لیے بھی جو اطوار و عادات اور رسومات میں غیر مسلموں کی تقلید کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ
ہم سب کو سمجھ عطا فرمائے۔

---

[۱] وعظ علاج الکبر مشمولہ مواعظ اشرفیہ مسمّٰی بہ اصلاح اعمال ص۵۶۵

رمضان اور قرآن

رمضان کی آمد آمد ہے، رمضان اور قرآن کی مناسبت سے ہم اس مرتبہ بھی اپنے قارئین کی خدمت میں قرآن مجید سے متعلق کچھ باتیں پیش کریں گے۔

حفاظتِ قرآن

قرآن پاک کو جہاں دیگر خصوصیات و امتیازات حاصل ہیں، وہیں ایک خصوصیت و امتیاز یہ بھی حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے، یہی وجہ ہے کہ چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود قرآن مجید اپنی اصلی شکل میں اُسی آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت باوجود ہزار کوششوں کے اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی، کتبِ تاریخ میں حفاظتِ قرآن کے بہت سے واقعات ملتے ہیں، ذیل میں مامون رشید کے دور کا ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے، یہ واقعہ امام قرطبیؒ (م ۶۷۱ھ) نے اپنی تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" میں سند کے ساتھ ذکر فرمایا ہے،[1] حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی اپنی تفسیر میں اسے نقل کیا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"امام قرطبیؒ نے اس جگہ سندِ متصل کے ساتھ ایک واقعہ امیر المومنین مامون کے دربار کا نقل کیا ہے کہ مامون کی عادت تھی کہ کبھی کبھی اس کے دربار میں علمی مسائل پر بحث و مباحثے اور مذاکرے ہوا کرتے تھے جس میں

---

[1] دیکھیے تفسیر الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ ص ۵ تحت قولہ تعالیٰ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔

ہر اہلِ علم کو آنے کی اجازت تھی، ایسے ہی ایک مذاکرہ میں ایک یہودی بھی آگیا جو صورت، شکل اور لباس وغیرہ کے اعتبار سے بھی ایک ممتاز آدمی معلوم ہوتا تھا، پھر گفتگو کی تو وہ بھی فصیح و بلیغ اور عاقلانہ گفتگو تھی، جب مجلس ختم ہوگئی تو مامون نے اس کو بلا کر پوچھا کہ تم اسرائیلی ہو؟ اس نے اقرار کیا۔ مامون نے (امتحان لینے کے لیے) کہا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں گے۔

اس نے جواب دیا کہ میں تو اپنے اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو نہیں چھوڑتا، بات ختم ہوگئی، وہ شخص چلا گیا، پھر ایک سال کے بعد یہی شخص مسلمان ہو کر آیا اور مجلسِ مذاکرہ میں فقہِ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر اور عمدہ تحقیقات پیش کیں۔ مجلس ختم ہونے کے بعد مامون نے اس کو بلا کر کہا کہ تم وہی شخص ہو جو سالِ گزشتہ آئے تھے؟ جواب دیا ہاں وہی ہوں، مامون نے پوچھا کہ اُس وقت تو تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا پھر اب مسلمان ہونے کا سبب کیا ہوا؟

اُس نے کہا میں یہاں سے لوٹا تو میں نے موجودہ مذاہب کی تحقیق کرنے کا ارادہ کیا میں ایک خطاط اور خوشنویس آدمی ہوں، کتابیں لکھ کر فروخت کرتا ہوں تو اچھی قیمت سے فروخت ہو جاتی ہیں، میں نے امتحان کرنے کے لیے تورات کے تین نسخے کتابت کیے، جن میں بہت جگہ اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی اور یہ نسخے لے کر میں کنیسہ میں پہنچا یہودیوں نے بڑی رغبت سے اُن کو خرید لیا، پھر اسی طرح انجیل کے تین نسخے کمی بیشی کے ساتھ کتابت کر کے نصاریٰ کے عبادت خانہ میں لے گیا وہاں بھی عیسائیوں نے بڑی قدر و منزلت کے ساتھ یہ نسخے مجھ سے خرید لیے، پھر

یہی کام مَیں نے قرآن کے ساتھ کیا۔ اس کے بھی تین نسخے عمدہ کتابت کیے جن میں اپنی طرف سے کمی بیشی کی تھی، ان کو لے کر جب میں فروخت کرنے کے لیے نکلا تو جس کے پاس لے گیا اُس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہے یا نہیں، جب کمی بیشی نظر آئی تو اُس نے مجھے واپس کر دیا۔

اس واقعہ سے مَیں نے یہ سبق لیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور اللہ تعالےٰ ہی نے اس کی حفاظت کی ہوئی ہے۔ اس لیے مسلمان ہو گیا۔ قاضی یحییٰ بن اکثم اس واقعہ کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ اتفاقاً اسی سال مجھے حج کی توفیق ہوئی۔ وہاں سفیان بن عینیہ رحؒ سے ملاقات ہوئی تو یہ قصّہ اُن کو سُنایا۔ انہوں نے فرمایا بے شک ایسا ہی ہونا چاہیئے، کیونکہ اس کی تصدیق قرآن میں موجود ہے۔ یحییٰ بن اکثم نے پوچھا قرآن کی کون سی آیت میں؟ تو فرمایا کہ قرآن عظیم نے جہاں تورات و انجیل کا ذکر کیا ہے اس میں تو فرمایا بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللهِ، یعنی یہود و نصاریٰ کو کتاب اللہ تورات و انجیل کی حفاظت کی ذمّہ داری سونپی گئی ہے۔ یہی وجہ ہوئی کہ جب یہود و نصاریٰ نے فریضۂ حفاظت ادا نہ کیا تو یہ کتابیں مسخ و محرّف ہو کر ضائع ہو گئیں، بخلاف قرآن کریم کے کہ اس کے متعلق حق تعالےٰ نے فرمایا اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ، یعنی ہم ہی اس کے محافظ ہیں اس لیے اس کی حفاظت حق تعالیٰ نے خود فرمائی تو دشمنوں کی ہزاروں کوششوں کے باوجود اس کے ایک نقطہ اور ایک زیر و زبر میں فرق نہ آ سکا۔"

یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد مفتی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"آج عہدِ رسالت کو بھی تقریباً چودہ سو برس ہو چکے ہیں۔ تمام دینی اور اسلامی اُمور میں مسلمانوں کی کوتاہی اور غفلت کے باوجود قرآن کریم

کے حفظ کرنے کا سلسلہ تمام دنیا کے مشرق و مغرب میں اسی طرح قائم ہے ہر زمانہ میں لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان جوان، بوڑھے، لڑکے اور لڑکیاں ایسے موجود رہتے ہیں جن کے سینوں میں پورا قرآن محفوظ ہے، کسی بڑے سے بڑے عالم کی بھی مجال نہیں کہ ایک حرف غلط پڑھ دے۔ اسی وقت بہت سے بڑے اور بچے اس کی غلطی پکڑ لیں گے۔" [1]

حضرت مولانا مفتی محمودؒ کا حیرت انگیز کمال

مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی نے اپنے تعزیتی مضمون میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء) کے اوصاف و کمالات تحریر فرماتے ہوئے آپ کا ایک حیرت انگیز کمال ذکر کیا ہے۔ جی چاہا کہ قارئین ______ کے گوش گزار کیا جائے۔

مولانا تحریر فرماتے ہیں۔

" اسی دوران حضرت مفتی صاحب کا یہ حیرت انگیز کمال بھی علم میں آیا کہ اُن کے انگوٹھے کا کئی انچ گہرا آپریشن اس طرح ہوا کہ مفتی صاحبؒ نے بیہوش یا سُن کرنے والی دوا استعمال کرنے سے انکار کر دیا تھا، ڈاکٹروں نے اصرار بھی کیا کہ یہ خاصا طویل آپریشن ہے اور سُن کیے بغیر سخت تکلیف ہوگی، لیکن مفتی صاحبؒ نہ مانے، اور بالآخر سُن کیے بغیر ہی یہ آپریشن کیا گیا۔ اُن کے خصوصی معالج (غالباً کرنل مرتضےٰ صاحب) ایک مرتبہ میرے سامنے موجود تھے۔ انہوں نے بتایا کہ "مفتی صاحب کی قوت برداشت حیرت انگیز

---

[1] معارف القرآن ج ۵ ص ۲۶۹

ہے اور مَیں نے اس سے پہلے ایسا آپریشن کرانے والا نہیں دیکھا"۔ احقر نے مفتی صاحبؒ سے حیرت کے ساتھ اس کی وجہ پوچھی تو شروع میں طرح دے گئے، لیکن پھر فرمایا کہ "اگرچہ ضرورۃً نشہ آور دوا کا استعمال جائز ہے، لیکن مَیں نے سوچا کہ اس سے جتنا بچ سکوں بچ جاؤں"۔ احقر سوچ رہا تھا کہ احتیاط و تقویٰ کا یہ مقام اس دور میں خال خال ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ احقر نے اس موقع پر حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہٗ کا حوالہ دیا کہ انہوں نے سُن کرائے بغیر اپنی پُوری ٹانگ ران پر سے کٹوا لی تھی۔ ان کے بارے میں سُنا ہے کہ وہ سرجن کو آپریشن کی اجازت دے کر ذکر اللہ میں مشغول ہو گئے تھے، اس طرح آپریشن کا پورا وقت گزر گیا اور وہ اطمینان کے ساتھ اپنے ذکر میں محو رہے۔ احقر نے حضرت مفتی محمودؒ صاحب سے عرض کیا کہ "کیا آپ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا؟" ہنس کر فرمانے لگے: "نہیں بھائی، یہ تو بڑوں کی باتیں ہیں، ہمارا یہ مقام کہاں؟"[1]

حضرت مفتی محمود صاحبؒ اور حضرت مفتی محمد حسن صاحب کے واقعات درحقیقت ہمارے اسلاف کے واقعات کا تسلسل ہیں۔ تاریخ نے بہت سے صحابۂ کرام کے ایسے واقعات اپنے دامن میں محفوظ رکھے ہیں۔ اس موقع پر حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ کا اسی نوعیت کا ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہٗ کا تو قصّہ مشہور ہے کہ جب لڑائی میں ان کے تیر لگ جاتے تو وہ نماز ہی میں نکالے جاتے، چنانچہ ایک مرتبہ ران میں

---

[1] نقوشِ رفتگاں ص ۱۴۲

ایک تیر گھس گیا، لوگوں نے نکالنے کی کوشش کی نہ نکل سکا۔ آپس میں مشورہ کیا کہ جب یہ نماز میں مشغول ہوں اس وقت نکالا جائے۔ آپ نے جب نفلیں شروع کیں اور سجدہ میں گئے تو لوگوں نے اس کو زور سے کھینچ لیا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو آس پاس مجمع دیکھا فرمایا: کیا تم تیر نکالنے کے واسطے آئے ہو، لوگوں نے عرض کیا کہ وہ تو ہم نے نکال بھی لیا آپ نے فرمایا مجھے خبر ہی نہیں ہوئی۔" ؎

علماء دیوبند کی خصوصیت

حضرت مفتی محمود صاحبؒ کے تذکرہ میں مولانا تقی عثمانی صاحب مزید تحریر فرماتے

"اسی زمانے کی ایک بات اور یاد آئی، حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی محمودؒ صاحب کے درمیان جو سیاسی اختلاف رہا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، لیکن اسی ہسپتال میں ایک روز گفتگو کے دوران حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا" مولانا احتشام الحق صاحب سے ہمیں سیاسی معاملات میں بہت اختلاف رہا ہے، لیکن ان کی اس بات کی ہمیشہ قدر رہی ہے کہ انہوں نے کبھی کسی رعب یا لالچ میں آکر دینی مسائل کے بارے میں کوئی مصالحت نہیں کی اور کسی حکومت کے ساتھ ان کا خواہ کتنا اشتراکِ عمل رہا ہو، لیکن جب کبھی کسی دینی مسئلے کا سوال آیا انہوں نے کبھی مداہنت سے کام نہیں لیا۔ عائلی کمیشن میں وہ تنِ تنہا تھے، لیکن انہوں نے وہ

؎ فضائل نماز ص۹۳ طبع مکتبہ مدنیہ لاہور۔

اختلافی نوٹ لکھا جو مشہور و معروف ہے" اور پھر فرمایا کہ " الحمد للہ علماء دیوبند کی یہ خصوصیت ہے کہ دینی مسائل کے معاملہ میں وہ پختہ ہوتے ہیں"۔[1]

مندرجہ بالا واقعہ پڑھ کر راقم الحروف کو حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ (م ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء) کے اسی قسم کے واقعات یاد آگئے - یہ واقعات مولانا موصوف نے حضرت بنوریؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمائے ہیں قارئین انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

جناب صدر: ان مقرر صاحب کو لگام دیجیے

" مولانا کا خاص مزاج تھا کہ وہ جمہور علمائے سلف کے خلاف کسی نظریے کو خاموشی سے برداشت نہ کر سکتے تھے - عام مجلسوں میں بھی ان کا یہی رنگ تھا کہ غلط بات پر بر وقت تنقید کر کے حق گوئی کا فریضہ نقد ادا کر دیتے تھے۔ ۱۹۶۸ء میں جب ادارۂ تحقیقات اسلامی کی طرف سے ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی (جس کا اہتمام ادارہ تحقیقات کے سابق ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے کیا تھا) تو اس کے پہلے ہی اجلاس میں ایک مقرر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولیات کو غلط انداز میں پیش کر کے متجددین کے آزاد اجتہاد کے لیے گنجائش پیدا کرنی چاہی اور اس کے لیے انداز بھی ایسا اختیار کیا کہ جیسے قوتِ اجتہادیہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اور ہمارے درمیان کوئی خاص فرق نہیں - اس محفل میں عالم اسلام کے معروف اور جید علماء موجود تھے، لیکن اس موقع پر بھرے مجمع میں جن صاحب کی آواز سب سے پہلے گونجی، وہ حضرت مولانا بنوریؒ تھے،

---

[1] نقوش رفتگاں ص ۱۴۳

انہوں نے مقرر کی تقریر کے دوران ہی صدرِ محفل مفتی اعظم فلسطین مرحوم سے خطاب کر کے فرمایا۔

سَیِّدِی الرَّئِیس! اَرْجُوْکُمْ اَنْ تُلْجِمُوْا ھٰذَا الْخَطِیْبَ

اَرْجُوْکُمْ اَنْ تُلْجِمُوْہُ مَاذَا یَقُوْلُ؟

جنابِ صدر! ان مقرر صاحب کو لگام دیجئے، براہِ کرم ان کو لگام دیجیے یہ کیا کہہ رہے ہیں؟

اُن کے یہ بلیغ الفاظ آج بھی کانوں میں گونج رہے ہیں۔

مولانا کی رگ وپے میں اس بات کا یقین واعتقاد پیوست تھا کہ اکابرِ علمارِ دیوبند اس دور میں "مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" کی عملی تفسیر تھے اور اُن کا فہمِ دین اس دور میں خیر القرون کے مزاج و مذاق سے سب سے زیادہ قریب تھا، وہ چاہتے تھے کہ اکابر دیوبند کے افکار اور ان کے علمی و دینی کارناموں کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے' چنانچہ جب مولاناؒ ایک طویل عرصے کے لیے پہلی بار حجاز اور مصر و شام کے سفر پر تشریف لے گئے تو وہاں قیام کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ علمارِ دیوبند کی خدمات اور ان کی علمی تحقیقات سے عالم عرب کو روشناس کرایا جائے' چنانچہ مولاناؒ نے علمار دیوبند اور ان کی علمی و عملی خدمات پر مفصّل مضامین لکھے جو وہاں کے صفِ اوّل کے اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے اور ان کے ذریعے مصر و شام کے چوٹی کے علمار مولانا بنوریؒ کے قریب آ گئے۔ مولاناؒ نے انہیں مختلف صحبتوں میں اکابرِ دیوبند سے متعارف کرایا اور کم از کم عُلمار کی حد تک مصر و شام میں علمارِ دیوبند کے کارنامے اجنبی نہیں رہے۔" [1]

---

[1] نقوش رفتگاں ص۹۰

مولانا آپ ہندوستانی عالم نہیں بلکہ فرشتے ہیں

" اسی دوران ایک مشہور عربی رسالے کے دفتر میں مولانا کی ملاقات علامہ جوہر طنطاوی مرحوم سے ہوگئی، جن کی " تفسیر الجواہر " اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر ہے۔ بعض لوگوں نے تو امام رازی کی تفسیر کبیر پر یہ فقرہ چُست کیا ہے کہ " فِیْہِ کُلُّ شَیْءٍ اِلَّا التَّفْسِیْرُ " (یعنی اس میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے) لیکن واقعہ یہ ہے کہ تفسیر کبیر کے بارے میں یہ جملہ بہت بڑا ظلم ہے۔ ہاں اگر موجودہ دور میں کسی کتاب پر یہ جملہ کسی درجے میں صادق آسکتا ہے تو وہ علامہ طنطاوی مرحوم کی تفسیر الجواہر ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب تفسیر کی نہیں بلکہ سائنس کی کتاب ہے اور سائنس کی باتوں کو قرآن کریم سے ثابت کرنے کے شوق میں علامہ طنطاوی مرحوم نے بعض جگہ آیاتِ قرآنی کی تفسیر میں ٹھوکریں بھی کھائی ہیں۔

علامہ طنطاوی مرحوم سے حضرت مولانا بنوری کا تعارف ہوا تو انہوں نے مولانا سے پوچھا کہ کیا آپ نے میری تفسیر کا مطالعہ کیا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ ہاں اتنا مطالعہ کیا ہے کہ اس کی بنیاد پر کتاب کے بارے میں رائے قائم کر سکتا ہوں۔ علامہ طنطاوی نے رائے پوچھی، تو مولانا نے فرمایا آپ کی کتاب اس لحاظ سے تو علماء کے لیے احسانِ عظیم ہے کہ اس میں سائنس کی بے شمار معلومات عربی زبان میں جمع ہوگئی ہیں۔ سائنس کی کتابیں چونکہ عموماً انگریزی زبان میں ہوتی ہیں اس لیے عموماً علمائے دین ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ آپ کی کتاب علماء دین کے لیے سائنسی معلومات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے لیکن جہاں تک تفسیرِ قرآن کا تعلق ہے

اس سلسلے میں آپ کے طرز فکر سے مجھے اختلاف ہے ۔ آپ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ عصر حاضر کے سائنس دانوں کے نظریات کو کسی نہ کسی طرح قرآن کریم سے ثابت کیا جائے اور اس غرض کیلئے آپ بسا اوقات تفسیر کے مسلمہ اصُولوں کی خلاف ورزی سے بھی دریغ نہیں کرتے ۔ حالانکہ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ سائنس کے نظریات آئے دن بدلتے رہتے ہیں ۔ آج آپ جس نظریے کو قرآن سے ثابت کرنا چاہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ کل وہ خود سائنس دانوں کے نزدیک غلط ثابت ہو جائے ، کیا اس صورت میں آپ کی تفسیر پڑھنے والا شخص یہ نہ سمجھ بیٹھے گا کہ قرآن کریم کی بات معاذاللہ غلط ہوگئ ۔ مولانا نے یہ بات ایسے مؤثر اور دلنشیں انداز میں بیان فرمائی کہ علامہ طنطاوی مرحوم بڑے متاثر ہوئے اور فرمایا " اَيُّهَا الشَّيْخ! لَسْتَ عَالِمًا هِنْدِيًّا وَاِنَّمَا اَنْتَ مَلَكٌ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ لِاِصْلَاحِيْ " (مولانا : آپ کوئی ہندوستانی عالم نہیں ہیں بلکہ آپ کوئی فرشتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے میری اصلاح کے لیے نازل کیا ہے) یہ واقعہ مَیں نے مولانا سے بارہا سُنا اور شاید " بیّنات " کے کسی شمارے میں بھی مولانا نے اسے نقل کیا ہے ۔ [1]

احترامِ اُستاذ

سلطان شہاب الدین غوری مرحوم کے بہت سے غلام تھے جن میں سے ایک کا نام "تاج الدین یلدوز" تھا جو سلطان شہاب الدین کی وفات کے بعد اُن کا جانشین بنا ۔

---

[1] نقوش رفتگاں ص ۹۱

تاج الدّین کے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک کو انہوں نے تعلیم کے لیے ایک اُستاذ کے سپرد کر دیا تھا ۔ ابوالقاسم فرشتہ نے اپنی تاریخ میں اس کے متعلق ایک عجیب واقعہ ذکر کیا ہے آپ بھی ملاحظہ فرمائیے ۔ ابوالقاسم لکھتے ہیں ۔

" مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ تاج الدین نے اپنے اس عزیز از جان بیٹے کو تعلیم کے لیے ایک اُستاذ کے سپرد کیا ۔ ایک روز یہ اُستاذ اپنے اس شاگرد شہزادے سے ناراض ہوا اور غصّہ میں کوڑا اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا ، چونکہ شہزادے کا آخری وقت آچکا تھا ، اس لیے اس کی رُوح اسی وقت قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی ۔ یلدوز کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو فوراً مکتب میں گیا ۔ اُس نے دیکھا کہ شہزادہ کے اُستاذ کی حالت بہت بُری ہو رہی ہے اور وہ اپنی حرکت پر سخت نادم ہے ، یہ عالم دیکھ کر یلدوز نے استاذ سے کہا ! " اس سے پہلے کہ شہزادے کی موت کی خبر اس کی ماں تک پہنچے تم اس شہر سے فوراً نکل جاؤ اور کسی دُوسرے مقام پر بود و باش اختیار کرو ، ورنہ تمہیں بھی اس جرم کی پاداش میں جان سے ہاتھ دھونا پڑینگے" اُستاذ نے یلدوز کی رحم دلی پر اُس کا شکریہ ادا کیا اور اس کی ہدایت پر عمل کر کے کسی گوشہ میں چھپ کر اپنی جان بچائی ۔" [1]

حدیث شریف کا احترام

چھٹی صدی ہجری کے عباسی خلیفہ مُقتَفِیْ لِاَمرِ اللہ کے وزیر اعظم ابن ہبیرہ کے تاریخ میں عجیب و غریب حالات ملتے ہیں ، ایک واقعہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۲۴۳

کے ادب و احترام کا مولانا گیلانیؒ نے نقل فرمایا ہے۔ انہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے۔

" حدیث نبوی کے احترام کے سلسلہ میں لوگوں نے لکھا ہے کہ "افصاح" پڑھا رہے تھے کہ وزیر کے زنان خانے سے گریہ و بُکا کی آواز بلند ہوئی، کتاب بند کرکے اندر گئے۔ تھوڑی دیر بعد واپس آئے اور حکم دیا کہ درس جاری رہے، جب درس ختم ہوا تو لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا قصہ تھا تب انہوں نے خبر دی میرے ایک بچے کا انتقال ہوگیا، یہ شور و ہنگامہ اسی لیے برپا ہوا تھا۔ آخر میں مجلس سے وہ کہہ رہے تھے۔

لو لا تعين الامر على	عورتوں کی چیخ و پکار کا روکنا
بالمعروف فى الانكار عليهم	میرے فرائض میں نہ ہوتا تو
ذالك الصياح لما قمت	میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
عن مجلس رسول الله صلى	کی مجلس سے اُٹھ کر کبھی اندر
الله عليه وسلم۔	نہ جاتا۔" [1]

تین قسم کے قاضی

سلطان مسعود کو سلجوقی خاندان میں خاص امتیاز حاصل ہے، علامہ ابن اثیرؒ نے تو مسعود کو سلجوقی خاندان کا آخری چراغ قرار دیا ہے، لکھا ہے کہ سارا سلجوقی اقبال مسعود کی وفات پر ختم ہوگیا پھر اُس کی خصوصیتوں کا ذکر کرتے ہوئے ابن اثیرؒ ہی نے نقل کیا ہے کہ بڑا فیاض سیر چشم بادشاہ تھا اور رعایا کے مال کے متعلق بہت محتاط تھا۔ مسعود کے مزاج میں ظرافت بھی تھی، مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ نے سلطان مسعود کے مندرجہ بالا

---

[1] مقالات احسانی صـ ۱۵۰

اوصاف ذکر کرنے کے بعد سلطان کی ظرافت کا ایک واقعہ بھی درج فرمایا ہے۔ مولانا کے الفاظ میں قارئین ملاحظہ فرمائیں۔

"مشہور قاضی کمال الدین شہرزوری کے متعلق لکھا ہے کہ مسعود کے کیمپ میں کسی ضرورت سے حاضر ہوئے مغرب کا وقت آگیا قریب ہی ایک خیمہ میں دیکھا کہ کوئی نماز پڑھ رہا ہے قاضی صاحب اسی خیمہ میں داخل ہو گئے اور نماز میں اس کے ساتھ شریک ہو گئے۔ نماز کے بعد پوچھا کہ آپ کون ہیں جواب میں کہا گیا کہ فلاں شہر کا قاضی ہوں۔ شہرزوری نے کہا کہ تین قسم[1] کے قاضی ہوتے ہیں جن میں دو جہنم میں اور ایک جنت میں جائے گا جہنم میں جانے والے ہم تم دونوں قاضی ہیں۔ جو ان سلاطین کے آستانوں پر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور جنتی قاضی وہ ہیں جن کی صورت نہ ان سلاطین نے دیکھی اور نہ اُس نے ان سلاطین کی صورت دیکھی۔ دراصل یہ خود سلطان

---

[1] حدیث شریف میں آتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"القضاۃ ثلثۃ واحد فی الجنۃ واثنان فی النار فاما الذی فی الجنۃ فرجل عرف الحق فقضیٰ بہ ورجل عرف الحق فجار فی الحکم فھو فی النار ورجل قضی للناس علی جھل فھو فی النار"

(ابوداود، ابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۴)

قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک طرح کے تو جنت میں جانیوالے اور دو طرح کے دوزخ میں جانیوالے، جنت میں جانیوالا قاضی تو وہ شخص ہے جس نے حق کو جانا اور حق ہی کے مطابق فیصلہ کیا اور جس نے حق کو جانا مگر اپنے حکم و فیصلہ میں ظلم کیا تو وہ دوزخی ہے اسی طرح جس شخص نے اپنی جہالت کی وجہ سے حق کو نہیں پہچانا اور اسی حالت میں (لوگوں کے تنازعات کا) فیصلہ کیا تو یہ بھی دوزخی ہے۔

مسعود تھا۔ صبح کو قاضی شہر زوری جب سلطان کے سامنے پیش ہوئے تو ہنستے ہوئے مسعود نے کہا کہ فرمائیے قاضی صاحب تین قاضیوں کا وہ کیا قصہ ہے۔ شہر زوری سمجھ گئے کہ خود سلطان سے مغرب کے وقت وہ گفتگو میں نے کی تھی، بولے جی ہاں واقعہ تو وہی ہے جو میں نے عرض کیا تھا۔ سلطان نے کہا کہ سچ فرماتے ہیں آپ بلاشبہ وہ نیک بخت سعید آدمی ہیں جس نے نہ ہماری صورت دیکھی اور نہ ہم نے اس کی صورت دیکھی۔" [1]

جائے عبرت

بہت سے لوگ زندگی میں عیش و عشرت کا شکار ہو کر اپنی حقیقت کو بھول جاتے اور موت کو فراموش کر بیٹھتے ہیں ایسے لوگوں کی مرنے کے بعد جو حالت ہوتی ہے وہ قابلِ رحم ہونے کے ساتھ ساتھ قابلِ عبرت بھی ہوتی ہے۔ مولانا گیلانی رحمہ اللہ نے تاریخ کے حوالے سے عباسی خلفاء میں سے ایک خلیفہ واثق باللہ کی موت کا واقعہ تحریر فرمایا ہے جو عبرت انگیز بھی ہے اور سبق آموز بھی۔

مولانا گیلانی لکھتے ہیں۔

"الذہبی نے مختصر دُوَل اسلام میں نقل کیا ہے کہ اَلْوَاثِقُ بِاللّٰہ کا خادم خاص جو الواثقی کے نام سے مشہور تھا اسی کا بیان ہے کہ واثق جب بیمار ہوا تو اس کی تیمارداری مجھ ہی سے متعلق تھی۔ حالت واثق کی جب خراب ہوئی تو میں نے دیکھا کہ اس پر غشی طاری ہو گئی ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ ختم ہو گیا۔ پاس میں جو لوگ تھے۔ ان کو بلایا اور ایک نے دوسرے

---

[1] مقالات احسانی ص ۱۳۰

سے اشارہ کیا کہ واثق کے قریب جا کر واقعی دیکھے کہ رُوح پرواز کر چکی یا کچھ رمق باقی ہے لیکن کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ آخر میں ہی دل کو مضبوط کر کے آگے بڑھا۔ میں نے آہستہ سے اُس کی ناک پر سانس کا پتہ چلانے کے لیے انگلی رکھی کہ اچانک واثق نے آنکھیں کھول دیں، الواثقی کہتا ہے کہ نہ پوچھو کہ اس واقعہ کا مجھ پر کیا اثر مرتب ہوا اس کے الفاظ ہیں فَکِدْتُ اَنْ اَمُوْتَ (اتنا گھبرایا کہ قریب تھا کہ میں خود مر جاتا) گھبراہٹ اس کی تھی کہ موت کے انتساب کو واثق کی زندگی ہی میں گویا ممکن قرار دیا۔ بازپرس کے خوف نے اس پر یہ ہیبت طاری کی، لیکن خیر گزری کہ واثق کی آنکھیں آخری دفعہ کھلی تھیں اور پھر ہمیشہ کے لیے بند ہو گئیں۔ الواثقی کہتا ہے کہ ڈر کے مارے میں گر پڑا تھا۔ تلوار تک ٹوٹ گئی اور میرے بدن میں کچھ گھس بھی گئی۔ بہرحال الواثق واقعی اسی کے بعد مر گیا۔ تب واثقی نے یہ یقین کر لینے کے بعد کہ درحقیقت اب خلیفہ کی رُوح پرواز کر چکی ہے لاش پر چادر ڈال دی۔ اس عرصہ میں واثقی کو محسوس ہوا کہ آنکھوں کے سامنے کوئی چیز حرکت کر رہی ہے۔ وہ پھر گھبرایا چادر اُٹھائی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک چوہا واثق کی آنکھیں نکالے بھاگا جاتا ہے۔ بے ساختہ زبان پر الواثقی کے جاری ہو گیا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ یہی آنکھ تھی جس کی معمولی حرکت سے کچھ دیر پہلے میں مرنے کے قریب ہو گیا تھا گر پڑا تلوار ٹوٹی اور چند لمحوں کے بعد اسی آنکھ کو ایک چوہا نکال کرلے بھاگا۔ ۱۲ (مختصر دول الاسلام ذہبی مطبوعہ دائرۃ المعارف ج ۱ ص ۱۰۹) [1]

---

[1] مقالات احسانی ص ۱۳۱

ظُلم کا انجام

ظلم اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند اور ظالم سے سخت نفرت ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ظلم کی قباحت و شناعت کا ذکر فرما کر ظالم سے عدمِ محبّت کا اظہار اور اس پر لعنت فرمائی ہے۔

دنیا میں ظالم طاقت کے بل بوتے پر جتنا بھی اکڑلے انجام اس کا نہایت بُرا ہے تاریخ کے اندر بہت سے ظالموں کے انجامِ بد کا تذکرہ موجود ہے۔ اس وقت ہم اس اُمّت کے ایک بڑے ظالم کا تذکرہ کر رہے ہیں جس کا نام "حجاج بن یوسف" ہے۔ ۴۵ھ یا اس کے کچھ بعد پیدا ہوا اُموی خلیفہ عبد الملک بن مروان کی جانب سے عراق اور خراسان کا گورنر بنا۔

حجاج کی ستم ظریفی اور خونریزی کے واقعات عجائباتِ عالم میں سے ہیں۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایک لاکھ بیس ہزار مسلمانوں کو ظلماً قتل کیا ہے۔ [1] لڑائیوں کے مقتولین ان کے علاوہ ہیں۔ حجاج خود کہا کرتا تھا کہ "میرے نزدیک لذیذ ترین شے خونریزی ہے"۔

حجاج نے صحابۂ کرام وغیرہ پر جو ظلم کیے اُن کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ اُس نے حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو شہید کرایا۔ حرمِ مکہ میں کُشت و خون کیا، خانہ کعبہ پر منجنیق سے گولہ باری کی جس کی وجہ سے بیت اللہ شریف کے پردے جل گئے۔ سب سے اخیر میں جن بزرگ کو اُس نے شہید کیا وہ جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تھے۔

---

[1] نفحۃ العرب ص۱۰۱

بعض حضرات نے حجاج کے ظلم کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جب یہ پیدا ہوا تو دودھ پینا تو درکنار اس نے ماں کے پستان تک کو منہ نہیں لگایا، گھر والے پریشان ہوتے تو ان کے پاس ابلیس مردود نے حارث بن کلدہ طبیب عرب کی شکل میں آکر کہا، "اس کو کالا بکرا ذبح کر کے اس کا خون چٹا دو اور چہرہ پر بھی مل دو"۔ گھر والوں نے ایسا ہی کیا۔ تب حجاج نے ماں کے پستان کو منہ میں لیا۔ [1]

حجاج کا انجام کیا ہوا، یہ ایک نہایت عبرت انگیز داستان ہے جو سننے سے تعلق رکھتی ہے۔ قارئین مولانا گیلانی رحمہ اللہ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

"کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت سعید بن جبیر تابعی کو انتہائی بے دردی کے ساتھ حجاج نے جب شہید کیا اور اسی کے بعد ایک خاص قسم کے جنون میں مبتلا ہوگیا۔ سوتا تھا تو خواب میں بھی سعید ہی نظر آتے اور کہتے کہ کس جرم میں تو نے مجھے قتل کیا اور آنکھ کھلتی تو اس وقت بھی حجاج کا بیان تھا کہ سعید کو سامنے کھڑا پاتا ہوں۔ اسی زمانے میں حجاج کے پیٹ میں سرطانی پھوڑا نکلا جس کی سمّیت روز بروز بڑھتی جاتی تھی کہتے ہیں کہ اسی اندرونی گھاؤ کی وجہ سے ایک اور بیماری اس پر مسلط ہوئی جسے زمہریرہ کہتے تھے یعنی ایسی سخت سردی اس کو معلوم ہوتی تھی۔ انگیٹھی کو بدن سے قریب کرتے کرتے یہاں تک متصل کر دی جاتی کہ کھال جلنے لگتی، لیکن اس کی تشفی نہ ہوتی تھی۔ اطباء نے جب تجویز کیا کہ پیٹ میں پھوڑا ہے تو جانچنے کے لیے روٹی کے ٹکڑے کو تاگے میں باندھ کر حجاج کو نگلوایا۔ جب اندر چلا گیا تب جھٹکا دے کر ٹکڑا باہر کھینچ لیا گیا جو صرف کیڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ آخر مرض ناقابل

---

[1] نفحۃ العرب ص ۱۰۶

علاج قرار پایا۔ خواجہ حسن بصریؒ کو اس نے بلایا رونے لگا اور گڑگڑا کر التجا کرنے لگا کہ میرے لیے دُعا کیجئے۔ خواجہ نے کہا کہ حجاج! دیکھ اللہ والوں سے ہمیشہ میں نے تجھ کو نصیحت کی کہ دُور رہنا۔ سعید کے ساتھ تو نے جو کچھ کیا اسی کا خمیازہ ہے۔ حجاج نے کہا کہ اب صحت کی دُعا نہ کیجئے تاکہ میری مشکل آسان ہو۔ حجاج مرگیا، خواب میں مرنے کے بعد کسی نے دیکھا کہنے لگا کہ سعید کے بدلے میں مجھے مسلسل قتل کیا جارہا ہے قتل ہوتا ہوں، پھر جلایا جاتا ہوں پھر قتل ہوتا ہوں۔ (دیکھو ابن عساکر اور الیافعی وغیرہ)" [1]

اذان جسکی آواز ہر وقت پوری دُنیا میں گونجتی رہتی ہے

" دنیا کے نقشے کو دیکھیں، اسلامی ممالک میں انڈونیشیا کرۂ ارض کے مشرق میں واقع ہے۔ یہ ملک بیشمار جزیروں پر مشتمل ہے جن میں جاوا، سماترا، بورنیو اور سیلبز مشہور جزیرے ہیں۔ انڈونیشیا آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا ملک ہے ۱۸ کروڑ آبادی کے اس ملک میں غیر مسلم کی آبادی کا تناسب آٹے میں نمک کے برابر ہے۔

طلوع سحر سیلبز کے مشرق میں واقع جزائر میں ہوتی ہے وہاں جس وقت صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے ہوتے ہیں۔ طلوع سحر کے ساتھ ہی انڈونیشیا کے انتہائی مشرقی جزائر میں فجر کی اذان شروع ہوجاتی ہے اور ہزاروں مؤذن خدائے بزرگ و برتر کی توحید اور حضرت محمد رسول اللہ

---

[1] مقالات احسانی ص۲۳۲

صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں۔

مشرقی جزائر سے یہ سلسلہ مغربی جزائر کی طرف بڑھتا ہے اور ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد جکارتہ میں مؤذنوں کی آواز گونجنے لگتی ہے۔ جکارتہ کے بعد یہ سلسلہ سماٹرا میں شروع ہوجاتا ہے اور سماٹرا کے بعد مغربی قصبوں اور دیہات سے پہلے ہی ملایا کی مسجدوں میں اذانیں بلند ہونا شروع ہوجاتی ہیں۔ ملایا کے بعد برما کی باری آتی ہے، جکارتہ سے اذانوں کا جو سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ ایک گھنٹہ بعد ڈھاکہ پہنچتا ہے، بنگلہ دیش میں ابھی اذانوں کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا کہ کلکتہ سے سری نگر تک اذانیں گونجنے لگتی ہیں۔ دوسری طرف یہ سلسلہ کلکتہ سے بمبئی کی طرف بڑھتا ہے اور پورے ہندوستان کی فضا توحید و رسالت کے اعلان سے گونج اٹھتی ہے

سری نگر اور سیالکوٹ میں فجر کی اذان کا ایک ہی وقت ہے، سیالکوٹ سے کوئٹہ کراچی اور گوادر تک چالیس منٹ کا فرق ہے اس عرصہ میں فجر کی اذان پاکستان میں بلند ہوتی رہتی ہے۔ پاکستان میں یہ سلسلہ ختم ہونے سے پہلے افغانستان اور مسقط میں اذانوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ مسقط سے بغداد تک ایک گھنٹہ کا فرق ہے اسی عرصہ میں اذانیں حجاز مقدس، یمن، عرب امارات، کویت اور عراق میں گونجتی رہتی ہیں۔ بغداد سے اسکندریہ تک پھر ایک گھنٹہ کا فرق ہے۔ اسی دوران شام، مصر، صومالیہ اور سوڈان میں اذانیں بلند ہوتی ہیں۔ اسکندریہ اور استنبول ایک ہی طول و عرض پر واقع ہیں۔ مشرقی ترکی سے مغربی ترکی تک ڈیڑھ گھنٹے کا فرق ہے اس دوران ترکی میں صدائے توحید و رسالت بلند ہوتی ہے۔

اسکندریہ سے طرابلس تک ایک گھنٹے کا فاصلہ ہے اس عرصے میں شمالی افریقہ میں لیبیا اور تیونس میں اذانوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے، فجر کی اذان جسکا آغاز انڈونیشیا کے مشرقی جزائر سے ہوا تھا، ساڑھے نو گھنٹے کا سفر طے کرکے بحر اوقیانوس کے مشرقی کنارے تک پہنچتی ہے۔

فجر کی اذان بحر اوقیانوس تک پہنچنے سے قبل ہی مشرقی انڈونیشیا میں ظہر کی اذان کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور ڈھاکہ میں ظہر کی اذانیں شروع ہونے تک مشرقی انڈونیشیا میں عصر کی اذانیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ یہ سلسلہ ڈیڑھ گھنٹہ تک بمشکل جکارتہ پہنچتا ہے کہ انڈونیشیا کے مشرقی جزائر میں نماز مغرب کا وقت ہوجاتا ہے۔ مغرب کی اذانیں سیلبز سے بمشکل سماٹرا تک پہنچتی ہیں کہ اتنے میں عشار کا وقت ہوجاتا ہے۔ جس وقت مشرقی انڈونیشیا میں عشار کی اذانوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اس وقت افریقہ میں فجر کی اذانیں گونج رہی ہوتی ہیں۔ کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ کرۂ ارض پر ایک سیکنڈ بھی ایسا نہیں گزرتا جس وقت ہزاروں لاکھوں مؤذن بیک وقت خدائے بزرگ و برتر کی توحید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان نہ کر رہے ہوں۔ انشاء اللہ یہ سلسلہ تاقیامت اسی طرح جاری رہے گا۔" [1]

قربانی

حضرت شیخ فتح بن علی موصلی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم

---

[1] پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ ش ۔ ج ۔ ص ۔

اولیاء میں سے تھے۔ حضرت بشر حافیؒ کے انتقال سے سات سال پہلے ۲۲۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا تھا، آپ کا انتقال عید الاضحیٰ کے روز ہوا اور عجیب طرح سے۔

"ہوا یوں کہ آپ عید الاضحیٰ کے روز کوہساروں سے گزر رہے تھے وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ قربانیاں کر رہے ہیں آپ نے کہا: "الٰہی تو دانی کہ چیزے ندارم کہ برائے تو قربان کنم من ایں دارم" الٰہی تو جانتا ہے کہ میرے پاس قربانی کے لیے کوئی جانور نہیں جو تیری راہ میں قربان کروں بس یہ ایک جان ہے (اسی کو قربان کرتا ہوں) یہ کہہ کر آپ نے اپنی انگلی اپنے گلے پر اس طرح چلائی جس طرح ذبح کے لیے چھری چلائی جاتی ہے، انگلی گلے پر چلاتے ہی آپ گر پڑے، آپ کے گرتے ہی لوگوں نے آپ کو دیکھا تو آپ کی رُوح پرواز کر چکی تھی اور گلے پر ایک سبز خط نمودار تھا۔ [۱]

حضرت شیخ فتحؒ اپنے زمانہ کے اولیاء کبار میں سے تھے، کثرت سے رویا کرتے تھے، منقول ہے کہ ایک دن آپ رو رہے تھے اور حالت یہ تھی کہ آنکھوں سے خون آلود آنسو ٹپک رہے تھے، لوگوں نے پوچھا کہ اے فتح: آخر آپ اس قدر کیوں رو رہے ہیں؟ فرمانے لگے: جب مجھے اپنے گناہ یاد آتے ہیں تو میری آنکھوں سے خون کے آنسو نکلنے لگتے ہیں کہ کہیں میرا رونا محض ریاکاری کی وجہ سے نہ ہو۔

آپ کا کہنا ہے کہ: میں نے ایسے تیس بزرگوں سے فیضِ صحبت حاصل کیا ہے جو سب کے سب ابدال تھے، سب نے خلقت سے بھاگنے اور کم کھانے کی نصیحت فرمائی۔ [۲]

---

[۱] نفحات الانس من حضرات القدس فارسی ص ۳۳

[۲] تذکرۃ الاولیاء فارسی ص ۲۵۵

ایک بلّی کے ایثار و قربانی کا حیرت انگیز واقعہ

راقم الحروف مولانا جامی رحمہ اللہ (م ۸۹۸ھ) کی کتاب " نفحات الانس من حضرات القدس " کا مطالعہ کر رہا تھا کہ نظر سے حضرت ابو العباس نہاوندی رحمہ اللہ کے ایک مرید شیخ اخی فرج زنجانی رحمہ اللہ (م ۴۵۷ھ) کے حالات گزرے، مولانا جامی رحمہ اللہ نے ان کے حالات میں ایک بے زبان کا ایسا واقعہ نقل فرمایا جسے پڑھ کر حیرت بھی ہوئی اور عبرت بھی، جی چاہا کہ اپنے قارئین کو وہ واقعہ سنایا جائے، ملاحظہ فرمائیے مولانا جامیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

" کہتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک بلّی تھی، جب مہمان آپ کی خانقاہ میں آتے تو وہ بلّی مہمانوں کی تعداد کے حساب سے میاؤں میاؤں کرتی (آواز نکالتی) باورچی خانہ کا خادم شوربے کی دیگچی میں ہر مہمان کے لیے ایک ایک پیالہ فی مہمان کے حساب سے پانی ڈال دیتا تھا۔ ایک دن مہمانوں کی تعداد اس کی آواز کے حساب سے بڑھ گئی، لوگوں کو تعجّب ہوا (کہ آج حساب میں یہ غلطی کیسے ہوگئی۔) اتنے میں وہ بلّی مہمانوں کے پاس آئی اور ایک ایک کو سونگھنے لگی اور ان میں سے ایک پر پیشاب کر دیا جب اس شخص کے بارے میں تحقیق کی گئی تو وہ شخص دین سے بیگانہ نکلا (اس وجہ سے بلی نے اس کو خانقاہ کے مہمانوں میں شمار نہیں کیا) اسی بلّی کے سلسلہ میں ایک یہ واقعہ بھی ہے کہ ایک دن خادم نے دیگ میں مہمانوں کے واسطے کھیر پکانے کے لیے دودھ ڈالا ایک کالا سانپ ادھر سے گزرتے ہوئے دیگ میں گر پڑا۔ بلّی نے سانپ کو گرتے ہوتے دیکھ لیا۔ وہ خادم کو خبردار کرنے کے لیے دیگ کے گرد اگرد پھرنے لگی

اور آواز نکال کر اپنا اضطراب اور بے چینی ظاہر کرنے لگی، لیکن خادم کسی طرح بھی یہ بات نہ سمجھ سکا (اور اسی طرح کھیر پکاتا رہا) وہ بلی کو بار بار بھگاتا اور جھڑکتا تھا، جب خادم کسی طرح اس کے اشاروں کو نہ سمجھا تو بلی نے اُس دیگ میں خود کو گرا دیا (کہ اب تو مہمان اس کھیر کو نہیں کھائیں گے اور پھینک دیں گے) دیگ میں گر کر بلی مر گئی، جب بلی کے گر کر مر جانے کے سبب سے کھیر کو پھینکا گیا تو کالا سیاہ سانپ (بلی کے علاوہ) اس دیگ سے نکلا، اس وقت شیخ نے فرمایا کہ اس بلی نے خود کو درویشوں پر قربان کر دیا، لوگ اس بلی کو دفنا کر اس کی قبر پہ جانے لگے کہتے ہیں کہ ابھی تک اس کی قبر موجود ہے اور لوگ اس کی قبر پر جاتے ہیں۔" [۱]

ہنسنے اور رونے کا معیار

حضرت یحییٰ علیہ السّلام رشتے میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے ماموں لگتے ہیں، کیونکہ حضرت یحییٰ علیہ السّلام حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السّلام کے سگے خالہ زاد بھائی تھے۔ دونوں پیغمبر ہم عصر تھے، لیکن دونوں کے مزاج میں بڑا فرق تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے مزاج میں تبسّم تھا۔ اکثر مسکراتے رہتے تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السّلام کے مزاج میں گریہ تھا۔ آپ اکثر روتے رہتے تھے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے دونوں جلیل القدر پیغمبروں کا ایک دلچسپ واقعہ ذکر فرمایا ہے۔ مناسب معلوم ہوا کہ اپنے قارئین کو بھی سنایا جائے۔

---

[۱] نفحات الانس فارسی صہ ۱۰۲

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے حضرت یحییٰ علیہ السّلام کی ملاقات ہوئی، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کثیر التبسم تھے (اکثر مسکراتے رہتے تھے) اور حضرت یحیےٰ علیہ السّلام کثیر البکاء تھے (اکثر روتے رہتے تھے) حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ: اے یحییٰ کیا تم خدا کی رحمت سے بالکل نا اُمید ہو گئے ہو کہ کسی وقت تمہارا رونا ختم ہی نہیں ہوتا، حضرت یحییٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ: اے عیسیٰ کیا تم خدا تعالیٰ کے قہر سے بالکل مامون ہو کہ تم کو ہر وقت ہنسی ہی آتی رہتی ہے۔

آخر ایک فرشتہ آیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم تم دونوں میں فیصلہ کرتے ہیں کہ اے عیسیٰ جَلوَت میں (لوگوں کے سامنے) تو ایسے ہی رہو جیسے اب رہتے ہو، لیکن خَلوَت (تنہائی) میں یحیےٰ کی طرح گریہ و زاری کیا کرو، اور اے یحیےٰ خَلوَت میں تو ایسے ہی رہو جیسے اب ہو لیکن لوگوں کے سامنے کچھ تبسم بھی کر لیا کرو کہ لوگوں کو میری رحمت سے مایُوسی نہ ہو جائے کہ جب نبی کا یہ حال ہے تو ہم کو نجات کی کیا اُمید ہے[1]"

آیاتِ شفا

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوزان قشیری الشافعی رحمہ اللہ (م ۴۶۵ھ) اپنے زمانے کے اولیاء کبار میں سے ہوئے ہیں۔ آپ حضرت ابو الحسن خرقانیؒ اور حضرت سید علی ہجویریؒ کے ہمعصر اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے، آپ کے ایک صاحبزادہ کی علالت اور

---

[1] وعظ تفاضل الاعمال ص۱۲

صحت یابی کے متعلق علامہ تاج الدین سبکی رحمہ اللہ (م ۷۷۱ھ) نے اپنی کتاب میں ایک واقعہ درج فرمایا ہے جسے افادۂ عام کی غرض سے پیش کیا جاتا ہے علامہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

" ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ استاذ ابوالقاسم کے ایک صاحبزادے سخت بیمار ہو گئے، یہاں تک کہ ان کے بچنے کی کوئی اُمید نہیں رہی، استاذؒ اس سے انتہائی پریشان ہوئے۔ (انہی دنوں) آپ نے حق سبحانہ و تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور بچے کی بیماری کا تذکرہ کیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: قرآنِ مجید میں سے آیاتِ شفار کو اکٹھا کر کے بچے پر پڑھ کر دم کرو اور ان آیات کو کسی برتن میں لکھ کر پانی سے دھو کر وہ پانی بچے کو پلاؤ" چنانچہ استاذؒ نے ایسے ہی کیا اور بچہ بالکل صحیح ہو گیا۔ آیاتِ شفا درج ذیل ہیں۔

(۱) وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ
(۲) شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ
(۳) فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ
(۴) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ۔
(۵) وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ۔
(۶) قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَّشِفَاءٌ

علامہ سبکی رحمہ اللہ یہ واقعہ لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ " میں نے بہت سے مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ یہ آیات شفاء لکھ کر ان کا پانی شفایابی کے لیے مریض کو پلاتے تھے[۱]

---

[۱] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۵ ص ۱۸۵

وُسعتِ ظرفی اور مُرُوّت واَخلاق

طبقۂ تابعین کے دو بزرگ حضرت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ (م ۱۱۰ھ) اور امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ (م ۱۱۰) اپنے زمانہ کے کبار محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کو خداوند تعالیٰ نے وعظ گوئی کی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ آپ کے زمانے میں وعظ گوئی میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا اور امام محمد بن سیرین کو اللہ تعالیٰ نے فن تعبیر میں وہ ملکہ عطا فرمایا تھا جو آپ کے بعد کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ دونوں بزرگ ہم عصر تھے دونوں کا حلقہ وسیع تھا، لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ دونوں کے مزاج میں فرق ہونے کی وجہ سے بعض مسائل میں شدید اختلاف پیدا ہوگیا، لیکن اس اختلاف کے باوجود دونوں بزرگوں کے تعلقات کشیدہ نہیں ہوئے اور دونوں بزرگوں نے وسعتِ ظرفی کا وہ معاملہ فرمایا جو آنے والوں کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے دونوں بزرگوں کے اختلاف کو تفصیلاً ذکر کرتے ہوئے ایک واقعہ درج فرمایا ہے۔ جی چاہا کہ یہ واقعہ نذر قارئین کیا جائے۔ شاید یہ موجودہ دور کے اختلافات میں راہِ اعتدال اپنانے کا سبب بن جائے۔

مولانا گیلانیؒ اپنے زمانہ کے اختلافات پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"کاش اپنے اسلاف کے نقشِ قدم کی جستجو ان میں پیدا ہوتی، مگر اس سے ان میں لاپروائی پیدا ہوئی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلافات کی برداشت اور تحمل کا جو سلیقہ اپنی امت میں پیدا کیا تھا عمومیت کے اس موروثی اور قیمتی سلیقہ کی بربادی میں اُن کے طرزِ عمل سے کافی نقصان پہنچا۔ اگرچہ بحمد اللہ مُسلمان بالکلیہ اپنے پیغمبر کے عطا فرمودہ اس نعمت سے ابھی محروم نہیں ہوئے ہیں، کاش! ان کے

خواص اب بھی بزرگوں کے نشانِ راہ کے دیکھنے کی زحمت گوارا فرماتے، یہی خواجہ حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ کے اس اختلافی قصہ کو ملاحظہ فرمائیے، عام مسلمانوں کے جس طرزِ عمل کا نمونہ آپ کے سامنے گزرا، جانتے ہیں کہ اس کے پیچھے کارفرما طاقت کونسی تھی۔

بڑا دلچسپ لطیفہ ہے جسے ابن سعدؒ نے نقل کیا ہے۔ حاصل جس کا یہ ہے کہ خواجہ حسن بصریؒ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد یوں تو بیشمار تھی لیکن سب میں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جن صاحب کو امتیاز خصوصی خواجہ صاحب کی ذات سے حاصل ہوا وہ اسی بصرے کے مشہور عالم و محدث درویش ثابت البنانیؒ تھے۔ خواجہ کی وفات کے بعد ان کے جانشین علماً و عملاً یہی ثابت البنانیؒ سمجھے جاتے تھے اگرچہ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت وعظ و نصیحت میں جتنا انہماک خواجہؒ کو تھا۔ ثابت البنانیؒ خود کہتے تھے کہ اتنی محنت میں برداشت نہیں کرسکتا۔ ابن سعد ہی میں ان کا یہ فقرہ منقول ہے یعنی کہا کرتے تھے۔

"لولا تصنعوا بی ما صنعتم بالحسن لحدثتکم احادیث مونقه ثم قال منعوه القائلة منعوه النوم" (ص ۴ ج ۷)

اگر مجھے اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ جو کچھ تم لوگوں نے حسن کے ساتھ کیا وہی میرے ساتھ بھی کرنے لگو گے تو میں بڑی ستھری حدیثیں تمہیں سناتا، پھر کہتے کہ حسن کو تو لوگوں نے دوپہر کے لوٹ پوٹ سے بھی روک دیا سونے تک سے بھی روک دیا۔

بہرحال قصہ یہ پیش آیا کہ جس زمانے میں بنی امیہ کا طاغیہ حجاج ثقفی مسلمانوں

کی امتیازی ہستیوں کے درپے آزار تھا، خواجہ حسن بصریؒ بھی لوگوں کے مشورے سے کچھ دن کے لیے روپوش ہو گئے تھے۔ اتفاق کی بات اسی روپوشی کے زمانہ میں جب خواجہ اپنے کسی عقیدت مند کے گھر چھپے ہوئے تھے ان کی صاحبزادی کا انتقال ہو گیا۔ ثابت البنانیؒ نے اس حادثہ کی خبر وہیں جاکر خواجہ کو سنائی۔ سننے کی بات یہی ہے۔ ثابت البنانیؒ کو جس قسم کی خصوصیت خواجہ سے تھی خود اُن کا بیان ہے کہ اسی بنیاد پر خیال کیے ہوئے تھا کہ جنازہ کی نماز پڑھانے کا حکم مجھ ہی کو دیں گے۔ ان کے الفاظ ہیں کہ

"رجوت ان یامرنی ان اصلی علیھا۔" (ص ۱۴۸ ج ۷)

مجھے اُمید تھی کہ اس بچی کے جنازے کی نماز پڑھانے کا حکم حسن مجھے دیں گے۔

لیکن ثابت البنانیؒ کو حیرت ہو گئی، خود کہتے تھے کہ بچی کی وفات کی خبر سُن کر کچھ ہدایتیں دیتے رہے یعنی یہ کرنا وہ کرنا، مگر ہدایتوں کا قصہ جب ختم ہو گیا تو خلافِ توقع ثابت کہتے ہیں کہ حسنؒ کہنے لگے۔

"اذا اخرجتموھا فمروا محمد بن سیرین یصلّ علیھا"۔ (ایضاً)

جب جنازے کو گھر سے باہر نکال کرلے آؤ تو محمد بن سیرین سے کہنا کہ نماز وہی پڑھائیں۔

یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد مولانا گیلانیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

دیکھا آپ نے اپنے بزرگوں کے اس طرزِ عمل کو، اختلاف ایسا کہ ایک طرف حسن بصریؒ کا فیصلہ تھا کہ "تعمیل حکم یا دوزخ کی آگ" دوسری طرف ابن سیرینؒ کے حلقہ سے آواز آتی تھی "رحمت الٰہی یا دوزخ کی آگ" یہ آمین و رفع الیدین وغیرہ اَولیٰ خلافِ اَولیٰ کے فروعی مسائل کا اختلاف نہ تھا، عقائد کا اختلاف تھا۔ مگر وقت جب آیا تو بصرے کے سب سے

بڑے نمازی بلکہ شاید تاریخ اسلام کے سب سے بڑے مصلی یا عاشق نماز ثابت البنانیؒ کی نماز پر بھی اس شخص کی نماز کو خواجہ حسن بصریؒ نے ترجیح دی۔ جس سے ان کو اور جس کو ان سے اتنا شدید اختلاف تھا۔

میرے نزدیک تو مسلمانوں کے عوام کے مذہبی جھگڑوں کی ذمہ داری بجائے عوام کے زیادہ تر خواص ہی پر عائد ہوتی ہے۔ ان ہی کے طرز عمل کو دیکھ کر ان کے زیر اثر عوام بے چارے وہی رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر خواص ہی اپنے اختلافات میں اتنی گنجائش رکھا کریں جتنی گنجائش خواجہ حسن بصریؒ کے قلب میں ابن سیرینؒ کے متعلق تھی تو یقین مانیے کہ مسلمانوں کے مذہبی اختلاف میں وہ کیفیت کبھی پیدا نہ ہوتی جس کا رنگ دنیا کے دوسرے مذاہب و ادیان کے ماننے والوں کے مذہبی اختلافات کے لحاظ سے خواہ جتنا بھی ہلکا اور پھیکا ہو، لیکن بجائے خود جو ناگواریاں باہم مسلمانوں میں بھی ان ہی مذہبی جھگڑوں کی وجہ سے جو پیدا ہوئیں وہ بھی نہ ہوتیں، یا لیت قومی یعلمون "[1]

اس مقام پر مولانا گیلانیؒ نے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کا واقعہ بھی ذکر فرمایا ہے جو نہایت عبرت انگیز ہے۔ وہ بھی ملاحظہ فرماتے چلیں۔

مولانا تحریر فرماتے ہیں۔

" اس موقع پر حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے اس واقعہ کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی " انفاس العارفین " میں اس واقعہ کو درج فرمایا ہے۔ میں فتوحات

---

[1] مقالات احسانی ص ۲۳۱ تا ۲۳۵

شیخ ہی کی کتاب سے اس کا خلاصہ نقل کر رہا ہوں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ ۵۹۰ھ میں جب میں تلمسان میں اپنے پیر شیخ ابو مدین کی خدمت میں تھا خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، یہ وہ زمانہ تھا کہ ایک شخص کے متعلق معلوم ہوا تھا کہ ہمارے حضرت ابو مدین سے وہ کینہ رکھتا ہے، اسی وجہ سے میرے دل میں اس شخص کی جانب سے گرانی تھی۔ خواب میں جمالِ جہاں آرا نبوت سے جب سرفرازی ہوئی تو میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ فلاں شخص کو تم کیوں ناپسند کرتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ شیخ ابو مدین سے وہ بغض رکھتا ہے۔ فرمایا اللہ اور رسول کو تو دوست رکھتا ہے میں نے عرض کیا کہ ہاں! تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو مدین سے عداوت رکھتا ہے اس لیے تم بھی اس سے خفا ہو، لیکن مجھ سے اور اللہ سے وہ محبت رکھتا ہے اس تعلق سے تم اس سے محبت کیوں نہیں کرتے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ اسی وقت میں نے توبہ کی اور اقرار کیا کہ بلاشبہہ اب وہ میرا محبوب ہے۔ بیدار ہو کر میں اور میرے شیخ اس شخص کے پاس گئے۔ خواب کا ماجرا بیان کیا کچھ تحفے تحائف پیش کیے۔ وہ بے چارا بھی رونے لگا اور شیخ ابو مدین سے اس کو جو نفرت تھی وہ بھی اس کے دل سے نکل گئی۔ لطیفہ یہ ہے کہ اس شخص سے شیخ نے پوچھا کہ شیخ ابو مدین جیسے بزرگ سے تمہارے دل میں نفرت کیسے پیدا ہو گئی تھی بولا کہ کچھ نہیں فقیر عید کے دن ان کے پاس تھا بہت سے بکرے آئے۔ سب کو دیا اور مجھے نہ دیا۔ اسی سے دل میں گرانی ہو گئی تھی۔ (ص ۴۶۲ ج ۱ فتوحات مکیہ)"[1]

---

[1] مقالات احسانی ص ۳۲۱

اخلاقیات کی تین باتیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

" اخلاقیات میں سے تین باتیں ایسی ہیں جو دورِ جاہلیت میں بھی اچھی سمجھی جاتی تھیں، مسلمان تو ان باتوں کے اور بھی زیادہ لائق و سزاوار ہیں۔

پہلی بات یہ کہ: اگر اُن کے یہاں کوئی مہمان آتا تو خوب لگن سے اس کی مہمان نوازی کرتے۔

دوسری بات یہ کہ: اگر کسی کی بیوی بوڑھی ہو جاتی تو اُسے طلاق نہ دیتے بلکہ اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ بیچاری برباد ہی نہ ہو جائے اُسے اپنے پاس ہی رکھتے۔

تیسری بات یہ کہ: اگر اُن کے ہمسایہ کو قرض یا تنگدستی یا کوئی اور آفت پہنچتی تو وہ لوگ اُس کے قرض کی ادائیگی اور اُسے سختی سے نکالنے کے لیے پوری پوری جد و جہد سے کام لیتے۔ [۱]

بیوفائی کی دس باتیں

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۶۱ھ) اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدث، فقیہ، صاحبِ کشف و کرامت اور نہایت جری و بہادر بزرگ تھے، آپ کو حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ (م ۳۷۳ھ) آپ

---

[۱] تنبیہ الغافلین عربی ص۵۱

کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔
" عَشَرَةُ اَشْیَاءَ مِنَ الْجَفَاءِ " دس باتیں بے وفائی کی ہیں۔

① کوئی مرد یا عورت اپنے لیے تو دُعا کرے، لیکن اپنے والدین اور عام مؤمنین کے لیے دُعا نہ کرے۔
② کوئی شخص قرآن تو پڑھے، لیکن ہر روز سو آیتیں نہ پڑھے۔
③ کوئی شخص مسجد میں جائے اور دو رکعتیں پڑھے بغیر وہاں سے واپس چلا آئے۔
④ کوئی شخص قبرستان سے گزرے لیکن قبر والوں کو نہ سلام کرے نہ ان کے لیے دُعا کرے۔
⑤ کوئی شخص جمعہ کے دن شہر میں جائے اور وہاں سے جمعہ پڑھے بغیر واپس چلا آئے۔
⑥ کسی محلہ میں کوئی عالمِ دین آئے اور اس کے پاس کوئی بھی دین سیکھنے نہ جائے۔
⑦ دو شخص ایک دوسرے کے رفیق بنیں لیکن ایک دوسرے کا نام بھی نہ پوچھیں۔
⑧ کوئی شخص کسی کی دعوت کرے اور وہ اس کی دعوت میں نہ جائے۔
⑨ کوئی شخص فراغت کے باوجود اپنی جوانی ضائع کر دے اور علم و ادب نہ سیکھے
⑩ ایک شخص خود تو شکم سیر رہے لیکن اپنے بھوکے ہمسائے کو کچھ بھی نہ کھلائے پلائے۔ [1]

---

[1] تنبیہ الغافلین عربی ص۵۱

ایک نابینا بزرگ کی کرامت

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (م ۵۹۷ھ) ایک بزرگ حضرت ابومعاویہ الاسود یمان طرطوسیؒ (م) کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت ابومعاویہ الاسودؒ کے خادم ابوحمزہ نصیر بن فرج الاسلمیؒ فرماتے ہیں۔ حضرت ابومعاویہؒ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ جب اُن کا قرآن پاک پڑھنے کا ارادہ ہوتا تو وہ ٹٹول کر قرآن پاک کھولتے (قرآن پاک کھلتے ہی) اللہ تعالیٰ ان کی بینائی لوٹا دیتے۔ پھر جب وہ (قراءت سے فارغ ہوکر) قرآن مجید بند کرتے تو اُن کی بینائی چلی جاتی۔

ابوزاہریہؒ کہتے ہیں کہ میں طرطوس آیا تو حضرت ابومعاویہؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی بینائی جا چکی ہے اور آپ کی بیٹھک میں ایک قرآن مجید لٹکا ہوا ہے، میں نے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے یہ قرآن مجید کیوں لٹکا رکھا ہے جبکہ آپ کو کچھ نظر تو آتا نہیں؟ فرمایا۔ بھائی اگر تم میرے مرتے دم تک اس بات کو چھپائے رکھو تو بتلائے دیتا ہوں میں نے عرض کیا کہ ضرور چھپائے رکھوں گا، فرمایا: "جب قرآن شریف لے کر بیٹھتا ہوں تو آنکھوں کی بینائی کھل جاتی ہے"۔ [1] پھر جب تک پڑھتا رہتا ہوں روشنی بحال رہتی ہے اور جب قرآن مجید بند کر دیتا ہوں تو حسبِ سابق نابینا ہو جاتا ہوں۔)

---

[1] صفۃ الصفوۃ ج ۴ ص ۲۴۶

مسلمانی اور جواں مردی

حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۲۷ھ) حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۴۵ھ) کے حالات میں لکھتے ہیں۔

"منقول ہے کہ جب آپ کا مرتبہ (بارگاہِ خداوندی میں) بڑھ گیا تو (آپ ایسے ہوگئے کہ) کوئی شخص آپ کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا تھا، مصری لوگ آپ کو زندیق کہنے لگے اور سب نے متفق ہوکر خلیفۂ وقت متوکل (عباسی) کو آپ کے حالات سے آگاہ کیا، متوکل نے گارد بھیجی تاکہ آپ کو پابہ زنجیر بغداد لے کر آئیں، جب آپ خلیفہ کے دربار میں پہنچے تو فرمایا "آج میں نے مسلمانی ایک بوڑھی عورت سے اور جواں مردی ایک سقہ سے سیکھی ہے"۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا: جب میں خلیفہ کے دربار میں پہنچا اور اس دربار کو رعب و دبدبہ والا پایا اور دربان و خدام دیکھے تو مجھے اپنے اندر کچھ تغیر ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ اچانک ایک عورت لاٹھی لیے سامنے آئی اور میری طرف دیکھ کر کہنے لگی: خبردار! جس کے پاس تمہیں لے جا رہے ہیں اُس سے ہرگز مت ڈرنا، کیونکہ وہ اور تم دونوں ایک خدا کے بندے ہو جب تک خدا نہ چاہے کوئی کسی بندہ کے ساتھ کچھ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح راستے میں مَیں نے ایک پاکیزہ سقے کو دیکھا اُس نے مجھے پانی پینے کے لیے دیا۔ مَیں نے اپنے ساتھ والوں میں سے ایک کو اشارہ کیا کہ سقے کو ایک دینار دے دو۔ سقے نے دینار قبول نہیں کیا، کہنے لگا کہ تم زنجیروں میں جکڑے ہوئے قیدی ہو، تم جیسے قیدی اور غریب الوطن سے کوئی چیز لینا جوانمردی نہیں ہے۔

فرمانِ شاہی ہوا کہ آپ کو جیل میں ڈال دیں، چالیس دن آپ جیل میں رہے۔ حضرت بشر حافی رحمہ اللہ کی ہمشیرہ آپ کو (اپنی حلال کمائی میں سے) روزانہ ایک روٹی پہنچاتی رہیں جس دن آپ جیل سے رہا ہوکر باہر تشریف لائے تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ چالیس کی چالیس روٹیاں جوں کی توں رکھی ہوئی ہیں۔ آپ نے ایک بھی نہیں کھائی۔ حضرت بشر حافی رحمہ اللہ کی ہمشیرہ نے جب یہ سُنا تو انہیں بہت افسوس ہوا، فرمانے لگیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ وہ تمام روٹیاں حلال وطیب اور بغیر کسی احسان کے تھیں پھر آپ نے کیوں نہیں کھائیں؟ فرمایا کہ: جس طباق میں روٹی آتی تھی وہ پاک نہ تھا، کیونکہ وہ جیلر کے ہاتھ سے گزر کر آتا تھا۔

قید خانے سے باہر آنے کے بعد آپ کمزوری کی وجہ سے گر پڑے اور پیشانی زخمی ہوگئی، منقول ہے کہ زخم سے بہت سارا خون بہا، لیکن آپ کے چہرے اور کپڑوں پر ایک قطرہ بھی نہیں گرا، اور جو زمین پر گرا وہ بھی خدا کے حکم سے فوراً غائب ہوگیا۔ آپ کو دربان خلیفہ کے سامنے لے گئے۔ اور آپ سے آپ کی باتوں کا جواب طلب کیا، آپ نے اپنی باتوں کی ایسی تشریح کی کہ متوکل رونے لگا اور تمام ارا کینِ دولت آپ کی فصاحت وبلاغت پر حیران رہ گئے۔ خلیفہ متوکل آپ کا مرید ہوگیا اور آپ کو نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ واپس مصر بھیج دیا۔"[۱]

حضرت شقیق بلخیؒ کی توبہ

حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۴ھ) اپنے زمانے کے اولیاء کبار میں سے

---

[۱] تذکرۃ الاولیاء فارسی ج ۱ ص۱۱۱

ہوئے ہیں۔ آپ حضرت ابراہیم ادہمؒ کے معاصر حضرت حاتم اصم بلخیؒ کے اُستاذ اور حضرت امام زفرؒ کے شاگرد تھے۔ حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمہ اللہ نے آپ کی توبہ کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ

"ایک مرتبہ بلخ میں شدید قحط نمودار ہوا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگ ایک دوسرے کو مار کر کھانے لگے۔ اس حالت میں آپ نے ایک غلام کو بازار میں خوش و خرم ہنستے مسکراتے دیکھا، آپ نے اس سے کہا: اے غلام یہ کونسا خوشی کا موقع ہے کیا تو خلقت کو بھوک سے مرتے نہیں دیکھ رہا؟ غلام نے کہا: مجھے کیا فکر میں ایک ایسے شخص کا غلام ہوں جس کی ملکیت میں ایک گاؤں ہے اور ڈھیروں غلّہ اُس کے پاس ہے، وہ مجھے بھوکا نہیں رکھے گا۔ یہ سُن کر آپ کے دل پر چوٹ لگی۔ عرض کیا کہ: "الٰہی یہ ایک امیر شخص کا غلام اس قدر خوش ہے (اور اُسے کوئی فکر نہیں) تو تُو مالک الملوک اور روزی رساں ہے تیرے ہوتے ہُوئے ہم کیوں فکر کریں"۔ اسی وقت آپ نے دنیاوی کاموں کو خیرباد کہا اور سچّی توبہ کر کے راہِ حق کی جستجو میں لگ گئے اور توکل میں حدِ کمال کو پہنچے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "میں ایک غلام کا شاگرد ہوں"۔ [۱]

میں نے اخلاص ایک حجام سے سیکھا

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۹۷ھ) کے بارے میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

---

[۱] تذکرۃ الاولیاء فارسی ج ۱ ص ۱۸۱

"اخلاص میں نے ایک حجام سے سیکھا ہے"۔ قصہ یہ ہوا کہ میں ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں تھا، میں نے ایک حجام کو دیکھا کہ وہ ایک شخص کے بال درست کر رہا ہے، میں نے اس سے کہا کہ اللہ ـــ واسطے میرے بال بھی درست کر دو، اس نے کہا کہ کر دیتا ہوں، چنانچہ اس نے روتے ہوئے اس شخص کو جس کے بال بنا رہا تھا چھوڑ کر کہا کہ تم اُٹھ جاؤ جب اللہ کا نام آگیا تو پھر سب کو چھوڑ کر اُسی کا کام کرنا چاہیئے، پھر اُس نے مجھے بٹھا کر پہلے میرے سر کو بوسہ دیا، پھر میری حجامت بنا کے مجھے ایک کاغذ دیا جس میں چاندی کے ٹکڑے تھے اور کہا کہ اسے اپنی ضرورت میں صرف کرنا، میں نے اس دن سے عہد کر لیا کہ مجھے فتوحات میں سے جو سب سے پہلی فتوح حاصل ہوگی اُس سے اِس شخص کے ساتھ مروت واحسان کرونگا۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ بصرہ سے اشرفیوں کی ایک تھیلی میرے پاس آئی میں وہ حجام کے پاس لے گیا، اُس نے پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ (تم نے جس وقت میرے بال بنائے تھے۔ میں نے اس وقت) یہ نیت کر لی تھی کہ سب سے پہلی جو فتوح مجھے حاصل ہوگی وہ تمہیں دوں گا۔ وہ لایا ہوں۔ اُس نے کہا بندۂ خدا تمہیں شرم نہیں آتی تم نے تو مجھے کہا تھا کہ اللہ واسطے میرے بال بنا دو، پھر تم نے یہ کیسے خیال کر لیا کہ بندہ کام تو اللہ واسطے کرے اور اس پر مزدوری لے"۔ [۱]

---

[۱] تذکرۃ الاولیاء فارسی ج ۲ ص ۱۵

"فیصلہ ہفت مسئلہ"

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر سات متنازع مسائل سے متعلق ایک رسالہ بنام "فیصلہ ہفت مسئلہ" تحریر فرمایا تھا اور اُسے حضرت حاجی صاحبؒ کی طرف منسوب کیا تھا۔ اس رسالہ کے چھپنے کے بعد دو طرح کے لوگ ہو گئے ایک وہ جو اس کی موافقت میں پیش پیش تھے نہ صرف موافقت بلکہ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے، دوسرے وہ لوگ تھے جو شد و مد سے اس کی مخالفت کرتے تھے۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اصل صورت حال کی وضاحت فرمائی اور اس سے متعلق "فیصلہ ہفت مسئلہ" کے ساتھ دو ضمیمے شائع فرمائے ان ضمیموں کے ساتھ ایک سچا خواب بھی ذکر فرمایا جس سے "فیصلہ ہفت مسئلہ" کی حیثیت بھی متعین ہو جاتی ہے اور اس میں ذکر کردہ مسائل کی بابت صحیح مؤقف بھی واضح ہو جاتا ہے۔ یہ ایک عجیب و غریب اور سچا خواب ہے ان صفحات میں ہم یہ خواب قارئین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں تاکہ موجودہ حالات میں اس سے صحیح رہنمائی حاصل کی جا سکے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

" یہ دونوں ضمیمے تو قواعد شرعیہ پر مبنی ہیں اب ان کی ایک تائید

ایک رؤیائے صالحہ سے جس کا لقب حدیث میں مُبَشِّرَہ آیا ہے نقل کی جاتی ہے۔ صاحبِ رؤیا جناب مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ ابن حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ ہیں اور صاحبِ روایت اُن کے خلف الصدق مولوی حافظ قاری محمد طیّب صاحب مہتمم حال مدرسہ موصوفہ ہیں۔ وھی ھذہ بعین عبارۃ الراوی وھی رؤیا عجیبۃ مشتملۃ علی حقائق غریبۃ (نحمدہ و نصلی)

احقر نے اپنے حضرت والد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے ذیل کا واقعہ سُنا ہے فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں فیصلہ ہفت مسئلہ چھپا اور اُس کی نسبت حضرت مرشدِ عالم حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ کی طرف تھی اس لیے ہم لوگوں کو سخت ضیق پیش آئی۔ موافقت کر نہیں سکتے تھے، اور مخالفت میں حضرت کی نسبت سامنے آتی تھی۔ حیرانی تھی اسی دوران میں مَیں نے (حضرت والد صاحبؒ نے) خواب دیکھا کہ ایک بڑا دیوان خانہ ہے اور اس میں حضرت حاجی صاحبؒ تشریف رکھتے ہیں مَیں بھی حاضر ہوں اور ہفت مسئلہ کا تذکرہ ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ ارشاد فرما رہے ہیں کہ بھائی علماء اس میں تشدّد کیوں کر رہے ہیں۔ گنجائش تو ہے۔ میں عرض کر رہا ہوں کہ حضرت گنجائش نہیں ہے ورنہ مسائل کی حدود ٹوٹ جائیں گی۔ ارشاد فرمایا کہ یہ تو تشدد معلوم ہوتا ہے۔ میں نے پھر بہت ہی ادب سے عرض کیا کہ حضرت جو کچھ بھی ارشاد فرماتے ہیں درست ہے مگر حضرات فقہاء تو اس کے خلاف ہی کہتے ہیں۔ حضرت والد صاحب فرماتے ہیں کہ خواب میں مَیں

ردّ و قدح بھی کر رہا ہوں، لیکن حضرت کی عظمت میں ایک رتی برابر فرق نہیں دیکھتا تھا۔ اسی ردّ و قدح میں آخر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اچھا بات مختصر کرو اگر خود صاحب شریعت فیصلہ فرما دیں پھر؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت اُس کے بعد کس کی مجال ہے کہ خلاف چل سکے۔ فرمایا کہ اچھا انشاء اللہ اسی جگہ خود حضرت صاحب شریعت ہی ہمارے تمہارے درمیان میں فیصلہ فرما دیں گے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ اس بات سے مجھے بغایت مسرت ہو رہی ہے کہ آج الحمد للہ حضرت صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوگی اور اسی کے ساتھ حضرت حاجی صاحب کی عظمت اور زیادہ قلب میں بڑھ گئی کہ حق تعالیٰ نے ہمارے بزرگوں کو یہ درجہ عطا فرمایا ہے کہ وہ اپنے معاملات میں براہِ راست حضور کی طرف رجوع بھی کر سکتے ہیں اور حضور کو اپنے یہاں بُلا بھی سکتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں حضرت حاجی صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ لو تیار ہو بیٹھو حضور تشریف لا رہے ہیں اتنے میں میں نے دیکھا کہ دیوان خانہ کے سامنے سے ایک عظیم الشان مجمع نمایاں ہوا۔ قریب آنے پر میں نے دیکھا کہ آگے آگے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور پیچھے پیچھے تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مجمع ہے۔ حضور کی شان ہے کہ حلیہ مبارک ہو بہو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ نینو کا کرتہ باریک بلا کسی بنیائن وغیرہ زیب تن ہے جس میں سے بدن مبارک چمک رہا ہے گویا شعاعیں سی پھوٹ رہی ہیں سر مبارک پر ٹوپی پنج کلیہ ہے جو سر پر کانوں تک منڈھی ہوئی ہے اور چہرۂ انور نہایت مُشرق اور اس قدر چمک رہا ہے جیسے چمکتا ہوا کندن سونا ہوتا ہے حضور جب دیوان خانہ میں داخل ہوئے تو حضرت حاجی صاحب سروقد

ایک کونہ میں ادب سے جا کھڑے ہوئے اور میں ایک دوسرے مقابل کے کونہ میں ادب وہیبت سے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ حضور کنارہ کاٹ کر میری طرف تشریف لائے اور بالکل میرے قریب پہنچ کر میرے کندھے پر دستِ مبارک رکھا اور زور سے فرمایا کہ حاجی صاحب یہ لڑکا جو کچھ کہہ رہا ہے درست کہہ رہا ہے اس پر میری تو خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور ساتھ ہی حضرت حاجی صاحب کی عظمت اور بھی زیادہ بڑھ گئی کہ ہمارے بزرگوں کو اللہ نے کیا رتبہ عطا فرمایا ہے کہ حضور کس بے تکلفی سے تشریف لائے اور کس بے تکلفی اور عنایت سے انہیں مخاطب فرماتے ہیں اور حضرت حاجی صاحب کی حالت یہ ارشاد مبارک سُن کر یہ ہوئی کہ بجاؤ درست بجاؤ درست کہتے کہتے جھکتے ہیں اور اپنے قدموں کے قریب تر سرلے جا کر پھر سیدھے کھڑے ہوتے ہیں اور پھر بجاؤ درست بجاؤ درست کہتے کہتے اُسی طرح جھکتے ہیں اور پھر سیدھے کھڑے ہوتے ہیں۔

سات مرتبہ اسی طرح حضرت حاجی صاحب نے کیا اور مجلس پر سکوت کا عالم ہے سارا مجمع کھڑا ہوا ہے کہ حضور ہی خود کھڑے ہوئے ہیں جب یہ سب کچھ ہو چکا تو والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کی یہ شفقت و عنایت دیکھ کر جرأت کی اور عرض کیا کہ حضور حدیثوں میں جو حُلیہ مبارک ہم نے پڑھا ہے اس وقت کا حُلیہ مبارک تو اس کے خلاف ہے۔ یہ تو حضرت گنگوہی کا حُلیہ ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اصل حلیہ ہمارا وہی ہے جو تم نے حدیثوں میں پڑھا ہے لیکن اس وقت ہم نے مولانا گنگوہی کا حُلیہ اس لیے اختیار کیا کہ تمہیں اُن سے محبت و مناسبت ہے۔ اس جواب پر مجھے حضرت گنگوہی سے اور زیادہ محبت و عقیدت بڑھ گئی اور

اپنے اکابر کے درجاتِ قرب واضح ہوئے چند منٹ پھر سکوت رہا اور حضرت حاجی صاحب غایتِ ادب و تعظیم سے سر جھکائے ہوئے کھڑے ہوئے تھے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ حاجی صاحب اب ہمیں اجازت ہے؟ حاجی صاحب نے ادب سے عرض کیا کہ جو مرضیٔ مبارک ہو۔ پس حضور مع سارے مجمع کے اُسی راہ سے تشریف لے گئے جس راستے سے تشریف لائے تھے اور میری آنکھ کھل گئی۔ یہ خواب میں نے (والد صاحب نے) حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں لکھ کر بھیجا۔ معلوم ہوا کہ حضرت پر اس خواب سے ایک کیفیت بے خودی کی طاری ہوئی اور کچھ اس قسم کے الفاظ فرمائے کہ کاش یہ خواب لکھ کر قبر میں میرے ساتھ کر دیا جائے تو میرے لیے دستاویز ہو جائے۔" احقر محمد طیب غفرلہ"[1]

تقویٰ؟

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

"تقویٰ کی تعریف متعدد تعبیرات سے کی گئی لیکن سب سے زیادہ جامع تعریف وہ ہے جو حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال کرنے پر فرمائی، حضرت عمرؓ نے پوچھا تھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ حضرت اُبَیّ بن کعبؓ نے فرمایا کہ: امیر المؤمنین کبھی آپ کا ایسے راستہ پر بھی گزر ہوا ہوگا جو کانٹوں سے پُر ہو، حضرت عمرؓ نے فرمایا: کئی بار ہوا ہے، حضرت اُبَیّ بن کعبؓ نے فرمایا ایسے موقع پر آپ نے کیا کیا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا

---

[1] اشرف السوانح ج ۳ ص ۳۵۷

کہ دامن سمیٹ لیے اور نہایت احتیاط سے چلا، حضرت اُبیّ بن کعب رضؓ نے فرمایا بس تقویٰ اسی کا نام ہے، یہ دنیا ایک خارستان ہے گناہوں کے کانٹوں سے بھری پڑی ہے اس لیے دنیا میں اس طرح چلنا اور زندگی گزارنا چاہیئے کہ دامن گناہوں کے کانٹوں سے نہ اُلجھے اسی کا نام تقویٰ ہے جو سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہے۔" لہ

چار چیزیں

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۵۲ھ) حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۶۸ھ) کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں۔

"و بعضے از ملفوظات گنج شکر کہ بخطِ نظام الدین اولیار یافتہ اند مکتوب می گردد فرمود: چہار چیز از ہفت صد پیر طبقات سوال کردند ہمہ یک جواب فرمودند، مَنْ اَعْقَلُ النَّاسِ؟ تَارِکُ الذَّنْبِ وَ مَنْ اَلْکَیِّسُ

حضرت شیخ (فریدالدین) گنج شکرؒ کے بعض ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیارؒ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ملے ہیں ان میں آپ لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ فریدالدینؒ نے فرمایا: چار چیزوں کے بارے میں سات سو مشائخ سے سوال کیا گیا تو سب نے ایک ہی جواب دیا (۱) سوال ہوا کہ: سب سے زیادہ عقل مند کون ہے؟

لہ معارف القرآن ج ۲ ص ۲۴۱

النَّاسِ؟ اَلَّذِيْ لَا يَغُرُّ بِشَيْءٍ؟	فرمایا گناہوں کو چھوڑ دینے والا (۲) سب سے دانا اور حکیم کون ہے؟ فرمایا جو کسی چیز پر مغرور نہیں ہوتا
وَ مَنْ اَغْنَى النَّاسِ؟ اَلْقَانِعُ،	(۳) سب سے زیادہ مالدار اور غنی کون ہے؟ فرمایا قناعت کرنے والا
وَمَنْ اَفْقَرُ النَّاسِ؟ تَارِكُ الْقَنَاعَةِ" [۱]	(۴) لوگوں میں سب سے زیادہ محتاج کون ہے؟ فرمایا قناعت کو چھوڑ دینے والا۔

حسنِ اتّفاق

علامہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ (م ۶۳۰ھ) نے صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے حالات پر "اُسْدُ الْغَابَةِ فِي مَعْرِفَةِ الصَّحَابَةِ" کے نام سے ایک نہایت عظیم الشان کتاب تحریر فرمائی ہے۔ اس میں آپ نے صحابۂ کرام کے حالات بہت خوب صورت انداز میں پیش فرمائے ہیں اور ان کے ضمن میں بہت سی نادر اور عجیب باتیں ذکر کی ہیں۔

علامہ موصوف، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت جعفر طیّار رضی اللہ عنہ کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"وکان جعفر اسن من علی بعشر	حضرت جعفر طیارؓ (اپنے بھائی) حضرت علیؓ سے دس سال بڑے

---

[۱] اخبار الاخیار فارسی ص ۵۴

سنین و اخوہ عقیل	تھے اور آپ کے بھائی عقیلؓ
اسن منہ بعشر سنین	آپ سے دس سال بڑے
و اخوھم طالب اسن	تھے اور ان کے بھائی طالب'
من عقیل بعشر	عقیلؓ سے دس سال بڑے
سنین "۔ [1]	تھے۔

گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا ابوطالب کے چار فرزند تھے اور چاروں کی عمروں میں دس دس سال کا فرق تھا۔ سب سے چھوٹے حضرت علیؓ تھے، ان سے دس سال بڑے حضرت جعفر طیارؓ تھے ان سے دس سال بڑے حضرت عقیلؓ تھے، اور اُن سے دس سال بڑے طالب تھے۔ انہی کے نام پر ابوطالب نے اپنی کنیت رکھی تھی۔ ابوطالب کا اصل نام عبد مناف تھا۔

کچھ آگے چل کر مداحِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

" و ھو ابن مائۃ	آپ کی عمر مبارک بلا اختلاف ایک
و عشرین سنۃ لم	سو بیس برس ہوئی ہے جس میں
یختلفوا فی عمرہ و	سے ساٹھ برس دورِ جاہلیت میں
انہ عاش ستین سنۃ	گزرے اور ساٹھ برس حالتِ
فی الجاھلیۃ و ستین	اسلام میں، اسی طرح آپ کے
سنۃ فی الاسلام' وکذالك	والد ثابت، دادا منذر اور پردادا
عاش ابوہ ثابت وجدہ	حرام میں سے ہر ایک کی عمر بھی ایک

---

[1] اسد الغابۃ ج ۱ ص ۲۸۷

المنذر و ابو جدم حرام	سو بیس برس ہوئی تھی۔ عربوں میں
عاش کل واحد منهم	ان چار حضرات کے علاوہ اور چار
مائة و عشرين سنة	لوگ ایسے نہیں پائے گئے کہ
ولا يعرف فى العرب اربعة	جن کی نسل ایک ہی پشت سے
تنا سلوا من صلب	چلی ہو اور اُن میں سے ہر ایک
واحد عاش كل منهم	کی عمر ایک سو بیس برس ہوئی
مائة و عشرين سنة	ہو۔
غيرهم، [1]	

گویا تمام صحابۂ کرام میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ واحد ایسے صحابی ہیں کہ اُن کی اور اُن سے پہلے اُن کی تین پشتوں (باپ دادا پردادا) تک سب کی عمر ایک سو بیس برس ہوئی ہے۔ یہ شان خداوندی ہے کسی کا اس میں ذاتی کوئی دخل نہیں۔

نیکی کے ارادہ پر اجر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے۔

" مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ	جس نے نیکی کا ارادہ کیا لیکن وہ
فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهٗ	نیکی کر نہیں سکا تو اس کے
حَسَنَةٌ وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ	لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے
فَعَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهٗ عَشْرٌ	اور جس نے نیکی کا ارادہ کیا پھر
اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ	اس پر عمل بھی کیا تو اس کے

---

[1] اسد الغابہ ج ۲ صے

وَ مَنْ هَمَّ	لیے دس گنا سے لے کر سات سو
بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ	گنا تک نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں
يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ	اور اگر کسی نے بُرائی کا ارادہ کیا
وَ اِنْ عَمِلَهَا	لیکن بُرائی کی نہیں تو وہ بُرائی لکھی
تُكْتَبْ " [1]	نہیں جاتی اور اگر بُرائی کر لی تو
	(صرف ایک بُرائی) لکھی جاتی ہے

اس حدیث شریف سے معلوم ہو رہا ہے کہ نیکی کا ارادہ کر لینا بھی اجر و ثواب سے خالی نہیں کیونکہ ارادہ کے بعد اگر نیکی کر لی تو اس پر تو اجر و ثواب ملے ہی گا اور اگر نیکی نہ کر سکا تو بھی ایک نیکی ہاتھ سے نہیں جائے گی۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ (م ۵۰۵ھ) نے "احیاء العلوم" میں ایک واقعہ درج کیا ہے جس سے اس حدیث شریف کی وضاحت اور صداقت ظاہر ہوتی ہے۔

موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک شخص بھوک کی حالت میں ریت کے ٹیلوں کے پاس سے گزرا، اُس نے اپنے جی میں کہا " لَوْ كَانَ هٰذَا الرَّمْلُ طَعَامًا لَقَسَمْتُهٗ بَيْنَ النَّاسِ " اگر یہ ریت (کے ٹیلے) غلّہ (کا ڈھیر) ہوتے تو میں انہیں لوگوں میں تقسیم کر دیتا، اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی کی طرف وحی بھیجی کہ آپ اس شخص سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرا صدقہ قبول کر لیا ہے اور تیری حسن نیت کی قدر دانی کی ہے اور تجھے اتنا ثواب دے دیا ہے جتنا کہ اگر یہ ٹیلے غلّہ کا ڈھیر ہوتے اور تو انہیں صدقہ کر دیتا (او

---

[1] مسلم ج ۱ ص ۷۸

تجھے اس پر ثواب ملتا" [1]

حدیث شریف میں کسی عمل پر ذکر کردہ وعید کو معمولی سمجھ کر عمل کر لینے کا انجام

حدیث شریف میں اگر کسی کام کے کرنے پر کوئی وعید ذکر کی گئی ہو تو اسے معمولی سمجھنے کے بجائے اس سے بہت بچنا چاہیئے اور اس سے ڈرتے رہنا چاہیئے کہ خدانخواستہ کہیں یہ وعید واقع ہی نہ ہو جائے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان یا تو اس حدیث شریف کو غیر اہم سمجھ کر یا پھر اس وعید کے وقوع کو مستبعد و محال سمجھ کر وہ کام کر بیٹھتا ہے۔ نتیجتاً وہ وعید واقع ہو جاتی ہے، کتابوں میں بہت سے اس قسم کے واقعات ملتے ہیں یہاں پر ہم عبرت کے لیے صرف دو واقعات ذکر کرتے ہیں۔ پہلا واقعہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ (م ۵۰۵ھ) نے اپنی کتاب "اربعین" میں تحریر فرمایا ہے۔

آپ فرماتے ہیں۔

"مسلمانوں کی یہی شان ہے کہ جس امر میں بھی کوئی حدیث وارد ہوئی ہو اس میں بے چون وچرا اقتدار کر لیا کریں۔ مثلاً رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شنبہ (ہفتہ) اور پنج شنبہ (جمعرات) کے دن پچھنے لگوانے سے برص کا اندیشہ ہے۔ ایک محدث نے اس حدیث کو ضعیف کہہ کر قصداً شنبہ کے دن پچھنے لگوائے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برص میں مبتلا ہو گئے۔ چند روز بعد ایک شب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] احیاء علوم الدین عربی ج ص ۳۶۳

کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مرض کی شکایت کرنے لگے تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جیسا کیا ویسا بھگتو، شنبہ کے دن پچھنے کیوں لگوائے تھے۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس حدیث کا راوی ضعیف تھا، آپ نے فرمایا کہ حدیث تو میری نقل کرتا تھا[1] عرض کیا یا رسول اللہ: (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خطا ہوئی میں توبہ کرتا ہوں، یہ سن کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی صبح کو آنکھ کھلی تو مرض کا نشان بھی نہ رہا۔"[2]

دوسرا واقعہ حضرت ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (م ۱۰۱۴ھ) نے مشکوٰۃ کی شرح میں ذکر کیا ہے۔ واقعہ سے پہلے اس کا پس منظر سنتے چلیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص امام سے پہلے (رکوع یا سجود سے) سر اٹھاتا ہے کیا وہ اس سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کے سر سے بدل دیں۔"[3] علماء کا اس سلسلہ میں اختلاف ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو وعید بیان فرمائی ہے آیا اس کے مجازی معنیٰ مراد ہیں یا حقیقی؟ اگر مجازی معنیٰ مراد لیں تو مطلب ہوگا کہ ایسا کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ گدھے جیسی صفات اس میں پیدا فرما دیں یعنی جیسے گدھا نہایت بے وقوف ہے ویسے ہی یہ شخص بھی بے وقوف ہو جائے اور اگر حقیقی معنیٰ مراد لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ فی الواقع جیسے گدھے کا سر ہے ویسا ہی اس کا سر ہو جائے، بعض علماء نے مجازی معنی کو ترجیح دی ہے بعض نے حقیقی معنی کو۔ حقیقی معنیٰ کی تائید

---

[1] حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میری طرف منسوب کرنا درجہ موضوعیت میں نہ تھا اور بیان تھا خاصیت عمل کا کہ حلال اور حرام کا پھر عمل کرنا ہی احتیاط کی بات تھی۔

[2] تبلیغ دین ص۹۶ طبع ادارۃ المعارف کراچی

[3] بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص۱۰۲

میں حضرت ملا علی قاریؒ نے درج ذیل واقعہ ذکر کیا ہے۔

"ایک محدّث، دمشق کے ایک مشہور شیخ سے علم حدیث حاصل کرنے کے لیے دمشق تشریف لے گئے وہاں جا کر اُن سے مکمل طور پر علم حدیث حاصل کیا۔ وہ دمشقی شیخ اپنے اور شاگرد کے درمیان پردہ لٹکائے رکھتے تھے جس کی وجہ سے شاگرد شیخ کا چہرہ نہ دیکھ سکتے تھے۔ جب انہیں شیخ کے پاس رہتے ہوئے ایک طویل عرصہ گزر گیا اور شیخ نے بھی محسوس کر لیا کہ یہ علم حدیث کے بہت شائق ہیں تو انہوں نے درمیان سے پردہ ہٹا دیا شاگرد کیا دیکھتے ہیں کہ شیخ کا چہرہ بالکل ایسا ہے جیسے گدھے کا ہوتا ہے۔ شیخ نے فرمایا: اِحْذَرْ یَا بُنَیَّ اَنْ تَسْبِقَ الْاِمَامَ بیٹا: (رکوع یا سجدہ میں) امام پر سبقت لے جانے سے بچتے رہنا (یعنی نہ امام سے پہلے جانا نہ امام سے پہلے اُٹھنا) میرے ساتھ یہ قصّہ پیش آیا کہ جب وعید والی یہ حدیث میرے سامنے سے گزری تو مجھے اس کا وقوع بہت بعید معلوم ہوا، چنانچہ میں (امتحاناً) امام پر سبقت لے گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرا چہرہ گدھے کے چہرہ سے بدل گیا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو"۔ [1]

میّت پر نوحہ اور بین کرنے سے میّت کو عذاب ہوتا ہے

بہت سی احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ میّت کو اس کے گھر والوں کے رونے پیٹنے اور نوحہ و بین کرنے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے، چنانچہ ایک حدیث

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۹۸

شریف میں آتا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

" ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہ رض بیمار ہوئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض، حضرت سعد بن ابی وقاص رض اور حضرت عبداللہ بن مسعود رض کو ساتھ لیے ہوئے اُن کی عیادت کے لیے آئے آپ جب اندر تشریف لائے تو اُن کو آپ نے " غَاشِیَۃ " میں یعنی بڑی سخت حالت میں دیکھا (یا یہ کہ آپ نے اُن کو اس حال میں دیکھا کہ اُن کے گرد آدمیوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی) آپ نے فرمایا: کیا ان کا انتقال ہوگیا ؟ اُن لوگوں نے عرض کیا کہ نہیں حضرت انتقال تو نہیں ہوا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (اُن کی یہ حالت دیکھ کر) رونا آگیا جب اور لوگوں نے آپ پر گریہ کے آثار دیکھے تو وہ بھی رونے لگے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

" لوگو اچھی طرح سُن لو اور سمجھ لو: اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو اور دل کے رنج و غم پر تو کوئی سزا نہیں دیتا، (کیونکہ اس پر بندہ کا اختیار اور قابو نہیں ہے اور زبان کی طرف اشارہ کر کے آپ نے فرمایا) لیکن اس زبان کی (غلط رَوِی پر یعنی زبان سے نوحہ و ماتم کرنے پر) سزا بھی دیتا ہے (اور اِنّا لِلّٰہ پڑھنے پر اور دُعا و استغفار کرنے پر) رحمت بھی فرماتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میّت کے گھر والوں کے رونے پیٹنے کی وجہ سے میّت کو عذاب ہوتا ہے " [1]

اس حدیث مبارک میں گھر والوں کے رونے پیٹنے کی وجہ سے میّت کو عذاب

---

[1] بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۵۰

ہونے کا ذکر ہے۔ یہ مضمون آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمر فاروق رضؓ اور آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضؓ نے بھی روایت کیا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ میت کے گھر والوں کے رونے پیٹنے اور نوحہ و بین کرنے کی وجہ سے میت کو عذاب کیوں ہوتا ہے جبکہ میت کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ شاید اسی لیے سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کا خیال یہ تھا کہ گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب نہیں ہوتا اور جن احادیث مبارکہ میں گھر والوں کے رونے پر میت کو عذاب ہونے کا ذکر آیا ہے اُس سے مراد غیر مسلموں کی میتیں ہیں مسلمانوں کی نہیں، لیکن چونکہ متعدد صحیح احادیث میں عام میت کا ذکر ہے اس لیے جمہور صحابہ کرام رضؓ کا نظریہ یہی تھا کہ ہر میت کو اُس کے گھر والوں کے رونے پیٹنے سے عذاب ہوتا ہے، اس نظریہ پر جو سوال پیدا ہوتا ہے اس کے علماء نے اپنے اپنے مزاج کے موافق جواب دیتے ہیں۔ بعض علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ہر میت کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب نہیں ہوتا بلکہ اس میت کو ہوتا ہے جس کے گھر والوں کے رونے پیٹنے میں اس میّت کے قصور اور غفلت کو بھی کچھ دخل ہو مثلاً یہ کہ وہ خود رونے اور نوحہ و ماتم کرنے کی وصیت کر گیا ہو جیسا کہ عربوں میں اس کا رواج تھا، یا کم سے کم یہ کہ گھر والوں کو رونے پیٹنے سے اُس نے کبھی منع نہ کیا ہو، یا رونے پیٹنے پر خوش ہو۔

بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ جب میت کے گھر والے اس پر نوحہ و ماتم کرتے ہیں اور جاہلانہ رواج کے مطابق اس مرنے والے کے کارنامے بیان کرتے ہیں تو اس میں کچھ ایسی باتیں اور الفاظ بھی کہہ جاتے ہیں جو نگاہِ شریعت میں بہت مذموم اور بُرے ہوتے ہیں ایسی باتوں کے سبب میت کو عذاب ہوتا ہے، اس کی تائید اُس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب کوئی شخص مرتا ہے اور (اُس کے عزیزوں میں سے) کوئی رونے والا یہ کہہ کر روتا ہے: وَاجَبَلَاہْ۔ اے پہاڑ، وَاسَیِّدَاہْ۔ اے سردار، وغیرہ وغیرہ تو اللہ تعالیٰ میّت پر دو فرشتے مقرر فرمادیتے ہیں جو اس کے سینے میں مُکّے مار مار کر پوچھتے ہیں اَھٰکَذَا کُنْتَ؟ کیا تو ایسا ہی تھا؟ [1]

حضرت مُلّا علی قاری رحمہ اللہ (م ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں۔

محدث میرکؒ کا کہنا تو یہ ہے کہ "میرے خیال میں واللہ اعلم میت کے عذاب سے مُراد وہ رنج و اَلَم ہے جو میّت کو اپنے گھر والوں کے گریہ و بکار کے سُننے کی وجہ سے ہوتا ہے، یا جب اُسے پتہ چلتا ہے کہ اُس کے گھر والے اس پر رو پیٹ رہے ہیں تو اُسے تکلیف ہوتی ہے"

محدث میرکؒ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ہم سے ایک (عجیب) واقعہ روایت کیا گیا ہے، وہ واقعہ یہ ہے کہ" ایک عراقی عورت کا بچّہ فوت ہوگیا جس کا اُسے شدید غم اور افسوس ہوا۔ اس نے یہ عادت بنالی کہ جب بھی عید کا دن آتا وہ قبرستان چلی جاتی اور وہاں جاکر اپنے بچّے کو یاد کر کے خوب روتی ایک دفعہ ایسا ہوا کہ اُسے "مغرب" میں اپنے کسی کام کی وجہ سے جانا پڑا۔ جب عید کا دن آیا تو حسبِ عادت وہاں کے قبرستان چلی گئی، اور وہاں جاکر خوب روئی دھوئی اور خوب واویلا مچایا۔ خیر: فارغ ہوکر گھر آگئی۔ آتے ہی اُس کی آنکھ لگ گئی، خواب میں کیا دیکھتی ہے کہ اُس قبرستان کے سارے مُردے اکٹھے ہوکر ایک دوسرے سے پُوچھ رہے ہیں کہ کیا ہمارے پاس اس عورت کا بچّہ ہے جو یہ ہمارے

---

[1] ترمذی ج ۱ ص ۱۹۵

پاس آکر روئی دھوئی اور واویلا مچاتی رہی ہے سب نے کہا نہیں، کہنے لگے
کہ پھر اس نے یہاں آکر اور رو دھو کر ہمیں ایذا کیوں دی ہے؟ وہ عورت
خواب میں دیکھتی ہے کہ وہ مُردے اس کے پاس آئے اور اُسے
خُوب مارا، جب یہ عورت بیدار ہوئی تو اُسے پٹائی کی تکلیف صاف
طور پر محسوس ہو رہی تھی"۔

حضرت مُلّا علی قاری رحمہ اللہ محدث میرکؒ کا یہ جواب اور اُن کا ذکر کردہ واقعہ تحریر فرمانے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ "اس میں کوئی شک نہیں کہ جن چیزوں سے اجسام کو اذیت ہوتی ہے اُن چیزوں سے ارواح کو بھی اذیت ہوتی ہے اور محدث میرکؒ کا ذکر کردہ جواب حدیث پاک کا ایک خوب صورت محمل اور بہترین تاویل ہے۔[۱] الخ

اپنی امانت اللہ کے سپرد کرنے والے شخص کا عجیب واقعہ

امام طبرانی رحمہ اللہ (م ۳۶۰ھ) اپنی سند سے ایک شخص کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت اسلمؓ کہتے ہیں کہ ایک
دفعہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اپنے مسائل پیش کر رہے تھے
کہ اچانک ایک شخص اپنے ساتھ اپنے بیٹے کو لے کر آیا، آپ نے اُس
سے فرمایا: میں نے کسی کوّے کو دوسرے کوّے سے اتنا مشابہ نہیں
دیکھا جتنا تمہارا یہ بیٹا تمہارے مشابہ ہے، اس نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین

---

[۱] مرقاۃ ج ۴ ص ۹۷، ۹۸

اللہ کی قسم اِسے اِس کی ماں نے مَرے ہوئے ہونے کی حالت میں جَنا ہے، آپ نے یہ سُنا تو سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ہمیں سارا قصہ سناؤ اس نے کہا کہ: جن دنوں یہ بچّہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھا ان دنوں میں ایک جنگ میں شریک ہونے کے لیے گھر سے جانے لگا تو اس بچّہ کی ماں بولی: کیا مجھے اس حالت میں چھوڑ کر جا رہے ہو؟ مَیں نے کہا: اَسْتَوْدِعُ اللّٰہَ مَا فِیْ بَطْنِكِ، تمہارے پیٹ میں جو ہے مَیں اُسے اللہ کے سپرد کرتا ہوں وہ شخص کہنے لگا مَیں یہ کہہ کر چلا گیا اور ایک عرصہ تک گھر سے غائب رہا پھر جب عرصہ دراز بعد واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گھر کے دروازے پر تالہ پڑا ہوا ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا۔ فلاں عورت کا کچھ اتہ پتہ معلوم ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ وہ تو مرگئی، میں اُس کی قبر پہ گیا اور وہاں جا کر خوب رویا۔ رات ہوئی تو مَیں اپنے چچا زاد بھائیوں کے ساتھ مل کر گپ شپ میں لگ گیا، صورت یہ تھی کہ جنّت البقیع اور ہمارے درمیان کوئی آڑ نہیں تھی (قبریں بالکل سامنے نظر آرہی تھیں) اچانک مجھے قبروں کے درمیان سے ایک آگ اُٹھتی ہوئی معلوم ہوئی۔ مَیں نے اپنے چچا زاد بھائیوں سے پوچھا کہ یہ آگ کا کیا قصّہ ہے؟ چچا زاد بھائی بغیر کوئی جواب دئیے سب اِدھر اُدھر ہو گئے۔ میں اپنے سب سے قریبی چچا زاد بھائی کے پاس آیا اور اُس سے پُوچھا، اُس نے بتلایا کہ ہم لوگ روزانہ رات کے وقت فلاں عورت کی قبر سے آگ[1] نکلتی ہوئی دیکھتے ہیں، مَیں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور کہا کہ خدا کی قسم وہ عورت تو بڑی روزے دار

---

[1] یہ اصل میں نور تھا جو ان لوگوں کو آگ کی شکل میں محسوس ہوتا تھا۔

تہجد گزار اور عفت مآب مسلمان عورت تھی، تم میرے ساتھ چلو، میں نے کلہاڑی لی اور چل پڑا وہاں جا کر کیا دیکھتا ہوں کہ قبر کھلی ہوئی ہے اور عورت (یعنی میری بیوی) اُس میں بیٹھی ہوئی ہے اور یہ بچہ اس کے پاس رینگ رہا ہے۔ (اسی اثنا میں) ایک ندا کرنے والے نے ندا کی کہ "اے وہ شخص جس نے اپنی امانت اپنے رب کے سپرد کی تھی اپنی امانت لے لے بخدا، اگر تو اس بچہ کی ماں کو بھی اللہ کے سپرد کر کے جاتا تو اُسے بھی پا لیتا"۔ میں نے بچہ کو اُٹھا لیا اور قبر اپنی اصلی حالت پر ہو گئی، اے امیرالمومنین خدا کی قسم یہ وہ بچہ ہے"۔ [1]

"ضیاء القلوب"

اکابر دیوبند کے پیرو مُرشد، سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) نے تصوّف و سلوک اور معرفت و احسان سے متعلق بہت سی کتابیں نظم و نثر میں تحریر فرمائی ہیں اُن میں سے ایک کتاب کا نام "ضیاء القلوب" ہے اس کتاب میں آپ نے مختلف سلسلوں کے اذکار و اشغال ذکر فرمائے ہیں جن کے بغیر مرتبۂ احسان کا حصول مشکل ہے۔

یہ کتاب اصلاً فارسی میں تھی۔ اب عام طور پر اس کا ترجمہ [2] ملتا ہے۔ اس کتاب کے متعلق مشہور سابق بیوروکریٹ قدرت اللہ شہاب نے اپنی آپ بیتی میں سفارتِ ہالینڈ

---

[1] کتاب الدعاء للامام الطبرانی ج ۲ ص ۱۱۸۳

[2] حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب قدس سرہٗ نے ایک صاحب کو اس کتاب کا نہایت عمدہ ترجمہ املا کروایا تھا بدقسمتی سے اُن صاحب نے نہ خود اسے طبع کروایا اور نہ ہی کسی کو طبع کرنے کے لیے دیا،

کے زمانہ کا ایک واقعہ تحریر کیا ہے جس سے اس کتاب کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے، مناسب معلوم ہوا کہ اپنے قارئین کو بھی یہ واقعہ سُنایا جائے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں۔

"انسٹی ٹیوٹ آف پیراسائیکالوجی کے سربراہ پروفیسر بین ہاف اکثر مہینے میں ایک ویک اینڈ (ہفتہ کا آخری دن) ہمارے ہاں گزارا کرتے تھے۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مُرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف[1] "ضیاء القلوب" کا انگریزی ترجمہ کرکے مَیں نے انہیں دیا تو وہ ششدر رہ گئے اُن کا جی تو بہت للچایا کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائیں لیکن اپنی ملازمت کے تحفّظ کی فکر اور معاشرے کے خوف سے اس سعادت سے محروم رہے، البتہ ان کی سٹینو گرافر مِس جین ڈالٹن پر بیٹھے بٹھائے اللہ کا فضل ہوگیا۔ اپنے ادارے میں واپس جاکر پروفیسر صاحب نے ضیاء القلوب کا انگریزی ترجمہ اپنی سٹینو گرافر کے حوالے کر دیا کہ وہ اسے ان کے کاغذات کے ساتھ سنبھال کر رکھ دے، مِس ڈالٹن تجسّس کا شوق رکھنے والی تحقیق پسند لڑکی تھی۔ اس نے ضیاء القلوب کا انگریزی ترجمہ پڑھ کر ایسا اثر قبول کیا کہ ایک روز ہمارے ہاں آئی اور درخواست کی کہ ہم اسے مسلمان کر لیں۔

مَیں نے کہا کہ وہ خوب سوچ سمجھ کر بتائے کہ وہ کیوں مسلمان ہونا چاہتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ اس راہِ سلوک پر چلنے کی آرزومند ہے جسے اختیار کرنے کا طریقہ ضیاء القلوب میں بتایا گیا ہے۔

---

[1] یہ لفظ تصنیف ہونا چاہیئے۔

ہم نے نہایت خاموشی سے اُسے مُشرّف بہ اسلام کرکے اس کا نام رابعہ رکھ دیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک وہ ہمارے رہی۔ عفت نے اسے قرآن شریف ختم کروایا۔ پھر وہ ملازمت چھوڑ کر اپنے گاؤں چلی گئی اور عبادت و ریاضت کے سہارے راہِ سلوک پر ایسا قدم رکھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے ہم جیسے گناہگاروں کی پہنچ سے بہت دُور نکل گئی۔ اس نے ساری عمر شادی نہیں کی اور اب کچھ عرصہ سے اس کا مستقل قیام مکّہ معظمہ اور مدینہ منوّرہ میں ہے"۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ کے کلام میں بڑی تاثیر رکھی تھی جو بھی آپ کا کلام پڑھتا تھا اثر لیے بغیر نہیں رہتا تھا، مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مضمون "بندگانِ حق کی یافت" میں ایک بزرگ حضرت حاجی عبدالغفور جو دھپوری رحؒ کے حالات لکھے ہیں جس میں آپ نے تفصیل سے بتلایا ہے کہ پہلے وہ کیا تھے پھر کیسے کیا بنے، مولانا نے ان کے حالات ذکر کرتے ہوئے ایک عنوان قائم کیا ہے "تارک الدنیا بننے کا غلط شوق اور داعیہ" اس میں آپ نے یہ بتلایا ہے کہ ان حاجی صاحبؒ کے جی میں یہ خیال آیا کہ دُنیا اور اُس کے سارے بکھیڑوں کو چھوڑ چھاڑ کے بس فقیر بن جائیں، چنانچہ آپ نے اس خیال پر عمل بھی کر دکھایا بیوی بچوں اور سب گھر بار کو چھوڑ کر چل دیے اِن کے جانے سے گھر والوں پر جو گزرنی چاہیئے تھی وہ گزری، اللہ تعالیٰ نے حاجی صاحبؒ کی دستگیری کی جس کا سبب یہ بنا کہ ان کے پاس حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب تھی خلوت میں بیٹھ کر جو اُسے پڑھا تو آنکھیں کھل گئیں اور غلط خیال کی اصلاح ہو گئی۔

---

[1] شہاب نامہ ص ۱۰۶۵

واقعہ چونکہ دلچسپ ہے اس لیے جی چاہتا ہے کہ لگے ہاتھ قارئین کی نذر کرتے چلیں شاید موجودہ دور میں یہ واقعہ کسی ایسے ہی غلط خیال والے کی ہدایت کا سبب بن جائے۔ مولانا نعمانی مرحوم تحریر فرماتے ہیں۔

" فرمایا: کچھ عرصہ کے بعد شدت سے یہ داعیہ طبیعت میں پیدا ہوا کہ دُنیا اور اس کے سارے بکھیڑوں کو چھوڑ چھاڑ کے بس "فقیر" بن جائیں، بیوی تھی، کئی بچے بھی پیدا ہو چکے تھے، دادی اور ماں بھی موجود تھیں۔ اس لیے دل میں خود سوال پیدا ہوتا تھا۔ ان سب کا کیا ہوگا؟ ایک دن یہ جواب دل میں آیا کہ روزی دینے والا اور پرورش کرنے والا تو تھوڑا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہے، وہی اب پرورش کر رہا ہے، وہی ان کی روزی کا کوئی انتظام کرے گا۔ اگر آج تو مر جائے تو کیا ہوگا، یہ بات دل میں جم گئی اور سب کو چھوڑ چھاڑ کے تھانہ بھون بھاگ جانے کا ارادہ کر لیا۔

ایک دن سحر کے وقت گھانی کرتے کرتے (یعنی کولہو چلاتے چلاتے) سب کو سوتا چھوڑ کے بس ایک چادر اور ایک دو کتابیں ساتھ میں لے کے چل دیا، گھر میں چالیس روپے رکھے تھے، کرایہ وغیرہ کے لیے ان میں سے بس ۷ یا ۸ روپے لیے، اور دلی کا راستہ لیا، اس خیال سے کہ جودھپور میں اگر کسی نے ریل پر سوار ہوتا دیکھ لیا تو گھر والوں کو پتہ چل جائے گا اور تعاقب کیا جائے گا۔ ۴۰ میل پیدل چل کر بی پاڑ سے ریل میں بیٹھا، یاد ہے کہ دہلی تک راستہ میں (گویا ۲۴ گھنٹہ یا اس سے بھی کچھ زیادہ میں) بس ایک پیسہ کی مولی خرید کے کھائی تھی۔ دہلی پہنچ کر رات کو پہاڑ گنج میں ٹھہرا صبح کو شاہدرہ آیا جہاں سے تھانہ

بھون کو ٹرین چلتی تھی، معلوم ہوا کہ اب شام کو ٹرین ملے گی، دن گزارنے کے لیے وہاں ایک مسجد میں پڑ گیا اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی "کلیاتِ امدادیہ" جو ساتھ میں تھی اسی کا مطالعہ کرنے لگا۔ اس میں ایک "تارک الدنیا" درویش کا یہ قصہ پڑھا کہ میرے ہی جیسے کسی صاحب کو "ترکِ دنیا" کا شوق ہوا۔ بیچاری بیوی کو طلاق دے کے اور بچوں کو چھوڑ کے نکل گئے اور درویشی اختیار کر لی، بیوی نے مجبور ہو کر کہیں نکاح کر لیا۔ عرصہ کے بعد یہ درویش صاحب کہیں گھومتے پھرتے اس کے گھر کی طرف سے نکلے اور اپنی کسی ضرورت سے گھر پر صدا دی، گھر والی (جو اُن کی مطلقہ بیوی تھی) نکلی، انہوں نے تو اُس کو نہیں پہچانا، لیکن اُس نے اُن کو پہچان لیا اور کہا میاں صاحب یہیں ٹھہر جاؤ آرام کر لو، انہوں نے قبول کر لیا اور اپنی جھولی وہیں رکھ کے بیٹھ گئے۔ اس نے ان سے اجازت لے کے ان کی جھولی کھولی اس میں عام ضرورت کی کچھ چیزیں تھیں۔ مثلاً سوئی، دھاگہ، قینچی، نمک، مرچ، آٹا، کچھ پیسے —— اس نے ایک ایک کو پوچھا کہ یہ کیا ہے اور کس لیے ہے یہ میاں صاحب بتاتے رہے کہ یہ یہ ہے اور اس لیے ہے، آخر میں اس نے ایک دھول رسید کی اور کہا کہ بس دُنیا میرا ہی نام تھا اور یہ سب جو جھولی میں لیے پھرتے ہو یہ دُنیا نہیں ہے —— (حاجی صاحب نے فرمایا) یہ قصہ پڑھ کے عقل کام کرنے لگی۔ پھر یہ بھی سوچا کہ جب کل کو تھانہ بھون پہنچوں گا تو سب سے پہلا سوال وہاں یہ ہو گا کہ کیوں آئے ہو؟ اور اگر گھر سے کوئی تار وار پہنچا تو یہ بھی ممکن ہے کہ خوب ڈانٹ پڑے اور کل ہی واپسی

کا حکم ہو ___ بس یہ سوچ سمجھ کے واپسی کا فیصلہ کرلیا اور وہیں سے سیدھے جودھپور چلے آئے یہاں آ کے معلوم ہوا کہ بیوی نے تین دن سے کچھ کھایا ہے نہ پیا ہے، بس رونا ہے اور اللہ سے دعا ہے، اس وقت اندازہ ہوا کہ سب اس کی دعاؤں کا کرشمہ تھا۔" ؎۱

آدمی کا پیٹ قبر کی مٹی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بھر سکتی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اگر (بالفرض) آدمی کے پاس مال و دولت سے بھری ہوئی دو وادیاں بھی ہوں تب بھی وہ تیسری وادی کی تلاش میں رہے گا۔ آدمی کے پیٹ کو (قبر کی) مٹی کے علاوہ کوئی چیز نہیں بھر سکتی ___ اور اللہ تعالیٰ (بری حرص سے) جس بندہ کی توبہ کو چاہتا ہے قبول کرلیتا ہے۔" ؎۲

مطلب یہ ہے کہ انسان کی حرص و طمع کی درازی کا یہ عالم ہے کہ کسی بھی حد پر پہنچ کر اس کو سیری حاصل نہیں ہوتی اور جب تک وہ قبر میں جا کر نہیں لیٹ جاتا اس وقت تک اس کی حرص و طمع کا خاتمہ نہیں ہوتا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بالکل بجا ہے، روز ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے لوگ جن کے پاس لاکھ روپے ہیں وہ دو لاکھ بنانے کے چکر میں ہیں اور جن کے پاس کروڑ روپے ہیں وہ دو کروڑ بنانے کی فکر میں ہیں جن کے پاس ایک کوٹھی اور ایک کار ہے

؎۱ تحدیث نعمت ص ۲۱۷

؎۲ بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۴۵۰

وہ دو کوٹھیاں اور دو کاروں کی دُھن میں ہیں۔

حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں ایک شخص کا دلچسپ قصّہ لکھا ہے جس سے مذکورہ حدیث شریف کی تشریح بھی ہو جاتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ ذیشان کی صداقت کا ظہور بھی ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے :

 شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

" مَیں نے ایک سوداگر کو دیکھا جو اپنے پاس ڈیڑھ سو اونٹ سامان کے رکھتا تھا، اور چالیس غلام اور خدمت گار، ایک رات وہ مجھے جزیرۂ کیش میں اپنے چھوٹے سے کمرے میں لے گیا، رات بھر نہ خود سویا اور نہ مجھے سونا دیا، بہکی بہکی باتیں کرتا رہا کہ میرا فلاں ڈھیر (سامان) ترکستان میں ہے، اور فلاں پونجی ہندوستان میں ـــــــــــ اور یہ فلاں زمین کی دستاویز ہے اور فلاں چیز کا فلاں آدمی ضامن ہے اور کبھی کہتا کہ اسکندریہ کا ارادہ رکھتا ہوں کہ وہاں کی آب وہوا اچھی ہے پھر کہتا نہیں کیونکہ دریار مغرب میں طغیانی ہے۔ پھر کہتا : اے سعدی ایک دوسرا سفر درپیش ہے اگر وہ بھی کر لیا جائے تو باقی تمام عمر کے لیے گوشہ نشین ہو جاؤں گا، اور قناعت کر لوں گا۔ مَیں نے کہا وہ کونسا سفر ہے؟ اُس سوداگر نے کہا کہ ایرانی گندھک چین لے جاؤں گا۔ کیونکہ میں نے سُنا ہے کہ وہاں وہ بڑی قیمت رکھتی ہے اور وہاں سے چینی پیالے روم لے جاؤں گا۔ روم کا ریشم ہندوستان لے جاؤں گا اور ہندوستان کا لوہا حلَب میں لے جاؤں گا اور حلبی آئینے یمن لے جاؤنگا اور یمنی چادریں پارس میں لے جاؤں گا بس اس کے بعد سفر چھوڑ دونگا اور ایک دکان پر بیٹھ جاؤں گا، انصاف کی بات ہے کہ اس سوداگر

نے ایسی پاگل پن کی باتیں اس قدر کیں کہ اِس سے زیادہ کہنے کی طاقت نہ رہی اُس سوداگر نے مجھ سے کہا کہ سعدی تم بھی کچھ کہو جو تم نے دیکھا یا سُنا ہو، مَیں نے کہا : ؎

آں شنیدستی کہ در صحرائے غور　　بار سالارے بیفتاد از ستور
گفت چشمِ تنگِ دُنیا دار را　　یا قناعت پُر کند یا خاکِ گور[1]

تو نے سُنا ہے کہ غور کے جنگل میں گزشتہ سال ایک سردار گھوڑے سے گر پڑا اس نے کہا دُنیادار کی تنگ آنکھ کو یا قناعت بھر سکتی ہے یا قبر کی مٹی۔

نصیب اپنا اپنا

حضرت ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (م ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں۔

"ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت شیخ ابو العباس مرسی قدس سرہ (م　　) مدینہ طیبہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت کی نیت سے چلے۔ ایک شخص آپ کے پیچھے پیچھے ہولیا، آپ وہاں پہنچے تو قبر مبارک کے احاطہ کے دروازے کا تالہ بغیر چابی لگائے خود بخود کھل گیا۔ آپ اندر داخل ہوئے اور رجالِ غیب میں سے کچھ افراد کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے دُنیا و آخرت میں عافیت اور عفو و درگزر کی دُعا مانگی، آپ فرماتے ہیں مجھے اپنے ساتھی پر جو پیچھے پیچھے چلا آیا تھا ترس آیا، مَیں نے اُس سے کہا کہ تم نے قبولیت کی گھڑی پائی ہے جو تمہیں مطلوب و مقصود ہو اللہ تعالیٰ سے

[1] گلستان ص ۱۱۹

مانگ لو، اُس نے اللہ تعالیٰ سے ایک اشرفی مانگی، مَیں جب واپس مدینہ طیبہ کے دروازے کے پاس پہنچا تو اُسے ایک شخص نے اشرفی دے دی بعد میں، مَیں اپنے شیخ سید ابوالحسن شاذلیؒ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے یہ واقعہ سُننے سے قبل ہی اُس شخص سے کہا کہ (بندۂ خدا) تو نے قبولیت کی گھڑی پائی اور اللہ تعالیٰ سے ایک اشرفی مانگی، ابوالعباسؒ کی طرح عافیت اور عفو و درگزر کا سوال کیوں نہیں کیا؟

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اسی جیسی حکایت حضرت شیخ بہاؤ الدین نقشبندیؒ سے مروی ہے، آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے دورانِ حج عجائبات میں سے کوئی چیز دیکھی ہو تو بتلائیے۔ آپ نے فرمایا: میں نے ایک نوجوان کو منیٰ کے بازار میں دیکھا کہ وہ اتنے اتنے درہم و دینار کی خرید و فروخت میں مصروف ہے (یعنی بظاہر دُنیا میں لگا ہوا ہے) لیکن اللہ کی ذات سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں ہوتا، اور اس کے برعکس ایک بوڑھے کو دیکھا کہ مُلتزم سے چمٹا ہوا ہے اور اللہ سے دُنیا مانگ رہا ہے۔" [1]

سُلطان محمودؒ کا عدل و انصاف

"ایک رات سلطان محمود غزنویؒ (م ۴۲۱ھ) سو رہا تھا کہ یکایک اُس کی آنکھ کھل گئی، پھر لاکھ چاہا کہ دوبارہ نیند آجائے، مگر نیند کوسوں دُور نکل چکی تھی۔ بستر پر تڑپتا اور کروٹیں بدلتا رہا، جب کسی طرح آنکھ نہ

---

[1] مرقاۃ ج ۴ ص ۱۸۳ طبع ملتان

لگی تو اِس خدا ترس بادشاہ کو خیال آیا کہ شاید کوئی مظلوم فریاد لایا ہے یا کوئی فقیر بھوکا آیا ہے۔ اسی لیے اس کی نیند اچٹ گئی۔ غلام کو حکم دیا "باہر جاکر دیکھو کون ہے"۔ غلام نے باہر جاکر دیکھا تو کوئی نہ تھا، واپس آکر کہا۔ "جہاں پناہ، کوئی شخص نہیں"۔ محمود نے پھر چاہا کہ سو رہے مگر نیند نہ آنی تھی نہ آئی، وُہی بے چینی اور گھبراہٹ پیدا ہوگئی۔ غلاموں کو دوبارہ کہا "اچھی طرح دیکھ آؤ کون دادخواہ آیا ہے"۔ غلام دوڑے ہوئے گئے۔ اِدھر اُدھر دیکھا اور واپس آکے بولے، "حضور کوئی نہیں ہے"۔ سلطان کو شبہہ ہوا کہ شاید غلام تلاش کرنے سے جی چراتے ہیں، غصہ میں خود کھڑا ہوا اور تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے باہر آگیا، بہت تلاش کی، مگر کوئی شخص نظر نہ آیا، قریب ہی ایک مسجد تھی، اُس کے دروازہ پر آکر اندر کی طرف جھانکا تو آہستہ آہستہ کسی کے رونے کی آواز آئی۔ قریب پہنچ کر دیکھا تو ایک شخص فرش پر پڑا ہوا نظر آیا، اس کا مُنہ زمین سے لگا ہوا تھا، آنکھوں سے آنسو جاری تھے، آہیں بھر رہا تھا اور چپکے چپکے کہہ رہا تھا، ؎

اے کہ از غم نہ دیدۂ خواری — از غمِ ما کجا خبر داری

خفتہ ماندی چو بختِ ما ہمہ شب — تو چہ دانی زرنجِ بیداری

پھر کہنے لگا کہ سلطان کا دروازہ بند ہے تو کیا سبحان کا دروازہ تو کھلا ہوا ہے اگر محمُود وَلی سو رہا ہے تو حرج نہیں معبودِ اَزَلیؔ تو جاگ رہا ہے محمود یہ سُن کر اُس کے بالکل قریب پہنچ کر بولا محمود کی شکایت کیوں کرتا ہے، وہ تو ساری رات تیری تلاش میں بے چین رہا، بتا تجھے کیا تکلیف ہے؟ کس نے ستایا ہے؟ کہاں اور کس غرض سے آیا ہے؟ یہ سُن

کر وہ شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور پھوٹ پھوٹ کر روتا ہوا بولا " حضور! ایک درباری کے ہاتھوں ستایا ہوا آیا ہوں، مگر اُس کا نام نہیں جانتا، اُس نے میری عزت خاک میں ملا دی۔ آدھی رات کو مستی کے عالم میں میرے گھر آتا ہے اور میری شریکِ زندگی کی عصمت کو داغدار کرنے کی کوشش کرتا ہے، اگر آپ نے اِس تلوار کی آب سے اس داغ کو نہ دھویا تو کل قیامت کے دن میرا ہاتھ ہوگا اور آپ کا گریبان، یہ سُن کر محمود کو مذہبی غیرت اور شاہی حمیت کے جوش سے پسینہ آگیا۔ غصہ سے کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔" بتا کیا اس وقت بھی وہ ملعون وہیں ہوگا؟" اُس شخص نے جواب دیا، اب تو بہت رات گزر گئی، شاید چلا گیا ہو، لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ پھر آئے گا۔" سلطان نے کہا" اچھا اس وقت تو جاؤ، مگر جس روز جس وقت وہ آئے مجھے فوراً اطلاع کرو۔" اُس شخص نے سلطان کو دُعا دی اور رخصت ہو کر چلا ہی تھا کہ سلطان نے ٹھہرنے کا حکم دیا اور پہرہ داروں سے کہا کہ " دیکھو یہ جس وقت بھی آئے خواہ میں سوتا ہوں یا جاگتا ہوں، فوراً اس کو مجھ تک پہنچاؤ۔" اتنا کہہ کر محمود اندر آیا، اور وہ شخص اپنے گھر چلا گیا، تیسری رات وہ شخص شاہی محل سرا کے دروازہ پر پہنچا پہرے داروں نے اس کی شکل دیکھتے ہی سلطان کی خدمت میں پہنچا دیا۔ سلطان جاگ رہا تھا، تلوار لے کر اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا چلو! راتوں کو اِس شکار کرنے والی لومڑی تک مجھے لے چلو۔" یہ سُن کر وہ شخص آگے ہو لیا اور سلطان اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا، گھر پہنچ کر اُس شخص نے سلطان کو وہ جگہ بتائی جہاں وہ ظالم شخص خزانہ کا سانپ بنا ہوا سو رہا تھا۔ سلطان نے تلوار کا ایک

بھرپور ہاتھ ایسا جمایا کہ تمام فرش پر انصاف کا لالہ زار کھل گیا، اس کے بعد سلطان مڑا اور مظلوم صاحب خزانہ کو بلا کر فرمایا "اب تو محمود سے خوش ہو"۔ یہ کہہ کر محمود نے مصلیٰ منگوایا، ایک طرف بچھا کر دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھی پھر اس شخص سے مخاطب ہو کر پوچھا "گھر میں کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ"۔ اس شخص نے جواب دیا "ایک چیونٹی سلیمان کی کیا خاطر کر سکتی ہے، جو کچھ ہے حاضر کرتا ہوں"۔ یہ کہہ کر دستر خوان ڈھونڈھ کر سوکھی روٹی کے کچھ ٹکڑے لیے ہوئے آیا اور سلطان کے سامنے رکھ دیئے۔ سلطان نے اس درجہ رغبت اور شوق سے یہ ٹکڑے کھائے کہ شاید عمر بھر میں کوئی لذیذ غذا اس طرح نہ کھائی ہوگی، کھانے سے فارغ ہو کر سلطان نے اس شخص سے کہا، معاف کرنا میں نے تمہیں کھانے کے لیے تکلیف دی، لیکن سنو! بات یہ ہے کہ جس روز تم ملے اور اپنا دکھڑا سنایا اس وقت سے میں نے قسم کھالی تھی کہ جب تک اس خبیث کے سر کو اس کے شانے سے جدا کر کے تمہارے گھر کو پاک نہ کر دوں گا۔ رزق کو حرام سمجھوں گا، پھر دو رکعت نماز میں نے شکرانہ میں پڑھی جس پر تم حیران ہو رہے ہو گے، لیکن سنو! اس شخص کے متعلق مجھے اندیشہ تھا کہ میرے بیٹوں میں کوئی ہوگا، میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ میرے درباریوں اور مصاحبوں کو اتنی جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ میرے مزاج سے واقف ہوتے ہوئے ایسی حرکت کریں۔ میں جس قدر زیادہ سوچتا گیا اسی قدر میرا الیقین بڑھتا گیا کہ اتنی بڑی گستاخی کی ہمت صرف بادشاہ کی اولاد کو ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ عام طور پر غرور کے نشہ میں مست رہتے ہیں چنانچہ میں تمہارے ساتھ یہاں اپنے کسی فرزند کو قتل کرنے کے

ارادہ سے آیا تھا، جب مَیں نے صُورت دیکھی تو معلوم ہوا کہ یہ میرا فرزند نہیں، کوئی غیر شخص ہے۔ اس لیے مَیں نے خُدا کا شکر ادا کیا۔

(جامع الحکایات ولوامع الروایات از سدید الدین محمد عوفی ورق ۴۹، قلمی نسخہ دار المصنفین نیز دیکھو اردو ترجمہ جلد اول شائع کردہ انجمن ترقی اردو ص ۴۱۔ ۳۸)ء ؎

حِلم وعَفو

"حضرت خواجہ معین الدّین چشتیؒ (م ۶۲۷ھ) کی طبیعت میں حِلم وعَفو کی درویشانہ صفتیں انتہائی درجہ تک تھیں، ایک بار ایک بدباطن شخص اُن کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا، حضرت خواجہؒ کو اس کا علم نورِ باطن سے ہوگیا، وہ شخص جب نزدیک آیا تو بہت ہی اخلاق سے پیش آئے اور اپنے پاس بٹھا کر فرمایا جس ارادہ سے آئے ہو اُس کو پورا کرو، یہ سنتے ہی وہ شخص کانپنے لگا، سربسجود ہوکر عاجزی سے بولا کہ مجھ کو لالچ دے کر آپ کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا، یہ کہہ کر بغل سے چھری نکالی اور سامنے ڈال دی، پھر قدموں پر گر کر کہنے لگا کہ آپ مجھ کو اس کی سزا دیجیے، بلکہ میرا کام ہی تمام کر دیجئے، خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہم درویشوں کا شیوہ ہے کہ ہم سے کوئی بدی بھی کرتا ہے تو ہم اُس کے ساتھ نیکی سے پیش آتے ہیں، تم نے تو میرے ساتھ اب تک کوئی بُرائی نہیں کی، یہ کہہ کر اس کے لیے دعائیں کیں وہ شخص بہت متاثر ہوا اور اسی وقت سے خدمت میں

؎ ہندوستان کی بزمِ رفتہ کی سچی کہانیاں حصّہ دوم ص ا تا ۴، یہ واقعہ تاریخ فرشتہ ج ا ص ۱۴۵ پر بھی قدرے تغیّر کے ساتھ درج ہے۔

رہنے لگا، حضرت خواجہؒ کی دُعاؤں کی بدولت اس کو متعدد بار حج کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اسی مقدس سرزمین میں پیوندِ خاک ہوا۔

(سیر الاقطاب ص ۱۲۴-۱۳۳)،، [1]

تندرستی ہزار نعمت ہے

حدیث شریف میں آتا ہے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

"مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمْ مُعَافًا فِیْ جَسَدِهٖ آمِنًا فِیْ سِرْبِهٖ عِنْدَهٗ قُوْتُ يَوْمِهٖ فَكَاَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا" [2]	تم میں سے جس نے اس حال میں صبح کی ہو کہ اُسے[1] اپنے جسم و بدن میں عافیت دی گئی ہو (یعنی اسے کسی قسم کی جسمانی بیماری یا تکلیف نہ ہو) اور[2] وہ اپنی جان کے بارے میں بالکل بے خطر اور مطمئن ہو (یا یہ کہ اُسے راستہ میں ہر طرح کا امن و امان حاصل ہو) اور[3] اس کے پاس ایک دن کے کھانے پینے کا سامان موجود ہو تو وہ سمجھ لے کہ اُسے گویا دنیا جہان کی ہر نعمت عطا کر دی گئی ہے۔

---

[1] ہندوستان کی بزمِ رفتہ کی سچی کہانیاں حصّہ اوّل ص ۲۷

[2] ابن ماجہ ص ۳۱۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ایک سو ایک فیصد صحیح اور برحق ہے، راقم کی نظر سے گجرات کے ایک بادشاہ کا واقعہ گزرا جس سے اس حدیث مبارک کی صداقت کا اظہار ہوتا ہے جی چاہا کہ نذرِ قارئین کیا جائے، ملاحظہ فرمائیے۔

"گجرات کا حکمران سلطان قطب الدین بن محمد شاہ بسترِ مرگ پر بڑی تکلیف میں مُبتلا تھا، اسی حالت میں اُس کی نظر اپنے محل کے جھروکے سے سانبھر ندی کے ساحل پر گئی جس پر محل واقع تھا، دیکھا کہ ایک لکڑ ہارے نے سر پر لکڑیوں کا ایک بھاری بوجھ لادے ہوئے بڑی مشقت سے ندی کو عبُور کیا، کنارے آکر بوجھ کو زمین پر ڈالا اور کمر سے سوکھی روٹی نکال کر پیاز سے کھانے لگا، اُس کو خوب بھُوک لگی تھی اس لیے بڑی رغبت سے کھایا، پھر ندی کنارے آیا اور سیر ہوکر پانی پیا اور ایک دیوار کے سایہ کے نیچے سوگیا۔ سلطان نے اس کو دیکھ کر کہا کہ کاش میری بادشاہت اس لکڑ ہارے کو دے دی جاتی اور اس کی تندرستی مجھ کو عطا کردی جاتی اور مَیں لکڑ ہارے ہی کے کام میں لگ جاتا۔ ؎

چرا نالد کسے از تنگدستی   کہ گنجِ بے شمار است تندرستی[1]"

(تنگدستی کی وجہ سے کوئی کیوں روتا ہے (کیا اُسے معلوم نہیں کہ تندرستی بیشمار خزانہ ہے۔)

---

[1] مرآۃ سکندری بحوالہ ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ج ۱ ص ۱۶۲

رمضان اور قرآن

قارئین محترم ـــــــ رمضان اور قرآن کی مناسبت سے ہم ان صفحات میں قرآن پاک میں مذکور قدرتِ خداوندی سے متعلق کچھ چیزیں ذکر کریں گے۔ ان چیزوں سے جہاں اللہ تعالیٰ کی عظیم صنعت و کاریگری اور اس کی بے پناہ قدرت و وسعت کا اظہار ہوتا ہے وہیں قرآن مجید کے حسنِ بیان اور طرزِ ادا سے انتہائی کیف و سرور بھی حاصل ہوتا ہے۔

"انسان" اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا ایک حسین کرشمہ ہے۔ کائناتِ ارضی و سماوی میں اس سے زیادہ حسین کوئی مخلوق نہیں، خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں چار چیزوں (۱) انجیر (۲) زیتون (۳) طورِ سینا (۴) امن والے شہر یعنی مکہ معظمہ) کی قسم کھا کر حسنِ انسانی کا تذکرہ فرمایا ہے۔

حسنِ انسانی کا ایک عجیب واقعہ

علامہ قرطبی مالکی رحمہ اللہ (م ۶۷۱ھ) نے سورۃ التین کی تفسیر میں ایک واقعہ نقل فرمایا ہے یہ واقعہ دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ حیرت انگیز بھی ہے اور اس سے حسنِ انسانی کی قدر و قیمت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔

"عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی (جو خلیفہ ابو جعفر منصور کے دربار کے مخصوص لوگوں میں سے تھے) اپنی بیوی سے بہت محبّت رکھتے تھے، ایک روز (چاندنی رات میں بیوی کے ساتھ بیٹھے ہوئے) بول اُٹھے "اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا اِنْ لَمْ تَکُوْنِیْ اَحْسَنَ مِنَ الْقَمَرِ" تم پر تین طلاقیں ہیں اگر تم چاند سے زیادہ حسین نہ ہو۔ یہ سُنتے ہی اُن کی بیوی پردہ میں چلی گئی کہ آپ نے مجھے طلاق دے دی، (بات ہنسی دل لگی کی تھی مگر طلاق کا حکم یہی ہے کہ کسی طرح بھی طلاق کا صریح لفظ بیوی کو کہہ دیا جائے تو طلاق پڑجاتی ہے، خواہ ہنسی دل لگی ہی میں کہا جائے) عیسیٰ بن موسیٰ نے رات بڑی بے چینی اور رنج و غم میں گزاری، صبح کو خلیفہ وقت ابو جعفر منصور کے پاس حاضر ہوئے اپنا قصّہ سُنایا اور پریشانی کا اظہار کیا، منصور نے شہر کے فقہاء اور اہل فتوٰے کو جمع کر کے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا، سب نے ایک ہی جواب دیا کہ طلاق ہو گئی (کیونکہ چاند سے زیادہ حسین ہونے کا کسی انسان کے لیے امکان ہی نہیں) ایک عالم جو حضرت امام ابو حنیفہ رحؒ کے شاگردوں میں سے تھے خاموش بیٹھے رہے منصور نے ان سے پوچھا مَالَكَ لَا تَتَكَلَّمُ؟ آپ کیوں خاموش ہیں؟ تب یہ بولے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر یہ آیاتِ کریمہ تلاوت کیں "وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ" ۝۴ (قسم ہے انجیر (کے درخت) کی اور زیتون (کے درخت) کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر (یعنی مکہ معظمہ) کی ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں

ڈھالا ہے) فرمایا: اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ میں ہونا بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا کوئی شئے اُس سے زیادہ حسین نہیں ہوسکتی، منصور، عیسیٰ بن موسیٰ کی طرف متوجہ ہوکر بولا: انہوں نے جو بات کی ہے وہ بالکل درست ہے، تم بیوی کے پاس جاؤ، اور اُن کی بیوی کی طرف پیغام بھیجا کہ اپنے شوہر کی اطاعت کرو نافرمانی سے مت پیش آؤ تمہیں طلاق نہیں ہوئی۔" [۱]

قدرتِ خداوندی کے اس کرشمہ کی تخلیق کن زاویوں میں اور کن مدارج سے گزر کر ہوتی ہے یہ چیزیں عقلِ انسانی کو حیران کر دینے والی ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ ہم یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ انہیں ذکر کر رہے ہیں۔

اِنسانی تخلیق تین اندھیروں میں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْأَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ أَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ أُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ۶:۳۹	اس نے تم لوگوں کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور تمہارے (نفع کے) لیے آٹھ نر و مادہ چوپایوں کے پیدا کیے، وہ تم کو ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا ہے اور یہ بنانا تین اندھیروں میں ہوتا ہے۔

---

[۱] الجامع لاحکام القرآن ج ۲۱ ص ۱۱۴

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ تین اندھیروں سے مراد ① شکم اور پیٹ کا اندھیرا ② رحم کا اندھیرا ③ اور مشیمہ یعنی اُس جھلّی کا اندھیرا ہے جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔

انسانی تخلیق کے سات مدارج

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے سات مدارج ذکر فرمائے ہیں۔ سب سے پہلے سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ، (مٹی کا خلاصہ) دوسرے درجہ میں نُطْفَة، تیسرے درجہ میں عَلَقَة (خون کا لوتھڑا) چوتھے میں مُضْغَة (گوشت کا ٹکڑا) پانچویں میں عِظَام (یعنی ہڈیاں) چھٹے دور میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانا، ساتواں دَور تکمیلِ تخلیق کا ہے یعنی روح پھونکنا چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ	اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ
مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ	سے بنایا پھر ہم نے اس کو نطفہ سے
⑫ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً	بنایا جو کہ ایک محفوظ مقام میں
فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ⑬	رہا، پھر ہم نے اس نطفہ کو خون
ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ	کا لوتھڑا بنایا، پھر ہم نے اس
عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ	خون کے لوتھڑے کو (گوشت
مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ	کی) بوٹی بنا دیا، پھر ہم نے اس
عِظٰمًا فَكَسَوْنَا	بوٹی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں
الْعِظٰمَ لَحْمًا ق	بنا دیا، پھر ہم نے اُن ہڈیوں پر
ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ	گوشت چڑھا دیا، پھر ہم نے
خَلْقًا اٰخَرَ ط	اُس میں روح ڈال کر اس کو
فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ	ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا

اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ ⑭ دیا سو کیسی شان ہے اللہ کی جو تمام صنّاعوں سے بڑھ کر ہے۔ (۲۳: ۱۲ تا ۱۴)

انسان کی مختلف کیفیات اور متعدد اندھیروں میں تخلیق اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت کی دلیل اور ظلماتِ ثلثہ میں پیدا کرنا کمالِ علم کی دلیل ہے اور کلام اللہ میں ان کا نہایت حسین انداز میں بیان ہونا اعجازِ قرآنی کی دلیل ہے۔

شبِ قدر کی تعیین میں ایک عجیب لطیفہ

"تفسیر قرطبی میں اس جگہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ سے اسی آیت سے استدلال کر کے ایک عجیب لطیفہ شب قدر کی تعیین میں نقل کیا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضؓ نے ایک مرتبہ اکابر صحابہ کے مجمع سے سوال کیا کہ شبِ قدر رمضان کی کونسی تاریخ میں ہے؟ سب نے جواب میں صرف اتنا کہا کہ وَاللہُ اَعۡلَمُ کوئی تعیین بیان نہیں کی۔ حضرت ابن عباس رضؓ ان میں سب سے چھوٹے تھے اُن سے خطاب فرمایا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ ابن عباس رضؓ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے آسمان سات پیدا کیے زمینیں سات پیدا کیں، انسان کی تخلیق سات درجات میں فرمائی، انسان کی غذا سات چیزیں بنائیں اس لیے میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ شب قدر ستائیسویں شب ہوگی۔ فاروق اعظم رضؓ نے یہ عجیب استدلال سُن کر اکابر صحابہ رضؓ سے فرمایا: آپ سے وہ بات نہ ہو سکی جو اس لڑکے نے کی جس کے سر کے بال بھی ابھی مکمل نہیں ہوئے" یہ حدیث طویل ابن ابی شیبہ کے مُسنَد میں ہے، حضرت ابن عباس رضؓ نے تخلیق انسان کے سات درجات سے مُراد وہی لیا ہے جو اس آیت

(وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ تا فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ)
میں ہے اور انسان کی غذا کی سات چیزیں سورۃ عَبَسَ وَتَوَلّٰی کی آیت
(فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا وَّحَدَآئِقَ
غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا) میں ہیں اس آیت میں آٹھ چیزیں مذکور ہیں جن میں سے
پہلی سات انسان کی غذا ہیں اور آخری یعنی اَبّ یہ جانوروں کی غذا ہے"۔[1]

کھجور کے سات اطوار

جس طرح انسانی تخلیق کے سات مدارج ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت
کاملہ سے ایک پھل ایسا پیدا فرمایا ہے جس پر پے در پے سات اطوار گزرتے ہیں یہ پھل کھجور
ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ فرمایا ہے اس پھل پر گزرنے والے
اطوار درج ذیل ہیں۔ (۱) طَلَعٌ (۲) اِغْرِيْض (۳) بَلَحٌ (۴) زَهْوٌ (۵) بُسْرٌ
(۶) رُطَبٌ (۷) تَمْرٌ۔

شیخ احمد الصادی المالکی رحمہ اللہ (م ۱۲۴۱ھ) آیت کریمہ۔" اَتُتْرَكُوْنَ
فِيْ مَا هٰهُنَا اٰمِنِيْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا
هَضِيْمٌ ۝ (۲۶ : ۱۴۶ تا ۱۴۸) کیا تم کو ان ہی چیزوں میں بے فکری سے رہنے دیا
جائے گا جو یہاں (دنیا میں) موجود ہیں یعنی باغوں میں اور چشموں میں اور اُن کھجوروں میں
جن کے گچھے خوب گوندے ہوئے ہیں ——— کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔

" طلعها هو (آیت کریمہ میں) طَلْعٌ سے مراد
ثمرها ف ——— کھجور کی بالکل ابتدائی حالت کا پھل

---

[1] الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ ص ۱۰۰۔ بحوالہ معارف القرآن ج ۶ ص ۳۰۲

اول ما يطلع كنصل السيف في جوفه شماريخ القنو و بعده الاغريض و يسمى خلالاً ، ثم البلح ، ثم الزهو ، ثم البسر ، ثم الرطب ، ثم التمر ، يجمعها قولك « طاب زبرت » فاطوار النخيل سبعة كاطوار الانسان ، ولذا ورد في الحديث « اكرموا عمّاتكم النخل » [1]

ہے جیسے تلوار اور چاقو کا پھل ہوتا ہے کھجور کے اس ابتدائی حالت کے پھل کے اندر کھجوروں کے گچھوں کی کلیاں ہوتی ہیں طَلْعْ کے بعد کا درجہ اِغْرِیْض ہے جسے خلال بھی کہا جاتا ہے (اس درجہ میں کھجور سفید و تر و تازہ ہوتی ہے) اِغْرِیْض کے بعد کا درجہ بَلَحْ ہے، (اس درجہ میں کھجور معمولی سی پکتی ہے) اس کے بعد کا درجہ زَہْو ہے، (اس درجہ میں کھجور بڑھتی ہے) اس کے بعد کا درجہ بُسْر ہے، (گدر کھجور کو بُسْر کہتے ہیں) اس کے بعد کا درجہ رُطَب ہے (پختہ تازہ کھجور کو رُطَب کہتے ہیں) اس کے بعد کا درجہ تَمْر کہلاتا ہے (جب کھجور خشک ہو کر چھوارہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے تو اُسے تمر کہتے ہیں) یہ ساتوں درجے لفظ طَابَ زَبَرْتَ میں جمع ہیں، اس طرح کھجور کے

---

[1] حاشیۃ الصاوی ج ۳ ص ۲۲۱، حدیث میں ہے " اکرموا عمتکم النخلة فانها خلقت من

(باقی اگلے صفحہ پر)

سات اطوار ہوئے جس طرح (تخلیق میں) انسان کے سات اطوار ہوتے ہیں اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ اپنی عَمَّۃ کھجور کا اکرام کرو۔

کھجور کی گٹھلی میں چار چیزیں

کھجور کے متعلق بات چل نکلی ہے تو یہ بھی سنتے چلیں کہ کھجور کی گٹھلی دیکھنے میں نہایت معمولی سی چیز ہے لیکن اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے چار چیزیں ایسی بنائی ہیں جنہیں کسی چیز کے انتہائی قلیل اور معمولی ہونے میں مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، وہ چار چیزیں درج ذیل ہیں، (۱) فَتِیْلٌ (۲) قِطْمِیْرٌ (۳) نَقِیْرٌ (۴) نُفْرُوْقٌ۔

شیخ احمد الصاوی المالکی کے استاذ مکرم علامہ سلیمان الجمل الشافعیؒ (م ۱۲۰۴) ارشاد باری ـــ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ مَا یَمْلِکُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ ۝ (۳۵ : ۱۳) اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے ـــ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں۔

" ومعلوم	یہ بات معلوم رہنی چاہیے کہ کھجور
ان فی النواۃ	کی گٹھلی میں چار چیزیں ایسی ہیں
اربعۃ اشیاء یضرب	جنہیں معمولی اور قلیل ہونے میں
بہ المثل فی	مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے
القلۃ ، الفتیل	(۱) فتیل، کھجور کے شگاف کی

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ: فضلۃ طینۃ ابیکم آدم" مطلب یہ ہے کہ اپنی پھوپھی کھجور کے درخت کا اکرام کرو کیونکہ جس مٹی سے تمہارے جدِّ امجد جناب آدم کا خمیر بنایا گیا تھا اس کے بچے ہوئے مادے سے نخلہ کی تخلیق ہوئی ہے۔

وھو ما فی شق النواۃ والقطمیر وھو اللفافۃ والنقیر وھو ما فی ظھرھا والنفروق وھو ما بین القمع والنواۃ۔"[1]

باریک بتی (۲) قطمیر، کھجور کی گٹھلی کے اوپر باریک جھلی (۳) نقیر، کھجور کی گٹھلی کی پشت میں باریک نقطہ (۴) نفروق، کھجور کی گٹھلی اور کھجور کے سرے پر جو پنیدی سی ہوتی ہے اس کے درمیان معمولی سی چیز۔

ان چار چیزوں میں سے پہلی تین چیزوں کا تذکرہ خود قرآن میں موجود ہے چنانچہ سورۂ نساء آیت نمبر ۷۷ میں ارشادِ خداوندی ہے۔ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ○ اور آخرت ہر طرح سے بہتر ہے اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچے اور تم پر تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۲۴ میں ارشاد ہے۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ○ اور جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو سو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا سورۂ فاطر آیت نمبر ۱۳ میں ارشاد ہے۔ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ○ اور اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔

---

[1] حاشیۃ الجمل علی الجلالین ج ۳ ص ۴۹۰ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی۔

اِنسان کی عمر کے چار مراتب

علامہ علاء الدین علی بن محمد خازنؒ (م ۷۲۵ھ) آیت کریمہ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَىْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ (۱۶ : ۷۰) اور اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا۔ پھر وہی تمہاری جان قبض کرتا ہے اور بعض تم میں وہ ہیں جو ناکارہ عمر تک پہنچائے جاتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتے ہیں بیشک اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی قدرت والے ہیں ـــــ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں

"قال بعض العلماء عمر الانسان له اربع مراتب اولها من النشو والنماء وهو من اوّل العمر الى بلوغ ثلث وثلثين سنة وهو غاية سن الشباب وبلوغ الاشد، ثم المرتبة الثانية سن الوقوف وهو من ثلث وثلثين سنة

بعض علماء کا کہنا ہے کہ انسان کی عمر کے چار مراتب ہیں پہلا مرتبہ نشوونما کا ہے (جس میں انسان پھلتا پھولتا ہے) یہ مرتبہ آغازِ عمر سے لے کر تینتیس ۳۳ برس تک کی عمر کے درمیان کا ہے جو انسان کے انتہائی شباب اور جوانی کا دور ہے۔ دوسرا مرتبہ وقوف کا ہے (یعنی اس مرتبہ میں انسان کے اندر ٹھہراؤ آجاتا ہے نہ وہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے) یہ مرتبہ تینتیس ۳۳ سے لے کر چالیس برس تک کی عمر کے درمیان کا ہے جو انسان

الی اربعین سنة وهو غایة القوه وکمال العقل، ثم المرتبة الثالثة سن الکهولة وهو من الاربعین الی الستین وهذه المرتبة یشرع الانسان فی النقص لکنه یکون نقصا خفیا لا یظهر ثم المرتبة (الرابعة) سِنُّ الشیوخة والانحطاط من الستین الی آخر العمر وفیها یتبین النقص ویکون الهرم والخرف» [1]

کی جسمانی قوت کی انتہا اور انسانی عقل کے کمال کا دور ہے تیسرا مرتبہ کُھُولَتْ کا ہے، یہ مرتبہ چالیس سے لے کر ساٹھ برس تک کی عمر کے درمیان کا ہے اس مرتبہ میں انسان گھٹنا شروع ہو جاتا ہے تاہم یہ گھٹنا اتنا مخفی ہوتا ہے کہ اس کا پتہ نہیں چلتا چوتھا مرتبہ شیخوخة اور انحطاط (یعنی بڑھاپے اور زوال) کا ہے، یہ مرتبہ ساٹھ سے لے کر زندگی کی اخیر تک کے درمیان کا ہے۔ اس میں انسان کا گھٹنا بالکل عیاں ہو جاتا ہے اور انسان انتہائی بوڑھا ہو کر سٹھیا جاتا ہے۔

---

[1] لباب التاویل فی معانی التنزیل، المعروف بہ تفسیر الخازن ج ۴ ص۸۴

تقویٰ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ: "بندہ اُس وقت تک مُتَّقِیْن میں سے شمار نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ وہ بہت سی ایسی چیزوں کو استعمال کرنا نہ چھوڑ دے جن کے استعمال میں کوئی حرج نہیں اُن چیزوں سے بچنے کے لیے جن کے استعمال کرنے میں حرج ہے۔" [1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "بندہ تقوے کی حقیقت کو اُس وقت تک نہیں پا سکتا جب تک کہ وہ اُن چیزوں کو استعمال کرنا نہ چھوڑ دے جن کے استعمال سے دل میں کسی بھی قسم کی کھٹک پیدا ہوتی ہو۔" [2]

ان ارشاداتِ گرامی سے معلوم ہو رہا ہے کہ تقوے کی حقیقت اور اُس کی آخری سٹیج یہ ہے کہ انسان مشتبہ چیزوں کے ساتھ ساتھ اُن چیزوں سے بھی بچے جو دل میں کسی بھی قسم کی کھٹک کا باعث ہوں۔

تقوے کی اس حقیقت کو ہمارے اکابر و اسلاف نے سمجھا تھا۔ اُن کے حالات و واقعات بتلاتے ہیں کہ وہ حقیقی معنیٰ میں تقوے کی اس اسٹیج پر فائز تھے،

---

[1] ابن ماجہ عربی ص۳۲۱

[2] بخاری شریف عربی ج ۱ ص۲

عبرت و نصیحت کے لیے اکابر و اسلاف کے چند واقعات نذرِ قارئین کیے جاتے ہیں۔

علامہ ابن سیرینؒ کا تقویٰ

حضرت علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۰ھ) اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدّث، فقیہ، علمِ تعبیر الرؤیا کے ماہر اور انتہائی متقی و پرہیزگار بزرگ تھے ایک دفعہ شدّتِ احتیاط کی وجہ سے تنگدست ہو کر مقروض ہو گئے اور قرض ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے مدّت تک جیل میں رہے۔ مؤرخین نے آپ کے قید ہونے کا سبب یہ لکھا ہے کہ

"ایک مرتبہ آپ نے بغرضِ تجارت چالیس ہزار درہم کا تیل خریدا، تیل مشکیزوں میں تھا، اتفاق سے ایک مشکیزہ میں مرا ہوا چوہا ملا۔ آپ نے فرمایا: ہوسکتا ہے یہ چوہا مَعْصَرَہ (یعنی تیل کے معدن اور ذخیرہ) میں مرا ہو، چنانچہ آپ نے وہ سارا کا سارا تیل (نجس قرار دے کر) بہا دیا، اور تیل کی قیمت ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے مقروض ہو گئے اور مدّت تک جیل میں رہے۔" [1]

حضرت علامہ ابن سیرینؒ کو جو صورت پیش آئی اس میں شرعی فتوے کے مطابق صرف اُس مشکیزہ کا تیل ناپاک شمار ہوتا تھا جس میں مرا ہوا چوہا ملا تھا۔ لہٰذا صرف اُسی مشکیزہ کا تیل ضائع کرنا کافی تھا، لیکن چونکہ آپ پر شدّتِ تقویٰ اور شدّتِ احتیاط کا غلبہ تھا اس لیے آپ کو خیال آیا کہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ یہ چوہا تیل کے مرکزی ذخیرہ میں گر کر مرا ہو اور پھر وہاں سے اس مشکیزہ میں آیا ہو اس امکانی صُورت کے پیشِ نظر آپ نے سارے مشکیزوں کا تیل نجس قرار دے کر ضائع کر دیا اور تیل کی قیمت ادا نہ کر سکنے کی

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۶۱۳

وجہ سے مقروض ہو گئے اور مدت دراز تک جیل میں رہے۔

عبد الحمید بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ

"جیل کے داروغہ نے آپ سے کہا کہ رات کو آپ گھر والوں کے پاس چلے جایا کریں اور صبح کو آجایا کریں، آپ نے فرمایا: خدا کی قسم میں سلطان سے خیانت کرنے پر تیرا مددگار نہیں بنوں گا۔" [۱]

"ایک مرتبہ آپ نے بیع کے طور پر غلہ خریدا، اس میں آپ کو اسی ہزار درہم کا فائدہ ہوا، لیکن آپ کے دل میں شک پیدا ہو گیا کہ اس منافع میں سود کا شائبہ ہے۔ اس لیے پوری رقم چھوڑ دی حالانکہ اس میں مطلق ربوا نہ تھا۔" [۲]

ابن عون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"اگر کسی طرح آپ کے پاس کوئی کھوٹا درہم یا کھوٹا سکہ آجاتا تو اس سے قطعاً کوئی چیز نہیں خریدتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس دن آپ کی وفات ہوئی اس دن آپ کے پاس پانچ سو کھوٹے درہم تھے [۳] جو آگے نہ چلانے کی وجہ سے جمع ہو گئے تھے۔

ہشام بن حسان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر میں خواب میں بھی کسی عورت کو دیکھتا ہوں اور مجھے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ غیر محرم ہے تو میں (خواب میں بھی) اس

---

[۱] سیر اعلام النبلاء، ج ۴ ص ۲۱۶

[۲] طبقات ابن سعد ج ۷، ص ۱۹۹

[۳] طبقات ابن سعد ج ۷، ص ۲۰۱

سے آنکھیں پھیر لیتا ہوں۔" [1]

ابو عوانہؒ فرماتے ہیں کہ

"میں نے محمد بن سیرینؒ کو کچھ لوگوں کے پاس سے گزرتے دیکھا، میں نے دیکھا کہ آپ جن لوگوں کے پاس سے بھی گزرتے ہیں وہ خود بخود اللہ کی تسبیح اور اللہ کا ذکر کرنے لگتے ہیں۔" [2]

علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ کے ان محاسن کا بڑے بڑے صحابہ اور تابعین پر اتنا اثر تھا کہ وہ اُن سے جنازہ کی نماز پڑھوانا باعثِ برکت سمجھتے تھے۔

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو آپ کے استاذ بھی تھے اُنہوں نے مَرضُ المَوت میں وصیّت کی تھی کہ اُن کی وفات کے بعد ابن سیرینؒ انہیں غسل دیں اور اُن کے جنازہ کی نماز پڑھائیں۔ اتفاق سے حضرت انسؓ کی وفات کے زمانہ میں آپ قید تھے اس لیے حاکمِ شہر سے حصولِ اجازت کے بعد آپ تشریف لائے اور غسل، تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کے بعد اپنے گھر والوں سے ملے بغیر سیدھے قید خانے چلے گئے۔ [3]

حضرت ثابت بُنانی رحمہ اللہ جو اپنے زمانے کے سب سے بڑے نمازی تھے اُن کا بیان ہے کہ جن دنوں حضرت خواجہ حسن بصریؒ حجاج کے مظالم کی وجہ سے روپوش تھے اُن دنوں آپ کی صاحبزادی کا انتقال ہو گیا۔ میں نے جلدی سے جا کر آپ کو اطلاع دی میرا خیال تھا کہ آپ مجھ ہی کو نماز

---

[1] تاریخ طبری ج ۵ ص ۳۳۶

[2] تاریخ طبری ج ۵ ص ۳۳۷

[3] وفیات الاعیان ج ۴ ص ۱۸۲

کا حرام گوشت اُن کے گھر تک نہ پہنچ جائے) آپ نے لوگوں سے پوچھا بکری کی عمر کتنی ہوتی ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ سات سال آپ نے سات سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا۔

علامہ صالحی دمشقیؒ جو اس واقعہ کے ناقل ہیں آگے فرماتے ہیں کہ

"میں نے مناقب کی کسی کتاب میں یہ بھی لکھا دیکھا ہے کہ انہی دنوں کچھ فوجیوں نے بکری کا گوشت کھا کر اس کے بچے ہوئے ٹکڑے کوفہ کے دریا میں پھینک دیے۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ مچھلی کتنے عرصہ تک زندہ رہ سکتی ہے؟ لوگوں نے آپ کو اس کی عمر کی بابت بتلایا کہ اتنے اتنے سال چنانچہ آپ اتنے عرصے مچھلی کھانے سے رُکے رہے اور اتنے عرصہ مچھلی نہیں کھائی"۔[1]

مال کا عیب نہ بتانے کی وجہ سے ساری رقم صدقہ کر دی

علی بن حفصؒ فرماتے ہیں۔

"حفص بن عبدالرحمٰن حضرت امام صاحبؒ کے کاروبار میں شریک (یعنی حصہ دار تھے) حضرت امام صاحبؒ کے ذمہ مال کی فراہمی تھی۔ ایک مرتبہ آپ نے حفص کے پاس سامان بھیجا اور انہیں یہ کہلوا دیا کہ دیکھو فلاں کپڑے میں یہ عیب ہے جب یہ سامان فروخت کرو تو خریدار کو وہ عیب بتلا دینا، حفص نے وہ سامان فروخت کر دیا اور کپڑے کا عیب بیان کرنا بھول گئے اور انہیں یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ سامان خرید کر لے جانے والا کون ہے۔ حضرت امام

---

[1] عقود الجمان ص ۲۴۴

صاحب کو جب اس صورتِ حال کا علم ہوا تو آپ نے اس سامان کی ساری رقم صدقہ کردی جو کہ تیس ہزار درہم بنتی تھی اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اپنے شریک حفص سے کاروبار میں علیحدگی اختیار کرلی"۔ [1]

امام صاحبؒ کے تقوے کے سبب مجوسی نے اسلام قبول کرلیا

امام فخرالدین رازی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں۔

"مروی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ایک مجوسی کے ذمہ کچھ قرضہ تھا، (ایک روز) آپ اس کے مطالبہ کے سلسلہ میں اس مجوسی کے گھر تشریف لے گئے۔ جب آپ اس کے گھر کے دروازے کے قریب پہنچے تو آپ کی جوتی پر (اتفاقاً) کچھ نجاست لگ گئی۔ آپ نے (نجاست دُور کرنے کی غرض سے) جوتی کو جھاڑا تو کچھ نجاست جوتی سے اُڑ کر مجوسی کے گھر کی دیوار پر جا لگی، آپ اس صورتِ حال سے حیران ہوئے اور جی میں کہنے لگے: "اگر میں اس نجاست کو اسی طرح رہنے دیتا ہوں تو یہ مجوسی کی دیوار کی بدنمائی کا سبب بنے گی، اور اگر اسے دیوار سے کھرچتا ہوں تو دیوار سے (نجاست کے ساتھ ساتھ) مٹی بھی جھڑے گی (اور یہ مجوسی کے نقصان کا سبب ہوگا) آپ نے (اسی حیرانی کی حالت میں) دروازہ کھٹکھٹایا جس پر ایک لونڈی باہر آئی، آپ نے اُس سے کہا کہ اپنے آقا سے جا کر کہہ کہ ابوحنیفہ باہر کھڑے ہیں۔ مجوسی باہر آیا اور اُس نے یہ خیال کرکے کہ یہ مال کا مطالبہ کرنے آئے ہونگے۔

---

[1] عقود الجمان صفحہ ۲۲۰

معذرت کرنی شروع کر دی، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اُس سے فرمایا (بھائی) مال کی بات چھوڑو یہاں تو اس سے بھی زیادہ اہم قصّہ پیش آ گیا ہے۔ آپ نے دیوار پر نجاست لگ جانے کا قصّہ ذکر کیا اور اس سے پوچھا کہ یہ بتاؤ دیوار کے پاک وصاف کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ مجوسی (امام صاحبؒ کی اس حزم احتیاط اور تقویٰ وللّٰہیت کو دیکھ کر) بولا (دیوار تو بعد میں پاک کریں گے) پہلے میں اپنے نفس کو پاک کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ اُسی وقت مسلمان ہو گیا۔" [۱]

نظر کی حفاظت

خارجہ بن مصعبؒ فرماتے ہیں میں حج کو جانے لگا تو اپنی باندی امام ابوحنیفہؒ کے پاس چھوڑ گیا۔ مکّہ مکرمہ میں تقریباً چار مہینہ رہا، واپس آیا تو میں نے امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا کہ آپ نے اس باندی کی خدمت گزاری اور اخلاق کو کیسا پایا؟ آپ نے فرمایا جس نے قرآن پاک پڑھا اور وہ لوگوں کے دین کی حفاظت میں لگ گیا۔ حلال و حرام بتلانے لگا وہ اس بات کا محتاج ہے کہ اپنے آپ کو فتنہ سے بچائے، خدا کی قسم میں نے تمہاری باندی کو جب سے تم چھوڑ کر گئے ہو اس وقت سے لے کر اب تک نہیں دیکھا۔ [۲]

خارجہ بن مصعبؒ کہتے ہیں کہ میں نے باندی سے امام صاحبؒ اور اُن کے گھریلو اشغال کے بارے میں پوچھا تو وہ بولی کہ امام صاحبؒ جیسا انسان تو میں نے دیکھا نہ سُنا، میں نے نہیں دیکھا کہ آپ نے رات میں یا دن میں

---

[۱] التفسیر الکبیر للامام الرازی ج ۱ ص۲۳۲ تحت قولہ تعالیٰ ملک یوم الدین۔

[۲] شرعاً اجنبیہ باندی سے پردہ نہیں ہے دیکھنا جائز ہے دیکھیے ہدایہ ج ۴ ص۴۶۲ باب الکراہیۃ

غسلِ جنابت کیا ہو۔ آپ جمعہ کے دن گھر سے نکلتے تھے اور فجر کی نماز پڑھ کر گھر چلے آتے تھے اور اُس دن چاشت کی نماز بہت مختصر پڑھتے تھے۔ کیونکہ جمعہ کے دن بہت سویرے جامع مسجد جانے کا معمول تھا، چنانچہ آپ جمعہ کا غسل فرماتے، خوشبو لگاتے اور نماز جمعہ کے لیے تشریف لے جاتے۔ مَیں نے دن میں آپ کو کبھی بے روزے نہیں دیکھا۔ آپ رات کے آخری حصّہ میں کھانا کھاتے پھر تھوڑی دیر آرام فرماتے پھر فجر کی نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔" [1]

حضرت شیخ فرید الدّین عطارؒ لکھتے ہیں۔

"امام محمّد بن حسن (شیبانی) رحمہ اللہ (لڑکپن میں) نہایت حسین و جمیل تھے۔ امام صاحبؒ نے ایک بار انہیں دیکھا تھا۔ پھر کبھی نظر اٹھا کر ان کی طرف نہیں دیکھا۔ جب انہیں سبق پڑھاتے تھے تو ستون کے پیچھے بٹھا لیتے تھے تاکہ دورانِ سبق اُن پر نظر نہ پڑے۔" [2]

امام ابو حنیفہؒ تاجدارِ نبوّت صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں

حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمہ اللہ (م ۴۸۱ - ۵۰۰) تحریر فرماتے ہیں۔

"ومن که علی بن عثمان الجلابی ام وفّقنی اللہ به شام بودم بر سر خاک بلال مؤذّنِ رسول اللہ صلی اللہ

مَیں یعنی علی بن عثمان الجلابی ملک شام میں مسجد نبوی (علیٰ صاحبہ الصّلوٰۃ والسّلام) کے مؤذّن حضرت بلال حبشیؓ

---

[1] عقود الجمان ص۲۴۲۔

[2] تذکرۃ الاولیاء۔ فارسی ج ا ص۱۸۸۔

علیہ وسلّم خفتہ خود را بہ مکّہ دیدم
اندر خواب کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلّم
از باب بنی شیبہ اندر آمدی
و پیری را اندر کنار گرفتہ،
چنانکہ اطفال را گیرند بہ شفقت
من پیش دویدم و بر دست
و پایش بوسہ دادم و اندر
تعجب آں بودم تا آں کیست؟
و آں حالت چیست؟ وی
بحکمِ اعجاز بر باطن و اندیشۂ
من مشرف شد،
مرا گفت ایں امامِ تو و
اہلِ دیار تو است مرا
بدیں اُمید بزرگ است
باہلِ شہرِ خود، و دُرست
گشت از ایں خواب مرا
کہ وے یکے از آنہاں
بودہ است کہ از اوصافِ
طبع فانی بودند و بہ احکامِ
شرع باقی و بداں قائم،
چنانچہ برندۂ وے

کے روضۂ مبارک کے سرہانے سویا
ہوا تھا۔ خواب میں دیکھا کہ مَیں
مکّہ مکرمہ میں ہوں اور حضورِ اکرم صلی اللہ
علیہ وسلّم باب بنی شیبہ سے تشریف
لا رہے ہیں اور آپ نے ایک
بوڑھے شخص کو اس طرح سے
گود میں لیا ہُوا ہے جیسے کہ پیار
سے بچّوں کو گود میں لیتے ہیں۔ مَیں
نے فرطِ محبت سے دوڑ کر حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے دست و
پا کو بوسہ دیا، میں اس حیرت و
تعجب میں تھا کہ یہ بڑے میاں،
کون ہیں اور یہ کیا حالت ہے؟
حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو اپنی
معجزانہ شان سے میری باطنی حالت
اور میرے اس خیال کا علم ہو گیا۔
اِس پر آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے
اور تمہارے ہموطنوں کے امام ہیں
(یعنی امام ابوحنیفہؒ) مجھے مع اپنے
ہموطنوں کے اس خواب سے
بڑی اُمید قائم ہو گئی ہے۔ اس

"پیغمبر بود صلی اللہ علیہ وسلم اگر او خود رفتے باقی الصفۃ بودے، و باقی الصفۃ یا مخطی بُوَدْ یا مصیب، چوں بَرندہٗ وے پیغمبر بود صلی اللہ علیہ وسلم فانی الصفۃ باشد بہ بقائے صفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، وچوں بر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خطا صورت نگیرد بر آنکہ بدو قائم بود نیز صورت نگیرد، و ایں رمزے لطیف ست" [۱]

خواب سے مجھ پر یہ بھی واضح ہوا کہ حضرت امام صاحبؒ ان بلند مرتبہ لوگوں میں سے ہیں جو اوصافِ طبع سے فانی اور احکامِ شریعت سے باقی اور شریعت کے ساتھ قائم ہیں اس لیے کہ (اوصافِ طبع سے آپ کو نکال کر) لے جانے والے خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اگر امام صاحبؒ خود جانے والے ہوتے تو باقی الصفت ہوتے اور باقی الصفت (کیلئے دو میں سے ایک صورت ضروری ہے) یا وہ مخطی ہوتا ہے یا مصیب لیکن چونکہ آپ کو لیجانے والے خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو آپ اپنے لحاظ سے فانی الصفت ہوئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ بقا کے ساتھ باقی ہوئے اور چونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاء کا صدور ناممکن ہے تو ایسے ہی جو شخص آپ کے ساتھ قائم ہوگا اُس سے بھی خطا سرزد نہ ہوگی اور یہ ایک لطیف رمز ہے ۔

---

۱ کشف المحجوب ص ۱۲۹ طبع محمن پبلیکیشنز لاہور۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا تقویٰ

امام عالی مقام حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (م ۲۴۱ھ) اپنے زمانہ میں زہد و تقویٰ کے اندر اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ آپ زہد و تقویٰ کی بنا پر خلیفہ کے ہدایا وغیرہ سے نہایت احتیاط برتتے تھے اور خلیفہ کے ہدیوں کو کسی صورت قبول نہیں فرماتے تھے، یہی آپ اپنی اولاد اور متعلقین سے بھی چاہتے تھے۔ آپ کے زہد و تقویٰ کے چند واقعات نذر قارئین کیے جاتے ہیں۔

"ایک دفعہ آپ نے اپنے دونوں بیٹوں اور چچا اسحاق کو خلیفہ کی طرف سے مالی تحائف وہدایا لینے سے منع کیا، انہوں نے اپنی ضرورت و حاجت کا عذر پیش کیا (کہ ہم بامر مجبوری ضرورت کی وجہ سے وظائف و تحائف لیتے ہیں) تو آپ نے ان تینوں سے ایک ماہ کے لیے ان وظائف کے لینے کی وجہ سے بالکل بولنا ترک کر دیا۔" [1]

ابو عبد اللہ سمسارؒ کہتے ہیں کہ

"امام احمدؒ کے صاحبزادے عبد اللہؒ کی والدہ کا ایک مکان تھا جو "درب" (بغداد میں ایک جگہ کا نام ہے) میں ہمارے پڑوس میں تھا (عبد اللہ کی والدہ کی وفات کے بعد وہ مکان کرایہ پر دے دیا گیا) امام احمدؒ بطور میراث اس گھر کے کرایہ میں سے ایک درہم لیتے تھے، ایک مرتبہ اس مکان کی درستگی اور اصلاح کی ضرورت پیش آئی تو امام احمدؒ کے فرزند عبد اللہ نے اپنے مال میں سے کچھ رقم لگا کر اس مکان کی اصلاح

---

[1] طبقات الحنابلہ ج ۱ ص ۱۰

کرادی - اس کے بعد امام احمدؒ نے اس مکان کے کرایہ کا وہ ایک درہم بھی لینا چھوڑ دیا، اور فرمایا: میرے بیٹے نے میرا وہ ایک درہم (جو میرے رزق کا ظاہری سبب تھا) فاسد اور خراب کر دیا۔" [1]

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی ایک باندی تھی جس کا نام حُسنؒ تھا اس باندی سے حضرت امام احمد کے کئی بچے پیدا ہوئے تھے، امام صاحب کی یہ باندی امام صاحبؒ کا ایک واقعہ ذکر کرتی ہیں کہ

"امام احمدؒ جن دنوں مرضِ وفات کی تکلیف میں بسترِ علالت پر تھے اُن دنوں میں نے اُن کے لیے روٹی پکا کر ان کی خدمت میں پیش کی۔ امام احمدؒ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ یہ روٹی تم نے کہاں پکائی ہے؟ میں نے عرض کیا (آپ کے صاحبزادے) عبداللہ کے گھر آگ جل رہی تھی وہیں جا کر روٹی پکالی، امام احمدؒ نے سُن کر فرمایا کہ اس روٹی کو میرے سامنے سے اُٹھالو، آپ نے وہ روٹی تناول نہ فرمائی۔" [2]

وجہ یہ تھی کہ آپ کے صاحبزادے عبداللہؒ خلیفہ کی طرف سے وظائف وغیرہ لے لیتے تھے اور حضرت امام صاحبؒ اُن سے سخت احتراز فرماتے تھے۔

حضرت بشر حافیؒ کی ہمشیرہ کا تقویٰ

حضرت بشر حافی رحمہ اللہ (م ۲۲۷ھ) کی تین بہنیں تھیں۔ (۱) مُضغَہ (۲) مُخّہ (۳) زُبدہ یہ تینوں بہنیں نہایت ہی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ کتب تاریخ میں ان کے تقویٰ و

---

[1] طبقات الحنابلہ ج ۱ ص ۱۰۔

[2] طبقات الحنابلہ ج ۱ ص ۴۳۰۔

طہارت کے بہت سے حیرت انگیز واقعات درج ہیں - عبرت کے لیے ایک دو واقعات ذکر کیے جاتے ہیں ۔

امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے عبداللہ فرماتے ہیں ۔

" حضرت بشر حافیؒ کی بہن حضرت مُخّہؒ میرے والد (امام احمدؒ) کے پاس آئیں اور آکر عرض کیا کہ میرا کل سرمایہ دو دانق ہیں جن سے میں روئی خریدتی ہوں اور اُسے کات کر نصف درہم (یعنی تین دانق) کے بدلے بیچتی ہوں، اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک (یعنی پورے ہفتہ) اس ایک دانق کو اپنے کھانے پینے اور دیگر ضروریات میں خرچ کرتی ہوں۔ (کیونکہ تین دانق میں سے دو دانق تو راس المال تھے جن کے ذریعہ وہ روئی خریدتی تھیں - اس لیے پیچھے ایک دانق بچتا تھا جسے وہ ہفتہ بھر خرچ کرتی تھیں) مُخّہؒ نے کہا کہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ رات کو میں روئی کات رہی تھی تو ابن طاہر جو بغداد کا محافظین کا نگرانِ اعلیٰ تھا اپنے ساتھیوں سمیت وہاں سے گزرا اس کے پاس قندیل تھی وہ کچھ دیر کے لیے وہاں (میرے گھر کے قریب) کھڑا ہو گیا اور لوگوں سے مصالح اور دیگر امور کے بارے میں گفتگو کرنے لگا میں نے قندیل کو غنیمت جان کر اس کی روشنی میں کچھ روئی کات لی پھر وہ لوگ چلے گئے اور روشنی غائب ہو گئی - بعد میں مجھے یہ فکر لاحق ہوئی کہ اس روشنی میں روئی کاتنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ ضرور مجھ سے سوال کریں گے (کیونکہ یہ قندیل سرکاری تھی اور اس کی روشنی صرف سرکاری کاموں کے لیے تھی) اے امام احمدؒ آپ مجھے اس فکر اور پریشانی سے نجات دلائیں، اور میرے لیے کوئی راستہ نکالیں - اللہ تعالیٰ آپؒ کو بھی دنیوی و اخروی پریشانیوں سے نجات نصیب فرمائے ۔

امام احمدؒ نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: تم وہ دو دانق (یعنی اپنا رأس المال) اللہ کی راہ میں خرچ کر دو اس کے بعد تمہارے پاس رأس المال نہیں رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا کوئی بہتر معاوضہ دے دیں، امام احمدؒ کے صاحبزادے عبداللہ فرماتے ہیں۔

حضرت مُخّہؒ کے جانے کے بعد میں نے والد صاحب سے عرض کیا: ابا جان آپ اس عورت کو صرف اتنی کاتی ہوئی روئی خدا کی راہ میں صدقہ کرنے کا حکم فرماتے جتنی اُس نے اُس روشنی میں کاتی تھی تو بہتر ہوتا، (تاکہ اس کا رأس المال اس کے پاس باقی رہتا) امام احمدؒ نے فرمایا: "بیٹا، اس کے سوال میں کسی تاویل کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ (یعنی اس عورت کا سوال ہی اتنی شدید احتیاط اور شدید تقویٰ پر مبنی تھا کہ اس احتیاط و تقوےٰ کے مناسب یہی جواب تھا جو میں نے دیا) پھر آپ نے پوچھا: یہ کون عورت تھی؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت بشر حافیؒ کی بہن مُخّہؒ تھیں، آپ نے فرمایا انہیں یہ تقوےٰ انہیں کے گھر سے نصیب ہوا ہے۔"[1]

امام احمدؒ کے یہی صاحبزادے عبداللہؒ فرماتے ہیں۔

"میں ایک دن اپنے والد (امام احمدؒ) کے پاس گھر میں بیٹھا تھا، کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، والد صاحب نے فرمایا: دیکھو کون ہے؟ میں نے دروازہ کھول کر دیکھا کہ ایک عورت کھڑی ہے، اُس عورت نے کہا کہ اپنے والد صاحب سے کہو کہ میں اُن سے ملنا چاہتی ہوں۔ اندر آنے کی اجازت دی جائے، میرے والد نے اندر آنے کی اجازت دی، چنانچہ وہ اندر آئی،

---

[1] طبقات الحنابلہ ج ۱ ص ۴۲۷

(اور میرے والد کے پاس آکر) بیٹھ گئی، پہلے اُس نے سلام کیا پھر یہ مسئلہ دریافت کیا:

اے ابوعبداللہ: میں رات کے وقت چراغ کی روشنی میں اُون کاتتی ہوں، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ چراغ بجھ جاتا ہے تو مَیں چاند کی روشنی میں اُون کات لیتی ہوں (آپ مجھے بتائیں کہ) کیا مجھ پر لازم ہے کہ مَیں دھاگے بیچتے وقت لوگوں کو چاند اور چراغ کی روشنی میں کاتی ہوئی اون کا فرق بتاؤں؟

امام احمدؒ نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ چاند کی روشنی میں کاتی ہوئی اُون اور چراغ کی روشنی میں کاتی ہوئی اُون میں فرق ہوتا ہے تو پھر اس فرق کو بیان کرنا تم پر لازم ہے ......

عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ یہ فتویٰ سُن کر وہ عورت چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد والد صاحب نے فرمایا: بیٹا، مَیں نے کبھی کسی انسان کو اس عورت جیسا (شدید احتیاط و تقویٰ پر مبنی) سوال کرتے ہوئے نہیں سُنا، تم اس عورت کے پیچھے جاؤ اور دیکھو، یہ عورت کس گھر میں داخل ہوتی ہے (تاکہ پتہ چلے کہ اس عورت کا کس گھرانے سے تعلق ہے) چنانچہ میں اس مقصد کے لیے اُس عورت کے پیچھے پیچھے گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ عورت بشر حافیؒ کے گھر میں داخل ہوئی۔ معلوم ہوا کہ یہ عورت حضرت بشر حافیؒ کی بہن ہے، واپس آکر مَیں نے والد صاحب کو بتلایا تو فرمانے لگے کہ یہ بات ناممکن اور محال ہے کہ بشر حافیؒ کی بہن کے علاوہ کوئی اور عورت ایسی متقیہ اور پرہیزگار ہو۔" [1]

---

[1] طبقات الحنابلہ ج ۱ ص ۴۲۸

قارئین کرام: آپ نے ماضی بعید کے بزرگوں کے تقوے کے حالات ملاحظہ
اب ذرا ماضی قریب کے بزرگوں کے تقوے کی حالت بھی ملاحظہ فرماتے چلیں۔

حضرت نانوتویؒ کا تقوٰے

آپ کے سوانح نگار مولانا محمد مناظر احسن گیلانیؒ (م ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء) نقل فرماتے ہیں

"(حضرت نانا نوتویؒ کو) یہاں تک مدرسہ کے مال سے احتیاط تھی کہ اگر کبھی بضرورت مدرسہ کے دوات قلم سے کوئی اپنا خط لکھ لیتے تو فوراً ایک آنہ مدرسہ کے خزانے میں داخل کر دیتے .... فرماتے کہ یہ بیت المال کی دوات ہے ہم کو اس پر تصرف جائز نہیں ہے۔" [1]

مولانا آگے لکھتے ہیں۔

"آپ کے مزاج میں حرارت بہت تھی اور موسم گرما میں سرد مکان بہت مرغوب تھا مدرسہ میں ایک سرد خانہ تعمیر ہوا اور گرمی کی بہت شدت، مولوی رفیع الدین (دار العلوم کے مہتمم اول) نے عرض کیا کہ سرد خانہ تیار ہے، وہاں دوپہر کو آرام کیا کیجیے .... فرمایا: ہم کون جو اس میں آرام کریں وہ حق ہے طالبعلموں کا اور کبھی آپ نے سرد خانہ میں جا کر استراحت نہ کی اور گرمی کی تکلیفیں سہا کیں۔" [2]

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کا تقوٰے

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں۔

---

[1] سوانح قاسمی ج ۱ ص ۵۳

[2] سوانح قاسمی ج ۱ ص ۵۳۶

"میں نے خود تو یہ واقعہ نہیں دیکھا، مگر دو واسطوں سے سُنا ہے کہ حضرت اقدس سہارنپوریؒ کی خدمت میں ایک صاحب عزیزوں میں سے جو بڑے رتبہ کے آدمیوں میں سے تھے ملاقات کے لیے تشریف لائے، حضرت سبق پڑھا رہے تھے اختتامِ سبق تک تو حضرتؒ نے توجہ بھی نہ فرمائی۔ ختمِ سبق کے بعد حضرت اُن کے پاس تشریف لائے انہوں نے اصرار کیا کہ حضرت اسی جگہ تشریف رکھیں، حضرت نے ارشاد فرمایا: "مدرسہ نے یہ قالین اسباق پڑھانے کے لیے دیا ہے۔ ذاتی استعمال کے لیے نہیں"۔ اس لیے اس قالین سے علیحدہ بیٹھ گئے البتہ یہ واقعہ میرا ہمیشہ کا دیکھا ہوا ہے کہ مدرسہ قدیم (دفتر مدرسہ) میں حضرت کی ہمیشہ ۲ چارپائی رہتی تھیں انہیں پر حضرت آرام فرماتے تھے ان ہی پر بیٹھتے تھے، مدرسہ کی اشیاء کو استعمال کرتے ہوئے میں نے نہیں دیکھا۔" [1]

حضرت تھانویؒ کا تقویٰ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"ایک مرتبہ میں سہارنپور سے کانپور کو جاتا تھا میرے ساتھ کچھ پونڈے (گنّے) بھی تھے، میں نے وزن کرانا چاہا، جو لوگ رخصت کرنے آئے تھے انہوں نے تو رائے کی مخالفت کی ہی مگر خود اسٹیشن والوں نے بھی کہا کہ آپ لے جائیں ہم گارڈ سے کہہ دیں گے کوئی مزاحمت نہ کرے گا۔ میں نے پوچھا یہ گارڈ کہاں تک جائے گا؟ جواب ملا کہ

---

[1] آپ بیتی ج ۱ ص ۲۹

غازی آباد تک، میں نے کہا آگے کیا ہوگا؟ جواب ملا کہ وہ گارڈ دوسرے گارڈ سے کہہ دے گا۔ میں نے کہا آگے کیا ہوگا؟ جواب ملا، پھر وہ کانپور تک برابر رہے گا اور کانپور آجائے گا۔ میں نے کہا آگے کیا ہوگا؟ جواب ملا، بس آگے تو کانپور آجائے گا اور سفر ختم ہوجائے گا۔ میں نے کہا نہیں اس سے آگے آخرت ہوگی۔ وہاں کون سے گارڈ مزاحمت سے بچائیں گے۔ سب چُپ ہوگئے اور محصول لیا گیا۔" [1]

حضرت مدنیؒ کا تقوےٰ

مولانا ابوالحسن بارہ بنکویؒ رقمطراز ہیں۔

" حضرت (مدنی) رحمۃ اللہ علیہ دہلی تشریف لائے ہوئے تھے اور دفتر جمعیت علماء ہند میں قیام فرما تھے، نماز عصر کا وقت آیا تو خدام نے جماعت کی غرض سے چٹائیاں بچھا دیں، حضرت نماز کے لیے جب کمرے سے باہر تشریف لائے اور نئی چٹائیوں پر نظر پڑی تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی طرف مخاطب ہوکر پُرمسرت لہجہ میں فرمایا کہ ناظم اعلیٰ صاحب نے بہت اچھا انتظام فرمایا ہے، حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ: یہ ناظم اعلیٰ صاحب کا انتظام نہیں بلکہ آپ کے خادم چودھری عبدالرحمٰن کی عقیدت ہے جو کہ چٹائیاں فروخت کرتے ہیں انہوں نے ہی اس وقت (فروخت کی) چٹائیاں بچھا دی ہیں، حضرت نے جونہی یہ بات سُنی آپ کے چہرے کا رنگ فوراً بدل گیا اور اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ فرمایا: ان چٹائیوں کو اُٹھا دو۔ خدام نے عرض کیا کہ عبدالرحمٰن نے اپنی خوشی سے بچھائی ہیں، فرمایا: نہیں

[1] ضرورۃ العلماء ص۲۷

وہ اِن کو غیر مستعمل اور نئی بتا کر فروخت کرے گا، حالانکہ استعمال میں آچکی ہوں گی، لہٰذا یہ کب درست ہوگا، چنانچہ چٹائیاں اُٹھا دی گئیں، اور دفتر کی چٹائیوں پر نماز ادا کی گئی۔" [1]

غیرتِ انسانی کا عجیب واقعہ

امام بیہقی رحمہ اللہ (م ۴۵۸ھ) نے اپنی سند سے مُوسیٰ بن اسحاق قاضی کے زمانے کا ایک انتہائی عبرت انگیز واقعہ نقل کیا ہے۔ یہ واقعہ غیرتِ انسانی کا ایک عجیب واقعہ ہے جی چاہا کہ نذرِ قارئین کیا جائے ہو سکتا ہے اس سے ہماری غیرت جاگ اُٹھے۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں۔

"ایک مرتبہ موسیٰ بن اسحاق قاضی کی عدالت میں ایک (برقعہ پوش) خاتون نے اپنے شوہر پر پانچ سو اشرفی مہر کا دعویٰ کیا، شوہر مہر کی اس مقدار کا منکر تھا، عورت کے وکیل نے دعویٰ کے ثبوت پر دو گواہ پیش کیے۔ دونوں گواہوں میں سے ایک نے مطالبہ کیا کہ میں عورت کا چہرہ دیکھ کر گواہی دوں گا، چنانچہ گواہ (چہرہ دیکھنے کے لیے) اور (عورت چہرہ دکھانے کے لیے) کھڑے ہو گئے یہ دیکھ کر شوہر کی غیرت کو جوش آگیا اور اس نے کہا کہ آخر کس وجہ سے میری بیوی پر اجنبی مرد کی نظر ڈلوائی جا رہی ہے؟ میں قاضی کے سامنے خود گواہی دیتا ہوں کہ میرے ذمے میری بیوی کے مہر کے پانچ سو دینار خالص سونے کے واجب ہیں مگر میری بیوی اپنا چہرہ ہرگز نہ دکھائے، (شوہر کی اس غیرت و حمیت کا عورت

---

[1] اسلام کے عبرت انگیز واقعات ص۴۷

پر اس قدر اثر ہوا کہ اس نے اسی وقت وہ سارا مہر معاف کر دیا، یہ عجیب واقعہ دیکھ کر قاضی صاحب نے حکم دیا کہ اس واقعہ کو مکارم اخلاق کے یادگار واقعات میں درج کیا جائے۔" [1]

غیرتِ دینی کا عجیب واقعہ

قارئین محترم یہ واقعہ جو جناب نے ملاحظہ فرمایا یہ تو ایک مرد کی غیرتِ ایمانی کا واقعہ تھا وہ واقعہ بھی ملاحظہ فرماتے چلیں جو نسوانی غیرت کا ایک ایمان افروز واقعہ ہے

"سلطان عالمگیرؒ کی بیگم جہاں زیب بانو بیگم کے دائیں پستان کی جڑ میں ایک پھنسی نمودار ہوئی۔ اس زمانہ کے ڈاکٹر مارٹن فرنگی (انگریز) نے اپنی ایک رشتہ دار عورت کو حیدر آباد بلایا، مگر بیگم نے شرط لگائی کہ:

"اگر وہ عورت شرابی نہیں ہے تو میرے بدن کو ہاتھ لگا سکتی ہے، ورنہ اندر نہ آئے۔"

معلوم ہوا کہ وہ چالیس سال سے شراب نوش ہے، ملکہ نے کہا:

"ایسی فاسقہ میرے بدن کو ہاتھ نہیں لگا سکتی۔"

آخر دو سال بیمار رہ کر ہی انتقال کر گئی، لیکن فاسقہ سے علاج نہیں کرایا رحمہا اللہ تعالیٰ۔" [2]

عیب گوئی سے احتراز

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۴ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

---

[1] شعب الایمان للامام البیہقی ج ۷، ص ۴۱۳

[2] تاریخ اطبار عہد مغلیہ ص ۱۸۶

"قال بعض الادباء :	ایک بزرگ نے کہا کہ میرا اپنی بیوی
ارید طلاق امرأتی ،	کو طلاق دینے کا ارادہ ہے آپ سے
فقیل لهٗ لِمَ ؟	سوال ہوا کہ کیوں طلاق دینا چاہتے
فقال کیف اذکر	ہیں ؟ فرمایا : میں اپنی بیوی کے
عیب زوجتی ، فلما	عیب کیسے ذکر کروں ، جب انہوں
طلقها قیل لهٗ لِمَ	نے بیوی کو طلاق دیدی تو سوال ہوا
طلقتها ؟ قال کیف اذکر	کہ کیوں دی ؟ فرمایا اجنبیہ عورت
عیب امرأة اجنبیة "[1]	کے عیب کیوں ذکر کروں ؟

ایک عجیب نسب نامہ

حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ نے محدث کبیر مُسَدَّد ابنِ مُسَرْهَدْ رحمہ اللہ (م ۲۲۸ھ) کا نسب نامہ اس طرح نقل فرمایا ہے۔

"مسدد بن مسرهد بن مجرهد بن مسربل بن مغربل بن مرعبل بن مطربل بن ارندل بن سرندل بن غرندل بن ماسك بن مستورد"

آپ فرماتے ہیں کہ

"ان اسماء کے لطائف میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ اگر ان کو لکھ کر بخار زدہ شخص کے گلے میں لٹکا دیا جائے تو یہ انتہائی نفع مند تعویذ ثابت ہوتے ہیں (یعنی بخار چلا جاتا ہے) تجربہ سے ایسا ہی ثابت ہوا ہے"

---

[1] مرقاۃ ج ۶ ص ۳۴۸ طبع رشیدیہ کوئٹہ

نیز اگر ان کو بسم اللہ شریف کے ساتھ پڑھ کر بچھو کے کاٹے پر دم کیا جائے تو آرام آجاتا ہے۔" [1]

صبر، فقر، فتوّت

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ (م ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء) حضرت شیخ منصور رحمہ اللہ (م ۳۰۹) کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"صاحب جامع کرامات اولیاء نے اپنی اسی کتاب ص ۴۰۲ ج ۱ میں امام شعرانی کی کتاب المنن سے نقل کیا ہے کہ حسین بن منصور حلاج کی کرامات میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ ابن خفیف (جیل خانہ) میں ان کے پاس گئے اور پوچھا کس حال میں ہو؟ کہا اللہ تعالیٰ کی نعمتیں میرے اوپر (نازل) ہیں ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی۔ پھر کہا کہ میں تم سے تین مسئلے (تصوّف کے) پوچھنا چاہتا ہوں کہا پوچھو،

کہا صبر کسے کہتے ہیں؟ ابن منصور نے کہا: صبر یہ ہے کہ میں ان بیڑیوں کی طرف تو کروں تو وہ ٹوٹ جائیں، ابن خفیف کہتے ہیں کہ ابن منصور نے یہ کہہ کر بیڑیوں پر نگاہ کی تو سب ٹوٹ کر کھل گئیں (مگر باوجود اس قدر تصرف کے رات دن پیروں میں بیڑیاں ڈالے رکھتے تھے۔ تصرف کے ذریعہ ان کو الگ نہ کرتے تھے) اور دیوار (جیل خانہ پر نظر کی تو دیوار) پھٹ کر کھل گئی اور دفعۃً ہم دجلہ کے کنارے پہنچ گئے (مگر بایں ہمہ ہر وقت جیل خانے ہی میں رہتے تھے) اور کہا صبر یہ ہے۔

---

[1] بذل المجہود فی حل ابی داؤد ج ۱ ص ۱۲

میں نے کہا فقر کیا ہے؟ تو ایک پتھر پر نگاہ ڈالی وہ فوراً سونا اور چاندی بن گیا کہا یہ فقر ہے کہ باوجود اس (تصرف) کے میں ایک پیسے تک کا محتاج ہوتا ہوں جس سے (گھر میں جلانے کا) تیل خریدوں۔

میں نے کہا فتوت (و مردانگی) کسے کہتے ہیں؟ کہا اس کو کل تم دیکھ لوگے، ابن خفیف کہتے ہیں کہ جب رات آئی تو میں نے (خواب میں) دیکھا گویا قیامت قائم ہے اور ایک مُنادِی پکار رہا ہے حسین بن منصور حلاج رح کہاں ہے؟ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے آگے کھڑے کئے گئے، اُن سے کہا گیا جو تجھ سے محبت رکھے گا جنت میں داخل ہوگا اور جو تجھ سے بغض رکھے گا دوزخ میں جائے گا۔ حلاج نے کہا کہ (نہیں) یارب سب کو بخش دیجیے۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا فتوت یہ ہے"۔ [1]

علامہ عثمانی رح حضرت منصور حلاج کے حالات میں رقمطراز ہیں۔

" خطیب نے ابو عبد الرحمٰن سلمی کے حوالے سے روایت کیا کہ فارس بغدادی سے میں نے سُنا کہ جب حسین بن منصور حلاج کو قید کیا گیا تو ٹخنوں سے گھٹنوں تک تیرہ بیڑیاں (لوہے کی) اُن کے پیروں میں ڈالی گئیں اس کے باوجود بھی وہ رات دن میں ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے"۔ [2]

اسلام اور ہندومت پر مناظرہ

"(اکبری دور کے) راجہ مان سنگھ کے دربار میں سید اور برہمن دونوں جمع رہتے تھے ایک روز سید اور برہمن دونوں میں اسلام اور

---

[1] سیرت حسین بن منصور حلاج صفحہ ۴۰ [2] سیرت حسین بن منصور حلاج صفحہ ۴۰

ہندو مذہب پر بحث ہونے لگی، (لیکن) کوئی (بھی) دوسرے کو اپنے مذہب کی فوقیت کا قائل نہ کرسکا۔ دونوں نے راجہ مان سنگھ سے کہا کہ اس بحث کو سننے کے بعد وہ اپنی رائے کا اظہار کریں۔ راجہ مان سنگھ نے کہا: اگر میں اسلام کو ترجیح دوں تو لوگ کہیں گے کہ بادشاہِ وقت کی خوشامد میں ترجیح دے دی ہے اور اگر ہندو مت کو ترجیح دوں تو جانب داری کا الزام آئے گا، لیکن جب لوگوں نے اصرار کیا تو اس نے کہا کہ میں کچھ اور تو نہیں جانتا ہوں لیکن یہ ضرور دیکھتا ہوں کہ ہندوؤں کا کوئی کتنا ہی بڑا صاحبِ کمال ہو وہ مرجاتا ہے تو وہ جلا دیا جاتا ہے اور اس کی خاک ہوا میں اُڑ جاتی ہے لیکن جہاں وہ جلایا جاتا ہے وہاں رات کو کوئی جاتا ہے تو اُس کو آسیب کا خطرہ رہتا ہے، لیکن اسلام کے بزرگوں کا یہ حال ہے کہ ہر شہر ہر قصبہ میں وہ ابدی نیند سو رہے ہیں۔ لوگ اُن کے مزار پر جاکر برکات حاصل کرتے ہیں اور طرح طرح کی مجلسیں منعقد کرتے رہتے ہیں۔" [1]

تحصیلِ علم کا شوق

درسِ نظامی میں ابتدائی گرامر کی ایک کتاب "نحو میر" ہے، اس کے مصنّف علی بن محمدؒ بن علی الحنفی ہیں جو میر سیّد شریف کے نام سے مشہور ہیں۔

آپ اپنے زمانے کے بہت بڑے فاضل اور شریعت و طریقت کے جامع بزرگ تھے، ۷۴۰ھ میں ایران کے صوبہ جرجان[2] کے شہر استراباذ میں پیدا ہوئے۔ صغر سنی ہی میں

---

[1] مآثر الامراء ج ۳ ص ۶۹

[2] قرونِ وسطیٰ میں ایران کا یہ صوبہ جرجان ہی کے نام سے موسوم تھا آج کل اسے اُستان یا مازندران کہتے ہیں اور استراباذ کو گرگان کہتے ہیں۔

علومِ عربیہ میں مہارت حاصل کرلی - پھر علومِ عقلیہ کے حصُول کا شوق ہوا - اُس زمانہ میں "شمسیہ" کی شرح "قطبی" اور "شرح مطالع" علومِ عقلیہ کی نہایت معروف کتابیں تھیں اور اِن کے مصنّف حیات تھے، دِل میں خیال آیا کہ یہ دونوں کتابیں انکے مصنف سے پڑھنی چاہئیں، چنانچہ آپ "جرجان" (ایران) سے چل کر ہَرَاۃ (افغانستان) پہنچے کیونکہ اِن دونوں کتابوں کے مصنّف حضرت علاّمہ قطب الدین محمد رازی الشافعی (م ۷۱۶ھ) ھَرات میں رہتے تھے، لیکن جن دنوں آپ ھَرات پہنچے علاّمہ قطب الدین بہت بوڑھے ہو چکے تھے اس لیے انہوں نے بڑھاپے کا عذر کر کے پڑھانے سے معذرت کردی، البتہ میر سیّد شریف کا شوق دیکھ کر انہیں اپنے ایک شاگرد مبارک شاہ[1] کے پاس مصر جانے کو کہا، میر سیّد شریف نے مصر جانا منظور کیا، علاّمہ قطب الدین نے اپنے شاگرد کے نام ایک خط لکھا اور اس میں بالکل اپنے طرز پر پڑھانے کی تاکید کی، میر سیّد شریف یہ خط لے کر ہرات (افغانستان) سے مصر روانہ ہوئے، قاہرہ پہنچ کر وہ خط مبارک شاہ کو دیا۔

آگے حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی زبانی ملاحظہ فرمائیے، آپ تحریر فرماتے ہیں

"لیکن خُدا جانے کیا صُورت پیش آئی کہ مبارک شاہ نے میر صاحب کو اپنے حلقۂ درس میں صرف بیٹھنے اور سُننے کی اجازت دی، پوچھنے اور قرارت کرنے کی اجازت نہ تھی۔ ایک دن مبارک شاہ رات کو یہ دیکھنے کے لیے کہ طلباء کیا کر رہے ہیں۔ چپ چاپ نکلے۔ میر صاحب جس حجرہ

---

[1] یہ مبارک شاہ علامہ قطب الدین کے غلام تھے بچپن سے انہوں نے مبارک شاہ کو پالا پوسا اور پڑھایا، تا این کہ مبارک شاہ مدرس ہو گئے اور ہر علم میں فاضل، عام طور سے لوگ انکو مبارک شاہ منطقی کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ مفتاح السعادۃ ج ۱ ص ۲۷۵

حجرہ میں رہتے تھے وہاں سے آوازِ اعادہ کی آرہی تھی، بیان کیا جاتا ہے کہ میر صاحب کہہ رہے تھے؛ کتاب کے مصنف نے تو اس مسئلہ کی یہ تقریر کی اور اُستاذ نے اُسی کو یُوں بیان کیا اور مَیں اس مسئلہ کی تقریر یوں کرتا ہوں۔ مُبارک شاہ ٹھہر گئے اور کان لگا کر غور سے سُننے لگے، میر صاحب کی تقریر کا انداز اتنا دلچسپ تھا کہ لکھا ہے۔

"لحقة البهجة والسرور	ایسی مسرّت اور خوشی ان کو ہوئی
بحيث رقص فی فناء	کہ مدرسہ کے صحن میں ناچنے
المدرسة"	لگے"۔ [1]

اس قصہ کے بعد مبارک شاہ نے میر صاحب کو پُوچھنے اور قرارت کرنے کی اجازت بھی دے دی، میر صاحب نے مبارک شاہ سے پڑھنے کے دوران ہی "شرح مطالع" کا حاشیہ لکھا اس کے علاوہ آپ نے تقریباً پچاس کتابیں تحریر فرمائیں، بقول مؤرخ شمس الدین بن عزم کے ۶، ربیع الثانی سنہ ۸۱۶ھ میں شیراز (ایران) میں آپ کی وفات ہوئی۔

طالب علم کے ساتھ حسنِ سلوک کا صلہ

ابوالقاسم فرشتہ تحریر فراتے ہیں۔

"طبقاتِ ناصری" میں یہ لکھا ہے کہ سلطان محمود کو اس مشہور حدیث "اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ" کی صحت پر پُورا یقین نہ تھا، اُسے قیامت کے آنے کے بارے میں بھی شُبہہ تھا۔ اس کے علاوہ اسے اس میں بھی شُبہہ تھا کہ وہ خود سبکتگین کا بیٹا ہے، ایک رات کا واقعہ ہے کہ

---

[1] نظامِ تعلیم و تربیت ج ۱ ص ۲۳۸

سلطان محمود اپنی قیام گاہ سے نکل کر پیدل ہی کسی طرف چل رہا تھا۔ فراش سونے کا شمع دان لے کر اُس کے آگے آگے چل رہا تھا، راستہ میں اُسے ایک ایسا طالب علم ملا جو مدرسہ میں بیٹھا ہوا اپنا سبق یاد کر رہا تھا۔ اس طالبعلم کے پاس جلانے کے لیے روغن (تیل) نہ تھا، اس لیے وہ پڑھتے پڑھتے جب کچھ بھول جاتا تو ایک بنئیے کے چراغ کے پاس آکر اپنی کتاب کو پڑھ لیتا۔ محمود کو اس نادار طالب علم کی حالت پر بڑا رحم آیا اور اس نے وہ شمع دان جو فراش نے اُٹھا رکھا تھا اس طالب علم کو دے دیا۔ جس رات کا یہ واقعہ ہے اسی رات کو خواب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، آپ نے محمود سے فرمایا: اے ناصر الدین سبکتگین کے بیٹے فرزند ارجمند خداوند تعالیٰ تجھ کو ویسی ہی عزت دے جیسی تو نے میرے ایک وارث کی قدر کی ہے۔" آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس فرمان سے سلطان محمود کے دل میں متذکرہ بالا تینوں شکوک دُور ہو گئے۔"[1]

علم کی قدردانی

"شیر شاہ (سوری) پنجاب میں خوانند (؟) پہنچا تو وہاں ٹھہر گیا، اور حکم دیا کہ پنجاب میں جن لوگوں کے معاش میں کمی ہے اُن کو زیادہ دیا جائے تمام لوگ جمع ہوئے، ایک روز شیر شاہ وہاں فجر کی نماز کے بعد تخت پر بیٹھا تو قاضی میر سرور کے ساتھ ایک نوجوان نظر آیا۔ شیر شاہ نے قاضی صاحب سے پوچھا کہ یہ آپ کا خویش ہے۔ کوئی فضیلت بھی رکھتا ہے، قاضی

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۱۲۵

صاحب نے جواب دیا، طالب علم ہے، کافیہ پڑھتا ہے شیر شاہ کو کافیہ حواشی کے ساتھ یاد تھی، طالب علم سے پوچھا عمر منصرف ہے یا غیر منصرف، طالب علم نے جواب دیا، غیر منصرف، شیر شاہ نے پوچھا کس دلیل سے، طالب علم نے بہت سے دلائل پیش کر کے ہوشمندانہ جواب دیئے، شیر شاہ نے اس کو پانچ سو بیگھے زمین اور پانچ سو نقد روپے دینے کا حکم دیا، طالب علم نے کہا میں کلامِ ربانی کا حافظ بھی ہوں، شیر شاہ نے پانچ سو بیگھے زمین اور پانچ سو روپے مزید دینے کا حکم دیا، پھر طالبعلم سے پوچھا کہ اب تم نے اپنی قابلیت کے مطابق معاش اور نقدی پالی، طالب علم نے جواب دیا، جی ہاں، بادشاہ عالم سلامت! اپنی قابلیت کے مطابق تو پالیا، لیکن بادشاہ کے کرم کے مطابق نہیں پا سکا۔ شیر شاہ نے پانچ سو بیگھے زمین اور پانچ سو روپے نقد اور دیئے، اس طرح کل ڈیڑھ ہزار بیگھے زمین اور ڈیڑھ ہزار روپے ہوئے، اسی وقت نقد روپے دے دیئے گئے اور زمین جلد از جلد عطا کرنے کا حکم دیا۔" [1]

حضرت لُبَابَہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا

صحابیات میں سے حضرت لُبَابَہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا نہایت ہی خوش قسمت خاتون ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرفِ صحابیت کے ساتھ ساتھ بڑی فضیلتوں سے نوازا ہے۔

① آپ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد ایمان لانے والی دوسری خاتون ہیں۔ [2]

---

[1] تاریخ داؤدی ص ۱۳۲ بحوالہ بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ج ۲ ص ۲۷۔

[2] اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۹۷۔

② حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بہنوئی ہیں اور آپ حضور علیہ السلام کی سالی ہیں کیونکہ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کی سگی بہن ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں ہیں۔

③ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی چچی بھی لگتی ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی چچا حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ کی آپ اہلیہ محترمہ ہیں۔

④ آپ اہلِ اسلام کے سپہ سالار اعظم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خالہ بھی لگتی ہیں۔

حضرت لبابہؓ کے چھ صاحبزادے

اللہ تعالیٰ نے حضرت لبابہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ سے چھ بیٹے عطا کیے تھے۔

(۱) حضرت فضل (۲) حضرت عبداللہ (۳) حضرت عبید اللہ (۴) حضرت قثم (۵) حضرت عبدالرحمٰن (۶) حضرت مَعْبَدْ رضی اللہ عنہم ان چھ میں سے اوّل الذکر چار بیٹے جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں اور آخری دو صغار صحابہ کرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب بیٹوں کو بڑا مرتبہ و مقام عطا فرمایا تھا۔

ھلالی فرماتے ہیں۔

" ما ولدت	کسی شریف زادی نے اپنے
نجیبة من فحل	شوہر سے چھ بیٹے ایسے نہیں
کستة من بطن	جنے جیسے کہ ام الفضل (حضرت
ام الفضل اکرم	لبابہؓ) کے بطن سے چھ بیٹے
بها من کهلة	پیدا ہوئے یہ کیا ہی خوب ادھیڑ

وکھل"۔ [1] عمر کے میاں بیوی ہیں۔

یہ بات عجیب اتفاقات میں سے ہے کہ حضرت لبابہؓ کے ان چھ بیٹوں میں سے ہر ایک کا انتقال نہایت ہی دُور دراز علاقہ میں ہوا۔ قنبیؒ کہتے ہیں مفسر قرآن ابوصالح فرماتے ہیں۔

" ما رأينا بني	ہم نے قطعاً نہیں دیکھا کہ کسی ماں
اُم قط ابعد قبورًا	کے بیٹوں کی قبریں اس قدر دُور
من بني العباس	دُور بنی ہوں جتنی کہ حضرت عباسؓ
لِاُم الفضل ، مات	کے اُن بیٹوں کی قبریں جو انکی اہلیہ
الفضل بالشام ،	اُم الفضلؓ کے بطن سے ہوئے
و مات عبد الله	چنانچہ حضرت فضلؓ ملک شام
با لطائف ، و مات	میں شہید ہوئے، حضرت عبداللہ
عبيد الله بالمدينة،	بن عباسؓ طائف میں فوت ہوئے
و مات قثم،	حضرت عبید اللہ مدینہ منورہ میں فوت
بسمرقند ، وقتل	ہوئے، حضرت قثمؓ سمرقند (ازبکستان)
معبد با فريقية"	میں فوت ہوئے (حضرت عبدالرحمٰنؓ
[2]	اور) حضرت معبدؓ افریقہ میں
	شہید ہوئے۔

حضرت فضل رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے صاحبزادے

---

[1] القند فی ذکر علماء سمرقند ص ۵۲۹۔

[2] القند فی ذکر علماء سمرقند ص ۵۲۸۔

تھے، آپ کی وفات ملک شام میں ہوئی رہا یہ کہ کب ہوئی اور کیسے ہوئی اس میں اختلاف ہے ایک قول کے مطابق آپ معرکۂ مرج الصفر میں شہید ہوئے، دوسرا قول یہ ہے کہ معرکۂ اَجنَادِین میں شہید ہوئے یہ دونوں معرکے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت ۱۳ھ میں پیش آئے، تیسرا قول یہ ہے کہ ۱۸ھ میں طاعونِ عمواس میں آپ کی وفات ہوئی چوتھا قول یہ ہے کہ آپ ۱۵ھ میں یرموک کے معرکہ میں شہید ہوئے۔ [1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا انتقال طائف میں ۶۸ھ یا ۷۰ھ میں ہوا۔

حضرت عبید اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا انتقال اکثر مؤرخین کے قول کے مطابق مدینہ طیبہ میں یزید کے دور میں ہوا۔

حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہما ۵۶ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سعید رضی اللہ عنہ کے ساتھ سمرقند تشریف لے گئے وہیں سمرقند میں جو اب ریاست ازبکستان کا شہر ہے آپ کی وفات ہوئی، سمرقند میں آپ کا روضۂ مبارک شاہِ زندہ کے نام سے معروف اور زیارت گاہِ عام ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہیں تشریف لے جا رہے تھے راستے میں اپنے بھائی قثم کے انتقال کی خبر ملی، راستے سے ایک طرف کو ہو کر اونٹ سے اترے۔ دو رکعت نماز پڑھی اور التحیات میں بہت دیر تک دعائیں پڑھتے رہے اس کے بعد اٹھے اور اونٹ پر سوار ہوئے اور قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمانے لگے۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ۔ [2]

---

[1] یہ چاروں اقوال اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۸۳ سے لیے گئے ہیں۔ [2] اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۹۸

آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہے اور مدد حاصل کرو صبر کے ساتھ اور نماز کے ساتھ بے شک نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے دلوں میں خشوع ہے اُن پر کچھ دشوار نہیں۔

حضرت عبد الرحمٰن اور حضرت معبد رضی اللہ عنہما دونوں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد کے لیے افریقہ تشریف لے گئے تھے، یہ جہاد ۲۷ھ میں ٹیونس میں ہوا تھا، اسی میں دونوں بھائی شہید ہوئے۔

○
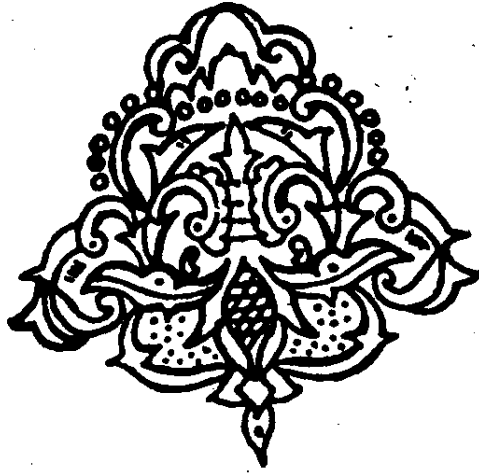
حضرت بایزید بسطامیؒ کا ایک پادری سے مکالمہ

حضرت بایزید بسطامی[1] رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۶۱) اپنے زمانے کے کبار اولیاء کرام میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن خوبیوں سے نوازا تھا وہ کم ہی کسی کو نصیب ہوتی ہیں۔ آپ کی جلالتِ قدر کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت جنید بغدادی (م ۲۹۷ھ) جیسے بزرگ بھی آپ کی تعریف میں رَطْبُ اللِّسَانْ ہیں، چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"بایزید درمیانِ ما چوں جبرائیل است درمیان ملائکہ، وہم او گفت نہایتِ میدانِ جملہ رَوِنْدگان کہ بتوحید رَوَانَنْدْ بدایتِ میدانِ ایں خراسانی است، جملہ مرداں کہ بدایت قدم او رسند ہمہ درگردند و فروشوند و نمانند۔"[2]

حضرت بایزید (بسطامی) کی ذات بابرکات ہم میں ایسی ہے جیسے جبرئیل علیہ السلام کی شخصیت فرشتوں میں، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تمام سالکانِ راہِ توحید کی انتہا، آپ کی ابتدا ہے کیونکہ ابتدائی مقام ہی میں لوگ حیران و سرگرداں ہو کر رہ جاتے ہیں۔

---

[1] بسطام کی طرف نسبت ہے، بسطام ایران کا ایک شہر ہے۔

[2] تذکرۃ الاولیاء، فارسی ج ۱ ص ۱۲۹

حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۲۷ھ) نے "تذکرۃ الاولیاء" میں تفصیل کے ساتھ آپ کا تذکرہ کیا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک پادری کے ساتھ طویل مکالمہ مشہور ہے عرصہ سے یہ مکالمہ لوگوں کی زبانی سننے میں آتا تھا، لیکن کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا تھا —— اتفاق سے ماہنامہ "ندائے شاہی" مراد آباد کا جولائی ۱۹۹۷ء کا شمارہ نظر سے گزرا۔ اس میں یہ مکالمہ تفصیل سے دیا گیا تھا، رسالہ میں اس مکالمہ کو نزہۃ المجالس کے حوالے سے نقل کیا گیا تھا۔ راقم الحروف نے "نزہۃ المجالس" از اوّل تا آخر پڑھی مگر اس میں یہ مکالمہ نہیں ملا۔

۱۹۹۸ء میں راقم الحروف کا دیوبند جانا ہوا تو وہاں ایک کتاب بنام "ایک پادری اور بایزید بسطامی" ملی، یہ کتاب مولانا طاہر حسن ہرسولوی صاحب نے تحریر فرمائی ہے اس میں آپ نے یہ مکالمہ "الروض الفائق" کے حوالے سے درج فرمایا ہے اور اس میں اس مکالمہ کی شرح تحریر کی ہے۔

احقر ہندوستان کے سفر سے واپس آیا تو اپنے مادرِ علمی "جامعہ مدنیہ" کی لائبریری سے "الروض الفائق" نکالی اور اسے پڑھنا شروع کیا۔ تقریباً کتاب کے آخر میں یہ مکالمہ مل گیا۔ یہ مکالمہ نہایت دلچسپ اور حیرت انگیز سوال وجواب پر مشتمل ہے۔ راقم اصل کتاب سے ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لیے وہ مکالمہ "انوارِ مدینہ" کے صفحات میں پیش کر رہا ہے۔ قبل اس کے کہ وہ مکالمہ پیش کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اور صاحبِ کتاب کا مختصر سا تعارف کروا دیا جائے۔ کتاب کے مصنف کا نام نامی شعیب ہے اور حُرَیفیش کے لقب سے مشہور ہیں۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

ابو مدین شعیب بن عبد اللہ بن سعد بن عبد الکافی، آپ مصر کے شہر قاہرہ کے محلہ حارۃ الروم میں رہتے تھے، اپنے زمانہ کے صاحبِ کشف بزرگ تھے، لوگوں کا آپ کے متعلق خیال

تھا کہ آپ مجاذیب میں سے ہیں، مصر سے آپ مکہ مکرمہ چلے گئے اور تئیس برس سے زیادہ حرم کعبہ کی مجاورت میں گزار کر ۸۱۱ھ میں وہیں انتقال فرمایا۔

آپ عالم بھی تھے اور صوفی و زاہد بھی تھے، وعظ کہا کرتے تھے۔ وعظ سے متعلق آپ نے یہ کتاب لکھی ہے جس کا پورا نام "الروض الفائق فی المواعظ والرقائق" ہے[1]۔ یہ کتاب ۲۹×۲۲/۸ سائز کے ۲۵۴ صفحات پر مشتمل ہے، مصنف علیہ الرحمۃ نے اس میں ۵۶ عنوان قائم کئے ہیں اور ہر عنوان کو مجلس کے نام سے مُعَنْوَن کیا ہے۔ پہلی مجلس دُرود شریف اور بسم اللہ کے فضائل کے بیان میں ہے اور آخری مجلس رحمتِ خداوندی کی وسعت کے بیان میں ہے۔ باقی مجلسوں کے تحت آپ نے آیاتِ کریمہ، احادیثِ مبارکہ، عبرت آموز واقعات، سلفِ صالحین کی حکایات اور اُن کے مناقب و محامد ذکر کیے ہیں، وعظ کے لحاظ سے یہ کتاب انتہائی نفیس ہے اور اس کی تمام باتیں اثر انگیز ہیں۔

اس کتاب میں مصنف علیہ الرحمۃ نے حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کا ایک پادری سے مکالمہ ذکر کیا ہے، مکالمہ میں درج سوالات وجوابات عجیب وغریب اور انتہائی حیرت انگیز ہیں۔ لیکن مصنف علیہ الرحمۃ نے یہ مکالمہ کہاں سے لیا ہے اِس کا اُنہوں نے نہ تو کوئی حوالہ دیا اور نہ ہی کوئی سند ذکر کی ہے اس لحاظ سے مکالمہ کا پایۂ ثبوت کمزور ہو کر رہ جاتا ہے۔ تاہم مصنف علیہ الرحمۃ خود بڑی شخصیت ہیں اور مکالمہ میں کوئی ایسی چیز نہیں جو شریعت سے متصادم ہو اس لیے اس کے آگے نقل کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہم اسی نقطۂ نظر سے یہ مکالمہ اپنے رسالہ انوار مدینہ کے صفحات میں پیش کر رہے ہیں۔ لیجیے وہ مکالمہ ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

---

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے الاعلام للزرکلی الضوء اللامع للسخاوی، شذرات الذہب لابن العماد الحنبلی

"ایک دن میں مراقبہ میں اپنی خلوت و راحت سے لذت حاصل کر رہا تھا نیز اپنی فکر میں مستغرق اور اپنے ذکر سے اُنسیت حاصل کر رہا تھا۔ اچانک میرے گوشۂ دل میں آواز آئی کہ : ابویزید دیرِ سمعان جاؤ اور وہاں کے راہبوں کے ساتھ اُن کی عید و قربانی میں شریک ہو ہمیں وہاں ایک عظیم معاملہ درپیش ہے۔ حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ : مَیں نے اس آواز کو وسوسہ خیال کر کے اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہی، اور مَیں نے (جی میں) کہا کہ مَیں اِس وسوسہ کو خاطر میں نہیں لاتا، جب رات ہوئی تو ہاتفِ غیبی نیند میں آیا اور وُہی بات دُہرائی (کہ بایزید دیرِ سمعان جاؤ) مَیں بیدار ہوا تو بے قرار ہو کر لرزنے کانپنے لگا، مجھ پر اس کلام کا اتنا اثر تھا کہ مفلوج آدمی سُنے تو کھڑا ہو جائے۔ مجھے دورانِ مراقبہ کہا گیا کہ : (بایزید) تم ہمارے نزدیک اَولیاءِ اخیار میں سے ہو اور ابرار (نیک لوگوں) کے رجسٹر میں تمہارا نام درج ہے، تم کچھ محسوس نہ کرو اور راہبوں کا بھیس بدل لو اور ہماری خاطر زُنّار باندھ لو، اس سلسلہ میں تم پر کسی قسم کا کوئی گناہ اور نکیر نہ ہوگی۔ حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ مَیں صبح سویرے اُٹھا اور حکمِ الٰہی کے پُورا کرنے میں لگ گیا، میں نے راہبوں کا بھیس بدلا اور اُن کے ساتھ دیرِ سمعان چلا آیا۔ جب اُن راہبوں کا بڑا پادری آیا اور یہ سب اس کے گرد اکٹھے ہوئے اور خاموش ہو کر اس کے کلام کو سننے کی طرف متوجہ ہوئے تو اُس کے لیے کھڑا ہونا مشکل ہو گیا اور قوّتِ گویائی نہ رہی گویا اُس کے مُنہ میں لگام ڈال دی گئی ہے سارے راہب اس کی طرف متوجہ ہو کر بولے : حضور کیا بات پیش آگئی ہے کہ آپ کچھ کلام نہیں فرما رہے۔ ہم آپ کے کلام سے راہ یاب ہوتے اور آپ کے علم کی اقتدار کرتے ہیں، پادری بولا کہ مجھے

کلام کرنے اور تقریر کا آغاز کرنے میں کوئی اور رکاوٹ نہیں ہے سوائے اس کے کہ تمہارے درمیان ایک رَجُلِ محمدیؐ آگیا ہے اور وہ آیا ہے تمہارے دین کو جانچنے اور تم پر زیادتی کرنے کے لیے وہ سارے بولے کہ آپ ہمیں بتلائیے وہ کون ہے ہم ابھی اُسے قتل کیے دیتے ہیں وہ پادری کہنے لگا کہ نہیں : کسی کو بغیر دلیل و برہان کے قتل کرنا صحیح نہیں، میرا خیال ہے کہ میں اس (رَجُلِ محمدیؐ) کا امتحان لیتا ہوں اور اس سے عِلمُ الاَدیان سے متعلق چند مسائل دریافت کرتا ہوں اگر اس نے ان کا جواب دے دیا اور اچھی طرح بیان کر دیا تو ہم اسے چھوڑ دینگے ورنہ مار ڈالیں گے ، ضابطہ بھی ہے کہ امتحان کے وقت آدمی کی یا تو عزت ہوتی ہے یا وہ ذلیل و رُسوا ہو جاتا ہے " وہ سارے پادری بولے ٹھیک ہے جناب کی جو رائے ہو اس کے مطابق عمل کریں ، ہم تو استفادے کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں وہ بڑا پادری اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا اور یوں پکارا کہ : اے رجل محمدی تجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا واسطہ تو اپنی جگہ پہ کھڑا ہو جا تاکہ نگاہیں تجھے دیکھ سکیں ۔ حضرت بایزیدؒ اُٹھے اور اللہ جَلَّ شانُہٗ کی تسبیح و تنزیہ کرنے لگے ۔

پادری نے آپ کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ : اے رجل محمدی میرا ارادہ ہے کہ میں تجھ سے کچھ سوالات کروں ، اگر تُو نے اُن کے جوابات دے دیے اور اُن کی اچھی تشریح کر دی تو ہم تیری پیروی کر لیں گے اور اگر تو ان کے جوابات نہ دے سکا تو ہم تجھے قتل کر دیں گے ۔

حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ منقولات و معقولات میں سے جو چاہو پوچھو ہماری جو باتیں ہوں گی اللہ اس پر گواہ ہے ۔

(۱) آپ ہمیں ایسا ایک بتلائیے جس کا دوسرا نہیں۔
(۲) اور ایسے دو جن کا تیسرا نہیں۔
(۳) اور ایسے تین جن کا چوتھا نہیں۔
(۴) اور ایسے چار جن کا پانچواں نہیں۔
(۵) اور ایسے پانچ جن کا چھٹا نہیں۔
(۶) اور ایسے چھ جن کا ساتواں نہیں۔
(۷) اور ایسے سات جن کا آٹھواں نہیں۔
(۸) اور ایسے آٹھ جن کا نواں نہیں۔
(۹) اور ایسے نو جن کا دسواں نہیں۔
(۱۰) اور عشرۂ کاملہ کے بارے میں بتلائیے۔
(۱۱) اور ہمیں گیارہ کے بارے میں بتلائیے۔
(۱۲) اور بارہ کے بارے میں خبر دیجئے۔
(۱۳) اور تیرہ کے بارے میں بتلائیے ان سے کیا مُراد ہے۔
(۱۴) اور بتلائیے کہ وہ کونسی قوم تھی جس نے جھوٹ بولا اور جنت میں گئی اور وہ کونسی قوم ہے جس نے سچ بولا اور جہنم میں پہنچی؟
(۱۵) اور بتلائیے کہ انسانی جسم میں اس کے نام رہنے کی جگہ کہاں ہے؟
(۱۶) اور ذَارِیَاتِ ذَرْوًا۔
(۱۷) حَامِلَاتِ وِقْرًا۔
(۱۸) جَارِیَاتِ یُسْرًا۔
(۱۹) اور مُقَسِّمَاتِ اَمْرًا کے بارے میں بتلائیے ان سے کیا مُراد ہے؟
(۲۰) اور وہ چیز بتلائیے جو بغیر رُوح کے سانس لیتی ہے۔

(۲۱) اوران چودہ کے بارے میں بتلائیے جنہوں نے اللہ رب العزت سے کلام کیا۔

(۲۲) اور وہ قبر بتلائیے جو اپنے مُردہ کو لیے پھرتی رہی۔

(۲۳) اور ایسا پانی بتلائیے جو نہ زمین سے نکلا اور نہ آسمان سے برسا۔

(۲۴) اوران چار کے بارے میں بتلائیے جو نہ باپ کی پیٹھ سے نکلے اور نہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔

(۲۵) اور بتلائیے کہ زمین پر سب سے پہلے خون کونسا بہایا گیا۔

(۲۶) اور وہ چیز بتلائیے جس کو اللہ نے پیدا کیا اور پھر خرید لیا۔

(۲۷) اور وہ چیز بتلائیے جس کو اللہ نے پیدا کیا پھر اس کو بُرا بتلایا۔

(۲۸) اور وہ چیز بتلائیے کہ جس کو اللہ نے پیدا کیا اور بڑا بتلایا۔

(۲۹) اور وہ چیز بتلائیے کہ جس کو اللہ نے پیدا کیا اور اس کے بارے میں سوال کیا۔

(۳۰) بتلائیے عورتوں میں سب سے افضل عورتیں کون سی ہیں؟

(۳۱) دریاؤں میں سب سے افضل دریا کون سے ہیں؟

(۳۲) پہاڑوں میں سب سے افضل پہاڑ کون سا ہے؟

(۳۳) چوپایوں میں سب سے افضل چوپایہ کون سا ہے؟

(۳۴) مہینوں میں سب سے افضل مہینہ کون سا ہے؟

(۳۵) اور راتوں میں سب سے افضل رات کون سی ہے؟

(۳۶) اور طامّہ کسے کہتے ہیں بتلائیے؟

(۳۷) اور ایسا درخت بتلائیے جس میں بارہ ٹہنیاں اور ہر ٹہنی پر تیس پتے اور ہر پتے پر پانچ پھول دو دُھوپ میں کھلتے ہیں اور تین سایہ میں۔

(۳۸) اور وہ چیز کون سی ہے جس نے بیت اللہ کا طواف کیا حج کیا، حالانکہ اس پر نہ حج فرض اور نہ اس میں رُوح۔

(٣٩) اور بتلایئے اللہ نے کتنے نبی بھیجے ؟

(٤٠) اور ان میں کتنے رسول ہوئے ؟

(٤١) اور ایسی چار چیزیں بتلایئے کہ جن کا ذائقہ اور رنگ مختلف اور ان سب کی اصل ایک ہے۔

(٤٢) اور نقیرؔ، قطمیرؔ اور فتیلؔ کے بارے میں بتلایئے۔

(٤٣) اور بتلایئے سبدؔ اور لبدؔ کیا چیز ہوتی ہے ؟

(٤٤) اور بتایئے ظم اور رم سے کیا مراد ہے ؟

(٤٥) اور بتلایئے کہ کتا جب آواز کرتا ہے تو کیا کہتا ہے ؟

(٤٦) اور گدھا جب بولتا ہے تو کیا کہتا ہے ؟

(٤٧) بیل کیا بولتا ہے ؟

(٤٨) گھوڑا ہنہناتے وقت کیا کہتا ہے ؟

(٤٩) اُونٹ کیا کہتا ہے ؟

(٥٠) مور کیا گاتا ہے ؟

(٥١) تیتر کیا بولتا ہے ؟[۱]

(٥٢) بلبل چہچہاتے وقت کیا گاتی ہے ؟

(٥٣) مینڈک اپنی تسبیح میں کیا کہتا ہے ؟

(٥٤) ناقوس سے کیا آواز آتی ہے ؟

(٥٥) ایسی قوم بتلایئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی جانب وحی فرمائی حالانکہ نہ وہ انسان ہے نہ جنات نہ فرشتے۔

---

[۱] سلسلۂ جوابات میں اس کا ذکر نہیں آیا اس وجہ سے جوابات ۵۵ رہ گئے ہیں۔

۵۶ اور بتلایئے کہ جب دن آتا ہے تورات کہاں چلی جاتی ہے اور جب رات آتی ہے تو دن کہاں رہتا ہے؟

(جب پادری اتنے سوالات کر چکا تو) حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا اور کچھ پوچھنا ہے؟ پادری بولا نہیں اور کچھ نہیں پوچھنا (آپ صرف انہیں سوالات کے صحیح صحیح جوابات دے دیجئے اور ہماری باتوں کو وضاحت سے بیان کر دیجئے) حضرت بایزید بسطامیؒ نے پھر یاد دہانی کراتے ہوئے فرمایا کہ اگر میں تمام باتوں کے صحیح صحیح جواب دے دوں تو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ گے۔ تمام بولے ہاں ہم ضرور ایمان لے آئیں گے، حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الشَّاھِدُ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ۔ اے اللہ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں تو اس پر گواہ ہے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ نے جوابات دینے شروع کیے اور فرمایا۔

۱ ایسا ایک جس کا دوسرا نہیں وہ اللہ واحد و قہّار ہے۔

۲ اور ایسے دو جن کا تیسرا نہیں وہ رات اور دن ہے، اللہ رب العزت نے فرمایا۔

وَجَعَلْنَا اللَّیْلَ وَالنَّھَارَ اٰیَتَیْنِ۔ اور ہم نے بنائے رات اور دن دو نمونے۔

۳ اور ایسے تین جن کا چوتھا نہیں وہ عرش، کرسی اور قلم ہے۔

۴ اور ایسے چار جن کا پانچواں نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ چاروں کتابیں تورات، زبور، انجیل اور قرآن پاک ہیں۔

۵ اور ایسے پانچ جن کا چھٹا نہیں وہ پانچ نمازیں ہیں جن کا ہر مسلمان مرد و عورت پر پڑھنا فرض ہے۔

۶ اور ایسے چھ جن کا ساتواں نہیں وہ چھ دن ہیں جن کا اللہ تعالےٰ نے اپنے

کلام میں ذکر فرمایا ہے۔ " وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ " ہم نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن میں۔

⑦ اور ایسے سات جن کا آٹھواں نہیں وہ ساتوں آسمان ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: " الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا "، وہی تو ہے جس نے بنائے سات آسمان تہہ بہ تہہ۔

⑧ اور ایسے آٹھ جن کا نواں نہیں تو وہ عرش الٰہی کو اُٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ " اور اُٹھائے ہوئے ہوں گے آپ کے رب کا عرش اُس روز آٹھ فرشتے۔

⑨ اور ایسے نو جن کا دسواں نہیں تو وہ نو شخص ہیں جو شہر میں فساد پھیلاتے تھے، ارشادِ باری ہے: وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ " اور اس شہر میں نو شخص تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔

⑩ اور عشرۂ کاملہ سے مراد وہ دس دن ہیں جن میں متمتع ہدی نہ ہونے کی صورت میں روزہ رکھتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ "، پس روزے رکھے تین حج کے دنوں میں اور سات روزے اس وقت جب تم واپس لوٹو، یہ پورے دس دن ہوئے۔

⑪ رہا تمہارا سوال گیارہ کے بارے میں تو وہ برادرانِ یوسف ہیں جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے جناب یوسف علیہ السلام کی جانب سے حکایۃً فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد

ہے۔ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا " میں نے دیکھا (خواب میں) گیارہ ستاروں (یعنی بھائیوں) کو

⑫ اور بارہ کے متعلق تمہارا سوال تو اُن سے مُراد بارہ مہینے ہیں، اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ، بلاشُبہہ اللہ کے یہاں مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہیں۔ اللہ کے حکم میں،

⑬ اور تمہارا سوال تیرہ کے متعلّق تو اس سے مُراد حضرت یُوسف علیہ السّلام کا خواب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔" اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سَاجِدِیْنَ " بے شک مَیں نے دیکھا ہے (خواب میں) گیارہ ستاروں کو اور سُورج اور چاند کو، مَیں نے دیکھا انہیں کہ یہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

⑭ رہا تمہارا سوال ایسی قوم کے بارے میں جس نے جھُوٹ بولا اور جنّت میں گئی تو وہ حضرت یُوسُف علیہ السّلام کے بھائی ہیں۔ جنہوں نے یہ کہا تھا۔" اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ "، ابّاجان ہم دوڑنے لگے آگے نکلنے کو اور یُوسُف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑا اُسے بھیڑیا کھا گیا۔ یہ بات انہوں نے جھُوٹ کہی تھی لیکن پھر بھی جنّت میں گئے (کیونکہ توبہ کرلی تھی) اور وہ قوم جس نے سچ بولا پھر بھی جہنّم میں گئی تو وہ یہود و نصارٰی ہیں۔ جنہوں نے یہ کہا: وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصَارٰی عَلٰی شَیْءٍ وَّقَالَتِ النَّصَارٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ " یہودی کہتے ہیں کہ نصارٰی کسی راہ پر نہیں ہیں اور نصارٰی کہتے ہیں کہ یہودی کسی راہ پر نہیں ہیں۔ انہوں نے یہ بات تو سچ کہی ہے لیکن پھر بھی جہنّم میں گئے (اس لیے کہ یہ

نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔)

⑮ رہا تمہارا یہ سوال کہ تمہارے جسم میں تمہارے نام رہنے کی جگہ کہاں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارا نام رہنے کی جگہ تمہارے کان ہیں۔

⑯ ذَارِیَاتِ ذَرْوًا سے مُراد چاروں ہوائیں ہیں۔

⑰ حَامِلَاتِ وِقْرًا سے مُراد بادل ہیں، چنانچہ ارشاد باری ہے۔ "وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ" اور بادل میں جو کہ مسخّر ہے آسمان و زمین کے درمیان۔

⑱ جَارِیَاتِ یُسْرًا سے مراد دریاؤں میں چلنے والی کشتیاں ہیں۔

⑲ اور مُقَسِّمَاتِ اَمْرًا سے مراد وہ فرشتے ہیں جو نصف شعبان سے اگلے نصف شعبان تک مخلوق کی روزی تقسیم کرنے پر مقرر ہیں۔

⑳ اور وہ چودہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا سو وہ ساتوں زمین اور ساتوں آسمان ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔" فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ اُئْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَیْنَا طَائِعِیْنَ۔ پھر فرمایا آسمان اور زمین سے کہ چلے آؤ خوشی سے یا ناخوشی سے، بولے آئے ہم خوشی سے۔

㉑ اور ایسی قبر جو اپنے مُردہ کو لیے پھرتی رہی سو وہ مچھلی ہے جس نے یونس علیہ السّلام کو نگل لیا تھا اور اُن کو دریا میں لیے پھرتی تھی۔

㉒ اور ایسی چیز جو بغیر رُوح کے سانس لیتی ہے وہ صبح ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔" وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ" اور قسم ہے صبح کی جب دم بھرے۔

㉓ اور ایسا پانی جو نہ آسمان سے برسا اور نہ زمین سے نکلا سو اس سے گھوڑے کا پسینہ مُراد ہے۔ جو بلقیس نے قارورہ میں رکھ کر حضرت سلیمان علیہ السّلام کے پاس اُن کا امتحان لینے کے لیے بھیجا تھا۔

(۲۴) اور ایسے چار جو نہ باپ کی پیٹھ سے نکلے اور نہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔
(۱) وہ حضرت اسماعیل علیہ السّلام کے فدیہ میں آنے والا مینڈھا (۲) حضرت صالح علیہ السّلام کی اُونٹنی جو پہاڑ سے پیدا کی گئی (۳) حضرت آدم علیہ السّلام جو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے (۴) حضرت اماں حوّا علیہا السّلام جو حضرت آدم علیہ السّلام کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں۔ یہ چار مراد ہیں۔

(۲۵) اور وہ خون جو زمین پر سب سے پہلے بہایا گیا وہ ہابیل کا خون ہے جسے اس کے بھائی قابیل نے قتل کر دیا تھا۔

(۲۶) اور ایسی چیز جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور پھر خود ہی خرید لیا وہ مؤمن کا نفس ہے، چنانچہ ارشادِ باری ہے۔ "اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ"، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے خرید لیا ہے اہلِ ایمان سے ان کے نفسوں اور مالوں کو اس قیمت پر کہ ان کیلئے جنّت ہے۔

(۲۷) اور ایسی چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اُسے بُرا بتلایا وہ گدھے کی آواز ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ"، بلاشبہ سب سے بُری آواز گدھے کی ہے۔

(۲۸) ایسی چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور بڑا بتلایا وہ عورتوں کا مکر اور چالاکی ہے ارشاد ہے۔ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ البتہ تمہارا مکر و فریب بڑا ہے۔

(۲۹) ایسی چیز جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور اس کے بارے میں سوال کیا وہ حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام کی لاٹھی ہے، ارشادِ باری ہے۔ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى قَالَ هِىَ عَصَاىَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِىْ، یہ کیا ہے تمہارے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ عرض کیا کہ یہ میری لاٹھی ہے اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور پتے جھاڑتا ہوں اس سے بکریوں کے لیے۔

(۳۰) عورتوں میں سب سے افضل حضرت حوّا، (اُمُّ الْبَشَر) حضرت خدیجہ حضرت عائشہ حضرت آسیہ حضرت مریم بنت عمران رضی اللہ عنہن ہیں۔

(۳۱) دریاؤں میں سب سے افضل دریا سَیحُوْنُ، جَیحُوْنُ، دِجلَہ، فُرات اور نیل ہیں۔

(۳۲) پہاڑوں میں سب سے افضل پہاڑ طور ہے۔

(۳۳) چوپایوں میں سب سے افضل گھوڑا ہے۔

(۳۴) مہینوں میں سب سے افضل رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ" رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔

(۳۵) راتوں میں سب سے افضل لیلۃ القدر ہے۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں۔ "لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ"۔ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

(۳۶) طَامّہ قیامت کے دن کو کہتے ہیں۔

(۳۷) ایسا درخت جس میں بارہ ٹہنیاں ہوں ہر ٹہنی پر تیس پتے ہوں ہر پتہ پر پانچ پھول ہوں جن میں سے دو دھوپ میں کھلتے ہوں اور تین سایہ میں، سو درخت سے مراد تو سال ہے بارہ ٹہنیوں سے مُراد بارہ مہینے ہیں اور تیس پتوں سے مُراد مہینے کے تیس دن ہیں اور ہر پتے پر پانچ پھول سے مُراد پانچوں فرض نمازیں ہیں جو رات دن میں پڑھی جاتی ہیں جن میں سے دو ظہر اور عصر دُھوپ (دن) میں اور تین فجر، مغرب، عشاء سایہ (رات) میں پڑھی جاتی ہیں۔

(۳۸) ایسی چیز جس نے بیت اللہ کا طواف کیا، حج کیا، حالانکہ نہ اس پر حج فرض نہ اس میں جان اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے۔

(۳۹) رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ نے کتنے انبیاء اور رسُول بھیجے سو اللہ تعالیٰ نے (کم وبیش) ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام مبعوث فرمائے۔

(۴۰) اور ان میں سے تین سو تیرہ کو رسُول بنایا۔

(۴۱) ایسی چار چیزیں جن کا ذائقہ اور رنگ الگ الگ ہے اور ان سب کی اصل ایک ہے وہ آنکھ، ناک، کان اور مُنہ ہیں۔ آنکھوں کا پانی کھاری، مُنہ کا پانی میٹھا، ناک کا پانی کھٹا اور کان کا پانی کڑوا ہوتا ہے۔

(۴۲) یہ سوال کہ نقیر، قطمیر اور فتیل کس کو کہتے ہیں سو نقیر کھجور کی گٹھلی کی پُشت پر جو نقطہ ہے اس کو، اور قطمیر کھجور کی گٹھلی کے اُوپر جو باریک چھلکا ہوتا ہے اُسے اور فتیل کھجور کی گٹھلی کے شگاف کی باریک بتی کو کہتے ہیں۔

(۴۳) سبد اور لبد، بھیڑ، دنبہ اور بکری کے بالوں کو کہتے ہیں۔

(۴۴) طم اور رم سے مُراد ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السّلام سے پہلے کی مخلوق ہے۔

(۴۵) گدھا جب شیطان کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے " لَعَنَ اللّٰہُ الْعَشَّارَ و ھوالمکاس" چنگی پر محصُول لینے والے پر خدا کی پھٹکار ہو۔

(۴۶) کتا کہتا ہے " وَیْلٌ لِاَھْلِ النَّارِ مِنْ غَضَبِ الْجَبَّارِ" اللہ جبار کے غصہ کی وجہ سے دوزخیوں کے لیے ہلاکت و بربادی ہے۔

(۴۷) بیل کہتا ہے " سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ "

(۴۸) گھوڑا کہتا ہے۔ " سُبْحَانَ حَافِظِیْ اِذَا الْتَقَتِ الْاَبْطَالُ وَاشْتَغَلَتِ الرِّجَالُ بِالرِّجَالِ "

(۴۹) اونٹ کہتا ہے۔ " حَسْبِیَ اللّٰہُ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا "

(۵۰) مور کہتا ہے۔ " اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی "

(۵۱) بلبل کہتی ہے۔ " سُبْحَانَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ "

(۵۲) مینڈک کہتا ہے۔ "سُبْحَانَ الْمَعْبُوْدُ فِی الْبَرَارِیْ وَالْقِفَارِ سُبْحَانَ الْمَلِكُ الْجَبَّارُ"

(۵۳) ناقوس سے آواز نکلتی ہے۔ "سُبْحَانَ اللّٰہِ حَقًّا حَقًّا اُنْظُرْ یَا ابْنَ اٰدَمَ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا شَرْقًا وَغَرْبًا مَا تَرٰی فِیْهَا یَبْقٰی (اللہ پاک ہے وہ سچ اور حق ہے اے ابنِ آدم اس دُنیا میں بنظرِ عبرت مشرق و مغرب کی طرف دیکھ تجھے اس میں کوئی بھی باقی نظر نہیں آئے گا۔)

(۵۴) ایسی قوم جس کی جانب اللہ تعالیٰ نے وحی کی حالانکہ وہ نہ انسان ہیں نہ جن اور نہ فرشتے، وہ شہد کی مکھی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ" اور حکم دیا آپ کے رب نے شہد کی مکھی کو بنائے پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور جہاں ٹٹیاں باندھتے ہیں۔

(۵۵) رہا یہ سوال کہ جب دن آتا ہے تو رات کہاں ہوتی ہے اور جب رات آتی ہے تو دن کہاں ہوتا ہے تو اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں، یہ راز نہ کسی نبی و رسول پر کھلا اور نہ کوئی مقرب سے مقرب فرشتہ اس پر مطلع ہوا۔

(ان تمام سوالوں کا جواب دینے کے بعد) حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا: اگر کوئی اور سوال رہ گیا ہو تو پوچھ لو سب نے کہا کہ اب کوئی سوال باقی نہیں رہا۔

آپ نے فرمایا اچھا اب میری ایک بات کا جواب دو، یہ بتلاؤ کہ آسمانوں اور جنت کی کنجی کیا ہے؟ بڑا پادری اس پر خاموش رہا، مجمع میں سے آواز آئی کہ تم نے اتنی باتیں پوچھیں اور انہوں نے ان سب کا جواب دے دیا یہ کیا بات ہے کہ انہوں نے تم سے صرف ایک بات پوچھی اور تم اس کا بھی جواب نہیں دے پا رہے۔ پادری بولا کہ میں ان کی بات کا جواب دینے سے عاجز نہیں ہوں۔ مجھے خطرہ ہے کہ اگر میں

نے ان کی بات کا جواب دے دیا تو تم میری موافقت نہیں کرو گے، وہ بولے ہم آپ کی موافقت کیوں نہیں کریں گے آپ ہمارے بڑے ہیں۔ آپ نے جب بھی کچھ کہا ہم نے سُنا اور آپ کی موافقت کی۔

پادری نے کہا کہ لو پھر سُنو آسمانوں اور جنّت کی کنجی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔ جب اُنہوں نے یہ بات سُنی تو سب کے سب مسلمان ہو گئے اور گرجے کو گرا کر اس کی جگہ مسجد بنائی اور سب نے اپنی اپنی زُنّاریں توڑ ڈالیں اس موقع پر حضرت بایزید بسطامیؒ کو غیب سے آواز آئی اے بایزید تم نے ہماری رضا کی خاطر ایک زُنّار باندھی تھی ہم نے تمہاری خاطر پانچ سو زُنّاروں کو توڑ دیا"۔ لـه

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ .....

" اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ " عربی کا مشہور محاورہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فضیلت کی چیز تو وہ ہوتی ہے جس کی گواہی دشمن بھی دیں یعنی دشمن بھی اس کا اقرار کریں کہ واقعی یہ اچھی چیز ہے۔ اس محاورہ کی صداقت ایک ہندو کے بیان سے ہو رہی ہے جو اس نے دارالعُلوم دیوبند کے طلباء کے بارے میں دیا ملاحظہ فرمائیے،

" عرصہ ہوا یوپی اسمبلی میں بجٹ سیشن کے موقع پر مسٹر بالیوال نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ " ہمارے اسکولوں میں تعلیم پانے والے طلبہ جب اپنے مقصد میں ناکام ہوتے ہیں تو قطب مینار سے کُود کر یا کسی پُل سے چھلانگ لگا کر جان دے دیتے ہیں، کیونکہ انہیں جینا نہیں

لـه الروض الفائق فی المواعظ والرقائق ص۲۰۴ تا ص۲۰۶

سکھایا جاتا، اُن کے سامنے زندگی کا کوئی آدرش (مقصد) نہیں"۔

اس کے برخلاف میرے ہی حلقۂ انتخاب میں دیوبند ایک قصبہ ہے جہاں ایک عربی یونیورسٹی دارالعلوم کے نام سے قائم ہے جہاں کا طالب علم معمولی خوراک کھا کر اور معمولی لباس پہن کر تعلیمی زندگی گزارتا ہے اور جب فارغ ہوتا ہے تو ملک کا ایک اچھا شہری بنتا ہے، حکومت پر بوجھ نہیں بنتا بلکہ خود کفیل ہوتا ہے"۔

"یہ شہادت ہمیں بتاتی ہے کہ جدید تعلیم گاہوں کے مقابلہ میں دینی مدارس کی کیا اہمیت ہے"۔ [1]

جذبۂ ہمدردی

"ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سخت سردی کے موسم میں حضرت بشر حافی رحمہ اللہ کی خدمت میں گیا تو دیکھا کہ آپ نے (زائد) کپڑے اُتارے ہوئے ہیں اور (سردی کی وجہ سے) کانپ رہے ہیں، میں نے عرض کیا کہ اے ابونصر ایسے وقت میں تو اور زیادہ کپڑے پہنتے ہیں جبکہ آپ نے اُتار کر رکھ دیے ہیں؟ فرمایا: مجھے فقراء یاد آ گئے (کہ اُن پر کیا گزرتی ہوگی) چونکہ میرے پاس مال تو ہے نہیں کہ اُن کے ساتھ ہمدردی و غمخواری کر سکوں سوچا کہ اتنی ہمدردی کر لوں کہ اُن جیسا ہو جاؤں"۔ [2]

حضرت بشر حافی رحمہ اللہ کا واقعہ پڑھتے ہوئے راقم الحروف کو اکابر اہل سُنّت میں

---

[1] روزنامہ الجمعیت دارالعلوم دیوبند نمبر ۱۹۸۰، صت۱۰۰

[2] تذکرۃ الاولیاء فارسی ج ۱ ص ۱۰۸

سے حضرت میاں اصغر حسین صاحب رحمہ اللہ (م ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۴ء) کا واقعہ یاد آگیا۔ عجیب واقعہ ہے آپ بھی سُنیے: حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں

"آپ کا زنانہ مکان اور نشست گاہ دونوں خام مٹی کی بنی ہوئی تھیں ہر سال برسات کے موقع پر اُس کی لپائی تپائی ناگزیر تھی جس میں کافی پیسے اور وقت خرچ ہوتا تھا، ایک مرتبہ میں نے کہا کہ حضرت جتنا خرچ سالانہ اس کی لپائی پر کرتے ہیں اگر ایک مرتبہ پختہ اینٹوں سے بنانے میں خرچ کرلیں تو دو تین سال میں یہ خرچ برابر ہوجائے اور ہمیشہ کے لیے اس محنت سے نجات ہو۔

فرمایا: ماشاء اللہ بات تو بہت عقل کی کہی ہم بوڑھے ہو گئے ادھر دھیان ہی نہ آیا، یہ فرما کر پھر جو اصل حقیقت تھی وہ بتلائی کہ میرے پڑوس میں سب غریبوں کے کچے مکان ہیں، میں اگر اپنا مکان پکّا بنالوں تو غریب پڑوسیوں کو حسرت ہوگی اور اتنی وسعت نہیں کہ سب کے مکان پکے بنواؤں، اس وقت معلوم ہوا کہ یہ حضرات جو کچھ سوچتے ہیں وہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہوسکتی، چنانچہ اس وقت تک اپنے مکان کو پختہ نہیں کیا جب تک پڑوسیوں کے مکان پکے نہیں بن گئے"۔[1]

زندہ جنازے

"ابوعلی مصریؒ سے منقول ہے کہ ہمارے پڑوس میں ایک شخص رہا کرتا تھا جس نے مُردوں کو نہلانا دھلانا اور کفن وغیرہ تیار کرنا مدّتوں سے اپنا

---

[1] نقوش و تاثرات، ص ۵۰۔

شیوہ بنا رکھا تھا۔ یہ شخص اتفاق سے ایک دن میرے یہاں آگیا اور میں برسبیل تذکرہ اس سے پوچھ بیٹھا کہ تم نے اب تک ہزاروں مُردے نہلائے دھلائے اور کفنائے دفنائے ہونگے بھلا اس سلسلے میں کبھی کوئی خاص واقعہ بھی دیکھنے میں آیا ؟

اس نے جواب دیا کہ ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ ایسے ایسے حیرت انگیز واقعات پیش آچکے ہیں کہ کہیں آپ ان سے دوچار ہو جائیں تو ہوش بھی بجا نہیں رکھ سکتے۔ مجھے ایسے واقعات سُننے کا بڑا شوق تھا اس لیے میں نے اس سے خواہش کی کہ اچھا تمہارے خیال میں جو سب سے اہم واقعہ گزرا ہو وہ بیان کرو، چنانچہ وہ کہنے لگا۔

ایک مرتبہ دن کا وقت تھا اور پانی برس کے صاف ہوا ہی تھا کہ ایک گندمی رنگ کا قبول صورت نوجوان سفید براق سے کپڑے پہنے ہوئے میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ہمارے یہاں ایک جنازہ ہے ذرا اسے چل کر نہلا دو۔ میں فوراً اس کے ساتھ ہولیا۔ کچھ ہی دُور گیا ہوں گا کہ اُس کا مکان آگیا اور وہ اس میں داخل ہوگیا۔ میں باہر کھڑا سوچ رہا تھا کہ شاید وہ پردہ وغیرہ کرا رہا ہوگا اور اب عنقریب آواز دے کر بلا لے گا مگر اُمّید کے برخلاف تھوڑی ہی دیر کے بعد بجائے اس کے ایک نوجوان عورت روتی ہوئی دروازے پر آئی اور آڑ میں کھڑی ہو کر پوچھنے لگی کیا تم ہی نہلانے کے لیے آئے ہو۔ میں منتظر تو تھا ہی فوراً بول اٹھا۔ ہاں۔ بہرحال وہ مجھے اندر بلا لے گئی۔ اب آپ سے کیا کہوں کہ میں نے وہاں جا کر کیا دیکھا، میں نے دیکھا کہ جو شخص مجھے بلا کر لایا تھا وہی خود سکرات کے عالم میں پڑا ہوا ایڑیاں رگڑ رہا ہے اور کفن وغیرہ سب سِلا سِلایا اور

خوشبوؤں سے معطر اس کے سرہانے رکھا ہوا ہے۔

یہ منظر دیکھتے ہی گویا میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ مَیں ابھی اچھی طرح اپنے ہوش و حواس ٹھکانے بھی نہیں کر پایا تھا کہ اس نے میرے سامنے دو تین ہچکیاں لیں آنکھیں اُلٹی پلٹیں اور اس دُنیا سے اللہ اللہ کرتا ہوا رُخصت ہوگیا۔ مَیں حیرت میں ڈوبا ہوا تو ضرور تھا مگر جان گیا تھا کہ یہ شخص خدا کا کوئی پاک بندہ ہے اور اس کو اپنی موت کا پہلے سے علم ہوگیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ لرزتے ہوئے ہاتھوں اور کپکپاتے ہوئے دل کے ساتھ اُٹھا اور جنازے کی شکل میں سب کام ٹھیک کر دیے۔ اس کے بعد یہ لڑکی جو متوفی کی بہن تھی، جنازہ کے قریب آئی اور چادر سے مونہہ کھول کر بوسہ لیتے ہوئے کہنے لگی۔ جاؤ بھائی! فی امان اللہ! مَیں بہت جلد تمہارے پاس آرہی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ میری طرف متوجہ ہوئی اور بہت ہی میٹھے لفظوں میں شکریہ ادا کرتی ہوئی بولی اگر آپ کی اہلیہ بھی اس کام سے واقف ہوں تو ذرا ان کو میرے پاس بھیج دیجیے گا۔

اس کے جُملے اس قدر خوف و اثر میں ڈوبے ہوئے تھے کہ ایک دم میرا دل سُن سا ہوگیا۔ خاص کر یہ محسوس کر کے کہ شاید بھائی کی طرح اسے بھی اپنی موت کا پہلے ہی سے حال معلوم ہوگیا ہے۔ شام کو گھر لوٹ کر مَیں نے سارا قصہ اپنی اہلیہ سے بتلاتے ہوئے وعدے کے مطابق اس کو ملانے کے لیے چلا گیا۔ اس مرتبہ جب مَیں وہاں پہنچا ہوں تو دروازہ اندر سے بند تھا اور آواز دینے پر وہی لڑکی آئی اور میری اہلیہ کو اندر لے گئی۔ میری اہلیہ کہتی ہیں کہ جیسے ہی مَیں اس کے ساتھ گھر کے صحن میں داخل ہوئی ہوں وہ اچانک قبلہ رُخ دھم سے زمین پر گر پڑی۔ مَیں

یہ سمجھی کہ شاید وہ بے ہوش ہوگئی ہے مگر قریب گئی تو معلوم ہوا کہ اُسکی رُوح بھی قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ آج بھی ان دونوں بھائی بہن کی قبریں ایک ہی جگہ پر برابر ہی برابر بنی ہوئی ہیں اور سب کو اتحاد و اخوت کا سبق دے رہی ہیں (اسلامی تاریخی کہانیاں)[1]

ہماری عبادت کی حقیقت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" ایک مرتبہ عرب میں قحط پڑا اور پانی تک بالکل خشک ہوگیا ایک بدوی تھا اوّل تو وہ یوں بھی معاش نہ رکھتا تھا پھر اس پر قحط کی وجہ سے اور بھی تنگی میں مبتلا ہوگیا۔ اس کی بیوی نے کہا۔ آخر گھر میں کب تک بیٹھو گے کہیں نکلو کچھ کماؤ، اس نے کہا جب مجھ کو کوئی ہنر نہیں آتا تو کہاں جاؤں، اور کہاں جاؤں گا ...... بیوی نے کہا خلیفۂ بغداد کے پاس جاؤ اور حاجت پیش کرو، غرض حاجت کے لیے کسی ہنر کی ضرورت نہیں۔ اس نے کہا یہ ٹھیک ہے مگر خود خلیفہ کے پاس جانے کے لیے کچھ تحفہ چاہیے سو تحفہ کیا لے جاؤں، کہنے لگی یہ گاؤں میں جو تالاب خشک ہوگیا ہے اور گڑھے میں کچھ پانی رہ گیا ہے بس اسی کا پانی لے جاؤ بھلا ایسا پانی خلیفہ کو کہاں نصیب، وہ یہ سمجھتی تھی کہ بغداد میں بھی ہمارے گاؤں کی طرح نہ رہا ہوگا۔ سچ کہا۔ واقعی خلیفہ کو ایسا سڑا ہوا پانی کیوں ملنے لگا۔ غرض وہ پانی اس

---

[1] ماہنامہ ندائے شاہی فروری ۱۹۹۳ء ص ۱۸

نے گھڑے میں بھرا، یہ سر پر رکھ کر سیدھا بغداد خلیفہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچا تو خلیفہ تک پہنچایا گیا۔ سر پر سڑے ہوئے پانی کا گھڑا جسے بیوی نے خوب اچھی طرح بند بھی کر دیا تھا۔ رکھا ہوا خلیفہ کے سامنے پہنچا اور جاتے ہی گھڑا تخت پر خلیفہ کے رکھ دیا۔ خلیفہ نے پوچھا یہ کیا ہے۔ کہنے لگا هٰذا مَاءُ الْجَنَّةِ، یہ جنّت کا پانی ہے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ کھولو کھولا گیا تو سارا دربار سڑ گیا مگر خلیفہ ایسا کریم النفس تھا ناک بھنوں بھی نہیں چڑھائی۔ خلیفہ کی تہذیب کے اثر سے سارا دربار خاموش رہا۔ خلیفہ نے خدمت گار کو حکم دیا کہ لے جاؤ اسے ہمارے خزانہ میں رکھو اور ان کا گھڑا خالی کر کے اشرفیوں سے بھر دو۔ اور ان کی خوب خاطر مدارات کرو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

جب رخصت کا وقت آیا حکم ہوا کہ واپسی میں انہیں دجلہ کے راستے سے ان کے گھر روانہ کرو۔ اشرفیوں سے گھڑا بھرا جانا أُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنَاتٍ کا تو مصداق تھا مگر اس نے جو دجلہ دیکھا اور اُس کے پانی کی لہریں اور ٹھنڈی ہواؤں کا لطف نظر آیا پھر تو اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا کہ جس کے قبضہ میں اتنا بڑا دریا ہے اُس کے دربار میں میں نے یہ ہدیہ پیش کیا۔"

یہ حکایت بیان کرنے کے بعد حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں۔

"پس اسی طرح ہماری اور آپ کی عبادت ہے آپ جس وقت آخرت میں خزائن اعمال انبیاء کے دیکھیں گے تو آپ کو اپنے اعمال پر نظر کر کے شرم آئے گی، تو ان اعمال پر ناز کا ہے کا۔ بلکہ وہاں تو اعمالِ کاملہ فاضلہ کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْكُمْ خدا کو تمہاری

کچھ حاجت نہیں یہ تو ان کی عنایت ہے کہ ان اعمال کی توفیق دے دی تو ہمیں چاہیئے کہ ان کی نعمتِ توفیق پر نظر کریں نہ کہ اپنے عمل اور خدمت پر ۔

منّت مَنہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی
منّت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

(تم یہ احسان مت رکھو کہ بادشاہ کی خدمت کر رہے ہو، بلکہ بادشاہ کا احسان مانو کہ اس نے تمہیں اپنی خدمت کے لیے قبول کرلیا ہے۔)[1]

زبان کا محاسبہ

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں۔

"روس کے ایک حساب دان نے حساب لگا کر بتایا ہے کہ ہم اگر دس گھنٹے جاگتے ہیں تو وقت کے تین گھنٹے بیس منٹ بولنے میں صرف کرتے ہیں۔ زبان سے ایک منٹ میں پچاس الفاظ ادا ہوتے ہیں اور اس طرح ہر گھنٹے نو ہزار لفظ ہماری زبان استعمال کرتی ہے اور اس بولنے والی میعاد (۳ گھنٹے ۲۰ منٹ) میں ہم ۲۷ سے ۳۰ ہزار تک الفاظ بول جاتے ہیں، اب سال بھر کی بولی کی میزان اگر آپ چاہتے ہیں تو اس کی روزانہ کی تعداد کو ۳۶۵ سے ضرب دیجئے (۱۰۰۹۵۰۰۰۰ = ۳۶۵ × ۳۰۰۰۰) ایک کروڑ نو لاکھ پچاس ہزار الفاظ ایک سال کے بنتے"

اگر عمر شریف ۶۰ سال تک پہنچ چکی ہے تو اس کے حاصل ضرب کو ۶۰ سے ضرب دیجئے تاکہ میزان کل ۶۰ سال کی عمر کی بولی ہوئی حاصل ہو۔ اور

---

[1] حضرت تھانویؒ کے پسندیدہ واقعات ص: ۱۶۸

اگر اتفاق سے کوئی صاحب زیادہ باتونی یا کسی قسم کے واقع ہوئے ہیں یا اُن کا پیشہ ہی تقریر و خطابت ہے تب تو کئی لاکھ کے اعداد آسانی سے کروڑوں میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید کے اس فرمان کو یاد کر لیجئے کہ ادھر بندہ کی زبان سے کوئی لفظ ادا ہوا کہ اُدھر پہرہ دار یا نگہبان نے اُسے لکھ لیا اور سوچیے کہ جواب عمر بھر میں ادا کیے ہوئے ان کروڑوں لفظوں میں سے ایک ایک کا دینا ہوگا۔ آپ اس کے دسویں، بیسویں، سویں، ہزارویں اور لاکھویں حصّے کے لیے بھی تیار ہیں؟ جواب کا مطالبہ ٹل نہ سکے گا نہ اس کے لیے کوئی مہلت ملے گی اور نہ جواب میں حیلہ سازی یا سخن سازی کی گنجائش کسی حد تک بھی نکل سکے گی یا قبل اس کے کہ وہ دن آئے خود ہی اپنے دل میں حساب لگا کر دیکھ لیجئے کہ کتنے لفظ شر اور بدی کی طرف لے جانے والے زبان سے نکلے ہیں؟ الفاظ کو سوچ کر اور تول کر زبان پر لانے کی عادت اگر پڑ جائے تو پھر سمجھ لیجئے کہ بیٹھے بیٹھے جنت بھی حاصل ہوگئی۔[1]

دو عجیب باتیں

شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ (م ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء) تحریر فرماتے ہیں۔

"میں[2] ایک روز "عجائب المخلوقات" دیکھ رہا تھا۔ اتفاق سے مجھ کو دو باتیں عجیب ملیں۔ دل نے چاہا کہ بطور ہدیہ کے ناظرین کی خدمت میں بھی اس کو پیش کیا جاوے تو اچھا ہو۔

---

[1] ماہنامہ الحق ج نمبر ۱۹، ش نمبر ۱۱، ص ۴۱

[2] ماہنامہ القاسم ج ۱۰ ش ۴ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء

ممکن ہے کہ اور حضرات کی نظریں بھی یہاں تک پہنچی ہوں مگر چونکہ میں نے اب تک کسی دوسری جگہ نہیں دیکھا اس لیے میں اُن کو نادر سمجھ کر ہی پیش کرتا ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی طرف اس قاعدہ کو منسوب کیا گیا ہے کہ ہر سال میں رمضان کی پہلی تاریخ اس دن ہوگی جس دن اس سے قبل کے رمضان کی پانچویں تھی مثلاً ۱۳۳۷ھ میں رمضان کی پہلی تاریخ شنبہ کے دن اس لیے ہونی چاہیئے کہ ۱۳۳۶ھ میں رمضان کی پانچویں تاریخ شنبہ کو تھی۔

ذیل میں ایک نقشہ درج ہے۔ اس سے ہر ماہ کی پہلی تاریخ بآسانی معلوم ہو سکتی ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس سنہ کے مہینے کی پہلی تاریخ معلوم کرنا چاہو اُس سنہ کو آٹھ پر تقسیم کرو۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ یا تو کچھ باقی نہ بچے گا بلکہ پوری تقسیم ہو جائے گی اور یا آٹھ سے کم۔ اگر آٹھ سے کم بچیں تو جس مہینے کی پہلی تاریخ معلوم کرنی ہو اُس کے مقابل اتنے ہی خانہ گن لو جس خانہ پر باقی ختم ہوگی وہی اس ماہ کی پہلی تاریخ ہوگی۔ اور اگر کچھ بھی باقی نہ بچے تو اس ماہ کے مقابل پورے آٹھ خانہ گنو مثلاً ہم کو معلوم کرنا ہے کہ ۱۳۳۷ھ میں رمضان المبارک میں پہلی تاریخ کب ہوئی تو ہم نے ۱۳۳۷ھ کو آٹھ پر تقسیم کیا ایک باقی بچا جس خانہ میں رمضان المبارک لکھا ہوا ہے اُس کے مقابل کے پہلے خانہ میں شنبہ لکھا ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ ۱۳۳۷ھ میں رمضان المبارک کی پہلی تاریخ شنبہ کو ہوگی اور مثلاً ہم چاہتے ہیں کہ ۱۳۳۶ھ میں شوال کی پہلی تاریخ معلوم کریں تو ۱۳۳۶ھ کو آٹھ پر تقسیم کیا تو کچھ باقی نہ بچا۔ ہم نے ماہ شوال کے مقابل میں آٹھ خانہ شمار کئے۔ آٹھویں خانہ میں یک شنبہ لکھا ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ شوال ۱۳۳۶ھ کی پہلی تاریخ یک شنبہ کو تھی۔

نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸
محرم	چہارشنبہ	شنبہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	دوشنبہ
صفر	جمعہ	یکشنبہ	سہ شنبہ	شنبہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	چہارشنبہ
ربیع الاوّل	شنبہ	سہ شنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	چہارشنبہ	جمعہ	دوشنبہ	پنجشنبہ
ربیع الثانی	دوشنبہ	پنجشنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	یکشنبہ	چہارشنبہ	شنبہ
جمادی الاوّل	سہ شنبہ	جمعہ	یکشنبہ	چہارشنبہ	شنبہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ
جمادی الثانی	پنجشنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	دوشنبہ	چہارشنبہ	شنبہ	سہ شنبہ
رجب	جمعہ	دوشنبہ	چہارشنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	چہارشنبہ
شعبان	یکشنبہ	چہارشنبہ	جمعہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	جمعہ
رمضان	سہ شنبہ	پنجشنبہ	شنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	یکشنبہ	چہارشنبہ	شنبہ
شوال	یکشنبہ	شنبہ	دوشنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	دوشنبہ
ذیقعدہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	سہ شنبہ	جمعہ	دوشنبہ	چہارشنبہ	شنبہ	سہ شنبہ
ذی الحجہ	شنبہ	سہ شنبہ	پنجشنبہ	یکشنبہ	چہارشنبہ	جمعہ	دوشنبہ	پنجشنبہ

شنبہ ہفتہ یکشنبہ اتوار دوشنبہ پیر سہ شنبہ منگل چہارشنبہ بدھ پنجشنبہ جمعرات۔

اَفضَلُ الجِہَادْ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"اَفضَلُ الجِھَادِ مَنْ قَالَ کَلِمَۃَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ" [1]

سب سے افضل جہاد اس شخص کا ہے جو جابر بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہے۔

جابر بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنے والے کا جہاد سب سے افضل کیوں ہے ؟ وجہ یہ ہے کہ جو شخص دشمن سے لڑتا ہے اُسے اپنی جان جانے کا یقین نہیں ہوتا اُس کے سامنے دونوں احتمال ہوتے ہیں ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جان چلی جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ جان بچ جائے ۔ اس کے برخلاف ظالم بادشاہ کے سامنے جو شخص کلمۂ حق کہتا ہے اُسے اپنے سامنے موت نظر آرہی ہوتی ہے اور اُسے اپنی جان چلے جانے کا گمان غالب ہوتا ہے کیونکہ وہ بادشاہ کے سامنے مجبور و بے بس ہوتا ہے ایسے شخص کو دشمن سے لڑنے والے کی بنسبت اپنی جان کا زیادہ خوف ہوتا ہے ۔ لہٰذا ایسی حالت میں جو کلمۂ حق کہتا ہے اُس کا جہاد افضل ترین جہاد ہوتا ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ جابر و ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا بڑے دل گردے

---

[1] ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، مسند احمد بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳۲۲

کی بات ہے، یہ کام سوائے اُس شخص کے کوئی نہیں کر سکتا جو موت کو گلے لگانا جانتا ہو اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہو۔

ہمارے اسلاف و اکابر نے جابر بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی وہ مثالیں رقم فرمائی ہیں کہ تاریخ اُن کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، کتابوں میں اس قسم کے ہزاروں واقعات درج ہیں۔ ذیل میں تاریخ کے حوالے سے چند واقعات اسلاف و اکابر کی جرأت و عزیمت کے نذر قارئین کیے جاتے ہیں۔

حجاج بن یُوسف اس اُمّت کا سب سے ظالم و جابر حکمران گزرا ہے، کُشت و خون اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ معمولی معمولی بات پر لوگوں کو قتل کروا دیتا تھا، حجّاج کے ہاتھوں جنگوں میں مارے جانے والے افراد تو معلوم نہیں کس قدر ہونگے۔ وہ افراد جو ظالم حجّاج نے اپنے سامنے کھڑے کر کے ظلماً قتل کیے ان کی تعداد ایک لاکھ بلیس ہزار بتائی جاتی ہے، اس جیسے ظالم و جابر حکمران کے سامنے بھی ہمارے اسلاف کلمۂ حق کہنے سے نہیں چُوکے، موت کو گلے لگانا پسند کرلیا، لیکن حق بات کہنے سے نہیں رُکے۔

حضرت ابن عمرؓ کا حجاج کے سامنے کلمۂ حق کہنا

علّامہ ذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں۔

"ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حجاج کو خطبہ دیتے دیکھا (تو غضب آلود ہوکر) فرمانے لگے، خدا کا دشمن، خُدا کی حرام کی ہوئی باتوں کو اس نے حلال کرلیا، خُدا کے گھر کو خراب کیا اور خُدا کے دوستوں کو قتل کیا، حجاج نے (اپنی نسبت یہ کلمات سُن کر) پوچھا یہ کون ہے؟ کسی نے کہا عبداللہ بن عمرؓ (اتنا سُن کر وہ

سفاک آپ کی طرف متوجہ ہوا اور) کہنے لگا : بڑے میاں چُپ رہو اب تم سٹھیا گئے ہو اور تمہارے حواس بجا نہیں رہے، منبر سے اُترا تو (دل میں بخار بھرا ہوا تھا) اپنے ایک ملازم کو اشارہ کیا، اس نے زہر میں بُجھا ہوا ایک حربہ حضرت ابن عمرؓ کے پاؤں پر مار دیا، اسی ہتھیار کی سمیّت آپ کی وفات کا باعث ہوئی۔ حجّاج آپ کی عیادت کے لیے آیا اور سلام کیا، مگر آپ نے نہ اس کے سلام کا جواب دیا نہ اس سے بات کی۔" [۱]

حضرت سعید بن جبیرؓ کی حجاج سے گفتگو

قارئین محترم آپ نے اُوپر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا کلمۂ حق ملاحظہ فرمایا : اب آپ حضرت ابن عمرؓ کے شاگرد رشید جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن جبیرؓ کی حجاج کے ساتھ بے باکانہ گفتگو ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"سعید بن جبیرؓ نے بھی ابن الاشعث کے ساتھ مل کر حجاج کا مقابلہ کیا، حجاج عبدالملک بن مروان کی طرف سے حاکم تھا۔ سعید بن جبیرؓ مشہور تابعی ہیں اور بڑے علماء میں سے ہیں۔ حکومت اور بالخصوص حجاج کو اُن سے بغض و عداوت تھی اور چونکہ مقابلہ کیا تھا اس لیے عداوت کا ہونا بھی ضروری تھا۔ مقابلہ میں حجاج ان کو گرفتار نہ کر سکا۔ یہ شکست کے بعد چھپ کر مکّہ مکرّمہ چلے گئے۔ حکومت نے اپنے ایک خاص آدمی کو مکّہ کا حاکم بنایا اور پہلے حاکم کو اپنے پاس بُلا لیا۔ اس نئے حاکم نے جا کر خطبہ پڑھا جس کے اخیر

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ص۳۷ ج۱

میں عبد الملک بن مروان بادشاہ کا یہ حکم بھی سنایا کہ جو شخص سعید بن جبیرؒ کو ٹھکانہ دے اس کی خیر نہیں۔ اس کے بعد اس حاکم نے خود اپنی طرف سے بھی قسم کھائی کہ جس کے گھر میں وہ ملے گا اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کے گھر کو نیز اس کے پڑوسیوں کے گھر کو ڈھاؤں گا، غرض بڑی دقت سے مکہ کے حاکم نے اُن کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیج دیا۔ اس کو غصہ نکالنے اور اُن کو قتل کرنے کا موقع مل گیا۔ سامنے بلایا اور پوچھا :۔

حجاج : تیرا کیا نام ہے۔

سعیدؒ : میرا نام سعید ہے۔

حجاج : کس کا بیٹا ہے۔

سعیدؒ : جبیر کا بیٹا ہوں (سعید کا ترجمہ نیک بخت ہے اور جبیر کے معنی اصلاح کی ہوئی چیز) اگرچہ ناموں میں اکثر معنی مقصود نہیں ہوتے، لیکن حجاج کو ان کے نام کا اچھے معنیٰ والا ہونا پسند نہیں آیا۔ اس لیے کہا، نہیں تو شقی بن کُسیر ہے (شقی کہتے ہیں بدبخت کو اور کسیر ٹوٹی ہوئی چیز کو)

سعیدؒ : میری والدہ میرا اور میرے والد کا نام تجھ سے بہتر جانتی تھیں۔

حجاج : تو بھی بدبخت تیری ماں بھی بدبخت۔

سعیدؒ : غیب کا جاننے والا تیرے علاوہ اور شخص ہے (یعنی علام الغیوب)

حجاج : دیکھ میں اب تجھے موت کے گھاٹ اتارتا ہوں۔

سعیدؒ تو میری ماں نے میرا نام درست رکھا۔[1]

---

[1] یعنی جب تو مجھے موت کے گھاٹ اتارے گا تو میں شہید ہوں گا اور شہادت بہت بڑی سعادت اور خوش نصیبی ہے لہٰذا میرا نام سعید میری ماں نے ٹھیک رکھا اور تو جو شقی (بدبخت) کہتا ہے غلط ثابت ہو گیا اور حجاج (باقی اگلے صفحہ پر)

حجاج : اب مَیں تجھ کو زندگی کے بدلہ کیسا جہنم رسید کرتا ہوں۔

سعیدؒ : اگر مَیں یہ جانتا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو تجھ کو معبود بنالیتا۔

حجاج : حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کی نسبت تیرا کیا عقیدہ ہے۔ ؟

سعیدؒ : وہ رحمت کے نبی تھے اور اللہ کے رسول تھے جو بہترین نصیحت کے ساتھ تمام دُنیا کی طرف بھیجے گئے۔

حجاج : خلفاء کی نسبت تیرا کیا خیال ہے۔؟

سعیدؒ : مَیں اُن کا محافظ نہیں ہوں، ہر شخص اپنے کیے کا ذمّہ دار ہے۔

حجاج : مَیں ان کو بُرا کہتا ہوں یا اچھا۔ ؟

سعیدؒ : جس چیز کا مجھے علم نہیں ہے مَیں اس میں کیا کہہ سکتا ہوں، مجھے اپنا ہی حال معلوم ہے۔

حجاج : ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ تیرے نزدیک کون ہے ؟

سعیدؒ : جو سب سے زیادہ میرے مالک کو راضی کرنے والا تھا۔ بعض کتب میں بجائے اس کے یہ جواب ہے کہ ان کے حالات بعض کو بعض پر ترجیح[1] دیتے ہیں۔

حجاج : سب سے زیادہ راضی رکھنے والا کون تھا۔ ؟

سعیدؒ : اس کو وُہی جانتا ہے جو دل کے بھیدوں اور چُھپے ہوئے رازوں سے واقف ہے۔

حجاج : حضرت علیؓ جنت میں ہیں یا دوزخ میں۔ ؟

بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ : نے غالباً اسی اشارے کو سمجھ کر دوسری بار الفاظ بدل دیے اور کہا کہ جہنم رسید کرتا ہوں۔

[1] مطلب یہ کہ ہر ایک کے حالات دیکھ لو خود معلوم ہو جائے گا کہ کون سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

سعیدؒ : اگر میں جنّت اور جہنّم میں جاؤں اور وہاں والوں کو دیکھ لوں تو بتلا سکتا ہوں۔

حجاج : میں قیامت میں کیسا آدمی ہوں گا۔؟

سعیدؒ : میں اس سے کم ہوں کہ غیب پر مطلع کیا جاؤں۔

حجاج : تو مجھ سے سچ بولنے کا ارادہ نہیں کرتا۔

سعیدؒ : میں نے جُھوٹ بھی نہیں کہا۔

حجاج : تُو کبھی ہنستا کیوں نہیں۔؟

سعیدؒ : کوئی بات ہنسنے کی دیکھتا نہیں اور وہ شخص کیا ہنسے جو مٹی سے بنا ہو اور قیامت میں اس کو جانا ہو اور دُنیا کے فتنوں میں دن رات رہتا ہو۔

حجاج : میں تو ہنستا ہوں۔

سعیدؒ : اللہ نے ایسے ہی مختلف طریقوں میں ہم کو بنایا ہے۔

حجاج : میں تجھے قتل کرنے والا ہوں۔

سعیدؒ : میری موت کا سبب پیدا کرنے والا اپنے کام سے فارغ ہو چکا۔[۱]

حجاج : میں اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب ہوں۔

سعیدؒ : اللہ پر کوئی بھی جرأت نہیں کرسکتا جب تک کہ اپنا مرتبہ معلوم نہ کرلے اور غیب کی اللہ ہی کو خبر ہے۔

حجاج : میں کیوں نہیں جرأت کرسکتا، حالانکہ میں جماعت کے بادشاہ کے ساتھ ہوں اور تُو باغیوں کی جماعت کے ساتھ ہے۔

سعیدؒ : میں جماعت سے علیحدہ نہیں ہوں اور فتنہ کو خود ہی پسند نہیں کرتا

۱؎ یعنی رب العالمین نے میری موت کا سبب جو بھی کچھ لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

اور جو تقدیر میں ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

حجاج : ہم جو کچھ امیر المؤمنین کے لیے جمع کرتے ہیں اس کو تو کیسا سمجھتا ہے۔؟

سعیدؒ : مَیں نہیں جانتا کہ کیا جمع کیا۔

حجاج نے سونا چاندی کپڑے وغیرہ منگا کر اُن کے سامنے رکھ دیے۔

سعیدؒ : یہ اچھی چیزیں ہیں اگر اپنی شرط کے موافق ہوں۔

حجاج : شرط کیا ہے۔؟

سعیدؒ : یہ کہ تو اُن سے ایسی چیزیں خریدے جو بڑے گھبراہٹ کے دن یعنی قیامت کے دن امن پیدا کرنے والی ہوں، ورنہ ہر دُودھ پلانے والی دُودھ پیتے کو بھول جائے گی اور حمل[1] گر جائیں گے اور آدمی کو اچھی چیز کے سوا کچھ بھی کام نہ دے گی۔

حجاج : ہم نے جو جمع کیا یہ اچھی چیز نہیں۔؟

سعیدؒ : تُو نے جمع کیا تو ہی اس کی اچھائی کو سمجھ سکتا ہے۔

حجاج : کیا تو اس میں سے کوئی چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

سعیدؒ : مَیں صرف اس چیز کو پسند کرتا ہوں جس کو اللہ پسند کرے۔

حجاج : تیرے لیے ہلاکت ہو۔

سعیدؒ : ہلاکت اس شخص کے لیے ہے جو جنّت سے ہٹا کر جہنّم میں داخل کر دیا جائے۔

حجاج : (دِق ہو کر) بتلا کہ میں تجھے کس طریقہ سے قتل کروں۔؟

سعیدؒ : جس طرح سے قتل ہونا اپنے لیے پسند ہو۔

---

[1] یعنی دہشت اور گھبراہٹ اس قدر ہو گی۔

حجاج : کیا تجھے معاف کر دوں ۔

سعیدؒ : معافی اللہ کے یہاں کی معافی ہے ۔ تیرا معاف کرنا کوئی چیز بھی نہیں ۔

حجاج نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو ۔

سعیدؒ باہر لائے گئے اور ہنسے ۔ حجاج کو اس کی اطلاع دی گئی ، پھر بلایا اور پوچھا ۔

حجاج : تو کیوں ہنسا ۔ ؟

سعیدؒ : تیری اللہ پر جرأت اور اللہ تعالیٰ کے تجھ پر حلم سے ۔[1]

حجاج : میں اس کو قتل کرتا ہوں جس نے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق کی پھر جلاد سے خطاب کر کے کہا ۔ میرے سامنے اس کی گردن اُڑاؤ ۔

سعیدؒ : میں دو رکعت نماز پڑھ لوں ، نماز پڑھی پھر قبلہ رُخ ہو کر وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ پڑھا ، یعنی میں نے اپنا مُنہ اُس پاک ذات کی طرف کیا جس نے آسمان و زمین بنائے اور میں سب طرف سے ہٹ کر ادھر متوجہ ہوا اور نہیں ہوں مشرکین سے ۔

حجاج : اس کا مُنہ قبلہ سے پھیر دو اور نصارٰی کے قبلہ کی طرف کر دو کہ انہوں نے بھی اپنے دین میں تفریق کی اور اختلاف پیدا کیا ۔ چنانچہ فوراً مُنہ پھیر دیا گیا ۔

---

[1] یعنی گویا میں اس بات پر تعجب کر رہا ہوں کہ دیکھو یہ شخص حجاج کس قدر حد سے بڑھ رہا ہے اور اللہ رب العالمین کی برداشت دیکھو کہ سب دیکھ رہا ہے اور خاموش ہے ۔

ما پروریم دشمن و ما می کشیم دوست   کس را رسد نہ چوں و چرا در قضائے ما

سعیدؒ : فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ الْکَافِیْ بِالسَّرَائِرِ۔ جدھر تم مُنہ پھیرو اُدھر بھی خُدا ہے جو بھیدوں کا جاننے والا ہے۔

حجاج : اوندھا ڈال دو (یعنی زمین کی طرف مُنہ کردو) ہم تو ظاہر پر عمل کرنے کے ذمّہ دار ہیں۔

سعیدؒ : مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔ ہم نے زمین ہی سے تم کو پیدا کیا اور اسی سے پھر دوبارہ اٹھائیں گے۔

حجاج : اس کو قتل کردو۔

سعیدؒ : مَیں تجھے اس بات کا گواہ بناتا ہوں۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ تو اُس کو محفوظ رکھنا۔ جب میں تجھ سے قیامت کے دن ملوں گا تو لے لوں گا۔ اس کے بعد وہ شہید کردیے گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

ان کے انتقال کے بعد بدن سے خون بہت زیادہ نکلا جس سے حجاج کو بھی حیرت ہوئی۔ اپنے طبیب سے اس کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا کہ ان کا دل نہایت مطمئن تھا اور قتل کا ذرا بھی خوف ان کے دل میں نہیں تھا اس لیے خون اپنی اصلی مقدار پر قائم رہا بخلاف اور لوگوں کے کہ خوف سے اُن کا خُون پہلے ہی خشک ہوجاتا ہے"۔ [1]

---

[1] حکایاتِ صحابہؓ ص۸۸ تا ص۹۱ مشمولہ فضائل اعمال طبع مکتبہ مدنیہ لاہور' یہ واقعہ ابن قتیبہ دینوری کی کتاب "الامامۃ والسیاسۃ" میں معمولی تغیر کے ساتھ درج ہے دیکھیے الامامۃ والسیاسۃ ج۲ ص۵۲۔

حضرت سعید بن مُسَیَّبؒ کی بیباکی

حضرت سعید بن مُسَیَّبؒ رحمہ اللہ ایک نہایت جلیل القدر تابعی اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کے داماد ہیں آپ نے چالیس حج کیے پورے پچاس برس عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی اور اس عرصہ میں ایک مرتبہ بھی آپ کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔[1] آپ کی طبیعت میں بے نیازی تھی اس لیے کبھی کسی بادشاہ یا امیر کے عطیہ کو قبول کرنا گوارا نہیں کیا۔

"ایک دفعہ تیس ہزار درہم کی (بنو اُمیہ کی طرف سے) آپ کو پیشکش کی گئی تو فرمایا: نہ مجھ کو بنو امیہ کی پرواہ ہے نہ ان کے مال و دولت کی، میں خدا کے سامنے جاؤں گا وہ میرا اور ان کا فیصلہ کرے گا۔"[2]

امام ذہبی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"ابن سائب کا کہنا ہے کہ ایک دن میں اور سعید بن مُسَیَّبؒ دونوں بازار میں بیٹھے تھے کہ بنو مروان کا قاصد وہاں سے گزرا ابن المسیب نے اس سے پوچھا کہ تم بنو مروان کے قاصد ہو؟ اس نے کہا جی ہاں، آپ نے پوچھا تم نے ان کو کس حال میں چھوڑا؟ قاصد: بخیر و عافیت، ابن المسیب، نہیں بلکہ تم نے اُن کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ وہ آدمیوں کو بھوکا مارتے ہیں اور کتوں کا پیٹ بھرتے ہیں۔ قاصد یہ سن کر بگڑ گیا اور آنکھیں نکال کر اُن کی طرف دیکھنے لگا، ابن سائب کہتے ہیں کہ میں دہشت زدہ ہو کر کھڑا ہو گیا

---

[1] وفیات الاعیان ج ۲ ص ۲۷۵

[2] ایضاً ج ۲ ص ۲۷۶

کہ دیکھیے اب کیا ہو، کچھ دیر بعد قاصد چلا گیا، جب وہ چلا گیا تو مَیں نے کہا:
ابن المسیب خُدا تم کو معاف کرے تم کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو؟
آپ نے فرمایا: اے بیوقوف چُپ رہ خدا کی قسم جب تک مَیں اللہ کے
حقوق کی ادائیگی میں لگا ہوا ہوں اللہ مجھے دشمنوں کے قبضے میں نہ دے گا۔"[1]

امام اَوزاعیؒ کی حق گوئی

امام الشام شیخ الاسلام حضرت عبد الرحمٰن بن عمرو اوزاعیؒ (م ۱۵۷ھ) اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدث اور فقیہ ہوئے ہیں۔ تمام صحاح ستہ میں آپ کی روایات موجود ہیں محدث عبد اللہ بن داود اُلخُرَیبیُ فرماتے ہیں کہ امام اوزاعیؒ اپنے زمانہ کے سب سے افضل انسان تھے اور بارِ خلافت اٹھانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ امام ذہبیؒ نے اپنی کتاب میں آپ کی حق گوئی کا واقعہ درج فرمایا ہے جو سُنہری حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے۔

امام ذہبیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"محدث فریابیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور عبّاد بن کثیرؒ مکہ مکرمہ میں اکٹھے ہوئے، حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا: ابوعمرو (امام اوزاعی کی کنیت ہے) ہمیں وہ گفتگو تو سنائیے جو آپ کی عبّاسی خلیفہ سفاح کے چچا عبد اللہ بن علی[2] کے ساتھ ہوئی تھی۔ امام اوزاعیؒ نے فرمایا:

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۵۵

[2] عبد اللہ بن علی بنو امیہ کا دشمن اور نہایت ظالم و بے رحم انسان تھا اس کے ظلم کا ایک واقعہ مولانا اکبر شاہ خان نے ذکر کیا ہے اسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ملاحظہ فرمائیے عبد اللہ بن علی جن دنوں فلسطین کی طرف تھا وہاں نہر ابی فطرس کے کنارے دسترخوان پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا اور اسی نوّے بنو امیہ اس کے ساتھ کھانے میں شریک

(باقی اگلے صفحہ پر)

"جب عباسی خلیفہ سفاح کا چچا عبداللہ بن علی شام میں داخل ہوا اور بنو اُمیہ کو چُن چُن کے مروا چکا تو ایک دن اس نے اس طرح دربار سجانے کا حکم دیا کہ ایک صف ایسے جوانوں کی آراستہ کی جائے جن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں ہوں، دوسری صف ان کی ہو جن کے ہاتھ میں عَلَم (بھالے) ہوں۔ تیسری صف میں وہ سپاہی ہوں جن کے ہاتھ میں گرز ہوں، اور چوتھی صف میں وہ کھڑے کئے جائیں جن کے ساتھ کافر کوب ہوں جب حکم کے مطابق دربار سج چکا تو ایک پیادہ بھیج کر اس نے مجھ کو بلوایا، میں بارگاہ کے دروازہ پر پہنچا تو سواری سے اُتار لیا گیا اور دائیں بائیں سے دو سپاہی میرے دونوں بازو تھام کر صفوں کے بیچ میں لے چلے جب اتنے قریب پہنچ گئے جہاں سے عبداللہ میری بات سُن سکے تو وہاں مجھ کو کھڑا کر دیا (اس کے بعد عبداللہ اور میرے درمیان حسب ذیل گفتگو ہوئی)

عبداللہ۔ تم عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی ہو۔

بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ: تھے۔ اسی اثنا میں شبل بن عبداللہ آگیا۔ اس نے فوراً اپنے اشعار پڑھنے شروع کیے جن میں بنو امیہ کی مذمت اور امام ابراہیم کے قید ہونے کا ذکر کر کے بنو امیہ کے قتل کی ترغیب دی گئی تھی۔ عبداللہ بن علی، عبداللہ سفاح کے چچا نے اسی وقت حکم دیا کہ ان سب کو قتل کر دو اور اس کے خادموں نے فوراً قتل کرنا شروع کر دیا۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جو بالکل مر گئے تھے۔ بعض ایسے بھی تھے کہ وہ زخمی ہو کر گر پڑے تھے مگر ابھی ان میں دم باقی تھا۔ عبداللہ بن علی نے ان سب مقتولوں اور زخمیوں کی لاشوں کو برابر لٹا کر ان کے اوپر دسترخوان بچھوایا۔ اس دسترخوان پر کھانا چنا گیا اور عبداللہ بن علی معہ ہمراہیوں کے پھر اس دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں مصروف ہوا۔ یہ لوگ کھانا کھا رہے تھے اور ان کے نیچے وہ زخمی جو ابھی مرے نہیں تھے کراہ رہے تھے۔ حتیٰ کہ یہ کھانا کھا چکے اور وہ سب کے سب مر گئے۔" (تاریخ اسلام نجیب آبادی ج ۲ ص ۲۲)

اوزاعی۔ ہاں، خدا امیر کی اصلاح فرمائے۔

عبداللہ۔ بنی امیہ کے قتل کے باب میں تمہارا کیا خیال ہے۔

اوزاعی۔ آپ سے اور ان سے کچھ معاہدے تھے جن کی پابندی اور عہد کا ایفاء ان پر لازم تھا۔

عبداللہ۔ اجی صاحب! اس کو چھوڑیئے، فرض کیجئے کہ ہمارے ان کے کوئی معاہدے اور ہم سے ان سے کوئی عہد و پیمان نہ رہا ہو۔

اوزاعی (نے دیکھا کہ اب صاف صاف جواب کے سوا چارہ کار نہیں ہے اور یہ بھی یقینی ہے کہ صاف جواب دینے کے بعد جان بچنا بھی ناممکن ہے۔ مرنے کو کس کا دل چاہتا ہے، مگر میں نے سوچا کہ اللہ کے حضور میں ایک دن کھڑا ہونا ہے۔ اس لیے میں نے نڈر ہو کر کہا کہ) اس صورت میں ان کا قتل آپ پر حرام تھا۔ یہ سنتے ہی وہ آگ بگولا ہو گیا۔ گردن کی رگیں پھول گئیں اور سرخ سرخ آنکھیں نکال کر بولا۔

عبداللہ۔ یہ تم نے کیسے کہا، اور کیوں کہا؟

اوزاعی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان کا خون تین ہی صورتوں میں روا ہو سکتا ہے، شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے یا کسی کو قتل کر دے یا مرتد ہو جائے اور بنو امیہ جن کو تم نے قتل کرایا ہے ان میں سے کسی جرم کے مرتکب نہ تھے۔

عبداللہ۔ اجی کیا دیانۃً حکومت و خلافت ہمارا (ہاشمیوں کا) ہی حق نہیں ہے۔

اوزاعی۔ وہ کیسے؟

عبداللہ۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ (ہاشمی) کو اپنا وصی

نہیں بنا گئے تھے۔

اوزاعی۔ اگر وصی بنا گئے ہوتے تو حضرت علیؓ صفین کے موقع پر دو شخصوں کو حکم مان کر یہ نہ کہتے کہ تم جس کو حاکم و خلیفہ مقرر کر دو مجھے قبول و منظور ہے۔ یہ سُن کر عبداللہ بالکل خاموش ہوگیا، اس کے غصہ کا پارہ آخری ڈگری پر پہنچ چکا تھا، اور مجھے یہ لگ رہا تھا کہ اب میرا سر میرے سامنے گرا چاہتا ہے کہ اتنے میں عبداللہ نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اس کو دربار سے نکالو، میں دربار سے نکل آیا لیکن ابھی تھوڑی ہی دُور گیا تھا کہ دیکھا ایک سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا میرے پاس چلا آرہا ہے میں سمجھا کہ میرا سر قلم کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے اس لیے جلدی سے اپنی سواری سے اُترا کہ دو رکعت نماز پڑھ لوں، اور اللہ اکبر کہہ کے نیت باندھ لی۔ ابھی نماز ہی میں تھا کہ سوار آپہنچا جب میں فارغ ہوا تو اُس نے سلام کیا اور کہا کہ امیر نے یہ اشرفیاں آپ کے پاس بھجوائی ہیں۔ میں نے ان اشرفیوں کو گھر پہنچنے سے پیشتر ہی تقسیم کر کے ختم کر دیا۔ [1]

محدث ابن ابی ذئبؒ کا کلمۂ حق

محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب (م ۱۵۹ھ) اپنے زمانہ کے کبار علماء میں سے تھے۔ نہایت عابد و زاہد اور جری و بہادر تھے، آپ نے ابوجعفر منصور اور اس کے لڑکے مہدی دونوں کی حکومتوں کا زمانہ پایا ہے اور دونوں کے سامنے کلمۂ حق کہتے رہے ہیں۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۸۰

"ابونعیم کا بیان ہے کہ جس سال خلیفہ منصور نے حج کیا ہے، اسی سال مجھ کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی تھی۔ یہ میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ منصور جب مکہ معظمہ پہنچا تو اس نے ابن ابی ذئب کو بلا بھیجا جب وہ آئے تو دار الندوہ میں اُن کو اپنے ساتھ بٹھا کر پوچھا کہ حسن بن زید (علوی جو منصور کی طرف سے مدینہ کے قاضی تھے، مگر منصور کسی بات پر ان سے برہم ہو گیا تھا اور قضا سے برطرف کر کے اُن کو جیل خانہ بھجوا دیا تھا اُن) کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے؟ ابن ابی ذئب نے کہا: وہ انصاف شعار و عدل گستر تھے، منصور نے کہا اور میری نسبت کیا رائے ہے؟ ابن ابی ذئب نے پہلے سکوت کیا لیکن منصور نے بار بار پوچھا تو ابن ابی ذئب نے خانہ کعبہ کی طرف اشارہ کر کے صاف فرمایا کہ اس گھر کے مالک کی قسم تو بے انصاف و ناحق پرست ہے، (منصور کے دربان) ربیع نے یہ تلخ اور بے باکانہ جواب سُن کر ابن ابی ذئب کی ڈاڑھی پکڑ لی، منصور نے اس کو ڈانٹا کہ حرامزادے چھوڑ دے"۔ [۱]

حضرت امام ذہبیؒ فرماتے ہیں۔

"جس وقت خلیفہ مہدی نے حج کیا اور حج سے فارغ ہو کر روضۂ اطہر کی زیارت کے لیے مسجد نبوی میں حاضری دی تو مسجد میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس کو دیکھ کر تعظیماً کھڑا نہ ہو گیا ہو۔ صرف ایک ابن ابی ذئبؒ تھے جنہوں نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی کسی نے کہا کہ حضرت کھڑے ہو جائیے یہ امیر المؤمنین ہیں تو برجستہ فرمایا: اِنَّمَا يَقُوْمُ النَّاسُ

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۲

لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہ میاں رب العلمین کے لیے لوگ کھڑے ہوا کرتے ہیں، مہدی یہ جواب سُن کر کانپ گیا اور اُس نے ڈانٹا کہ ان کو نہ چھیڑو میرے بدن کا ایک ایک رونگٹا کھڑا ہو گیا ہے"۔ [۱]

حضرت یزید بن ابی حبیبؒ کا کلمۂ حق

حضرت یزید بن ابی حبیب مصری رحمہ اللہ (م ۱۲۸ھ) جلیل القدر تابعی ہونے کے ساتھ ساتھ اہل مصر کے مفتی بھی تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مصر میں تین مفتی مقرر کئے تھے جن میں سے ایک یزید بن ابی حبیبؒ تھے۔ [۲]

علامہ ذہبیؒ آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

" یزید بن ابی حبیب مصریؒ ایک دفعہ بیمار ہوئے تو مصر کا حاکم حوثرہ بن سہیل اُن کی عیادت کو آیا، باتوں باتوں میں اُس نے آپ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ: اے ابو رجاء (آپ کی کنیت ہے) کپڑے میں مچھر یا کھٹمل کا خُون لگا ہو تو اُس سے نماز ہو گی یا نہیں؟ آپ نے یہ سُن کر اس کی طرف سے مُنہ پھیر لیا اور کچھ جواب نہ دیا، جب وہ اُٹھ کر جانے لگا تو اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ روزانہ کتنی ہی مخلوقِ خدا کا خون بہاتے ہو تو کچھ نہیں اور کھٹمل یا مچھر کے خون کا مسئلہ دریافت کرنے آئے ہو" [۳]

" ایک دفعہ زبان بن عبدالعزیز (مصر کے گورنر کے لڑکے) نے حضرت یزید بن ابی حبیب کے پاس پیادہ بھیج کر کہلایا کہ مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۲ [۲] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۲۹

[۳] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۰

ذرا دیر کے لیے تشریف لے آئیے، آپ نے کہلا بھیجا کہ تم خود آکر پوچھ جاؤ تمہارا میرے پاس آنا تمہارے حق میں خوبی و زیبائش ہے اور میرا آنا تمہارے لیے عیب و بدنمائی ہے"۔ [۱]

امام اعمش رحمہ اللہ کی حق گوئی

امام سلیمان بن مہران رحمہ اللہ (م ۱۴۸ھ) اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے آپ کی آنکھوں میں چونکہ چندھیاپن تھا اس لیے اعمش مشہور ہو گئے تھے۔

آپ کی عبادت و ریاضت کا یہ حال تھا کہ امام وکیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں "تقریباً ستر برس آپ نے جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھی ہے کہ ایک بار بھی آپ کی تکبیر اُولیٰ فوت نہیں ہوئی"۔ [۲] امام وکیع یہ بھی فرماتے ہیں کہ: میں ساٹھ برس تک آپ کی خدمت میں آتا جاتا رہا میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے اس عرصہ میں کبھی ایک رکعت بھی قضا کی ہو۔ [۳]

عیسیٰ ابن یونس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "ہم نے اور ہم سے پہلوں نے اعمش جیسا انسان نہیں دیکھا"۔ [۴]

ابن یونس رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: میں نے نہیں دیکھا کہ امام اعمش رحمہ اللہ کے نزدیک مالداروں اور بادشاہوں سے بڑھ کر کوئی شخص حقیر و ذلیل ہو حالانکہ آپ تنگ دست و حاجت مند تھے"۔ [۵]

"ایک دفعہ ایسا ہوا کہ اُموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے آپ کے پاس اپنا ایک معتمد اس غرض سے بھیجا کہ آپ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خوبیاں

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۰ [۲] وفیات الاعیان ج ۲ ص ۴۰۱

[۳] وفیات الاعیان ج ۱ ص ۴۰۱ [۴] ایضاً ص ۴۰۰ [۵] ایضاً ص ۴۰۰

اور حضرت علیؓ کی برائیاں لکھوالائے، جب ایلچی نے خلیفہ کا شقہ دیا تو آپ نے اُس کو پڑھ کر ایک بکری کے منہ میں دے دیا، بکری اُس کو چبا چکی تو معتمدِ خلافت سے فرمایا: اپنے آقا سے کہہ دینا اُس کے پروانہ کا یہی جواب ہے، قاصد نے کہا کہ اگر میں آپ سے تحریری جواب نہ لے گیا تو خلیفہ مجھے قتل کروا دے گا' قاصد نے آپ کی منت سماجت کی کہ جو کچھ جواب ہو لکھ دیجئے۔ ہم نشین حضرات نے بھی اصرار کیا۔ آپ نے قاصد کی منت سماجت اور ہمنشیں حضرات کے اصرار پر یہ لکھ دیا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اما بعد یا امیر المؤمنین فلو کانت لعثمان رضی اللہ عنہ مناقب اہل الارض ما نفعتک ولو کانت لعلی رضی اللہ عنہ مساوی اہل الارض ما ضرّتک فعلیک بخویصۃ نفسک والسلام"[1]

اے امیر المؤمنین اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں سارے جہان کی خوبیاں ہوں تو تمہیں اُن سے کوئی فائدہ نہیں اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سارے جہان کی برائیاں ہوں تو تمہارا کوئی نقصان نہیں لہٰذا تم انہیں چھوڑو اپنی خبر لو، والسلام۔

حضرت امام اعظمؒ کی جرأت و استقامت

امام عالی مقام حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جن کی طرف نسبت کر کے ہم حنفی کہلاتے ہیں اُن سے کون ناواقف ہوگا۔ آپ کو اپنے زمانہ میں دو حکومتوں بنو اُمیہ اور

---

[1] وفیات الاعیان ج ۱ ص ۴۰۲

بنو عباس سے سابقہ پڑا ہر حکومت نے آپ کو اپنے مفادات کے لیے استعمال کرنا چاہا لیکن آپ نے نہایت جرأت و استقامت کے ساتھ استعمال ہونے سے انکار کر دیا جس کی پاداش میں آپ کو دونوں حکومتوں کے ظلم و ستم برداشت کرنے پڑے تاریخ کے حوالے سے ہم قارئین کے سامنے حضرت امام صاحبؒ کی دونوں حکومتوں کے حکمرانوں سے بے باکانہ گفتگو نقل کرتے ہیں۔

بنو اُمیہ کے آخری حکمران مروان بن محمد کی طرف سے یزید بن عمر بن ہبیرۃ عراق کا گورنر تھا۔ اس نے چاہا کہ امام ابو حنیفہؒ منصب قضاء قبول کر لیں، لیکن امام صاحبؒ نے بڑی سختی کے ساتھ انکار کر دیا۔ اس سلسلہ میں دونوں میں کیا گفتگو ہوئی ملاحظہ فرمائیں:

”ابو احمد عسکری روایت کرتے ہیں کہ ابن ہبیرہ نے چاہا کہ امام ابو حنیفہؒ کوفہ کا منصب قضاء قبول کر لیں، لیکن آپ نے انکار کر دیا اور عہدۂ قضاء قبول نہیں کیا، ابن ہبیرہ نے قسم اُٹھالی کہ اگر ابو حنیفہؒ یہ عہدہ قبول نہیں کرینگے تو وہ اُن کے سر پہ کوڑے بھی برسائے گا اور قید بھی کر دے گا۔ امام صاحبؒ کو یہ صورتِ حال بتلائی گئی اور عہدۂ قضاء قبول کر لینے کا مشورہ دیا گیا۔ آپ نے فرمایا: ابن ہبیرہ کے کوڑے کھا لینا دنیا میں میرے لیے زیادہ آسان ہے بہ نسبت آخرت میں گرزوں کے برداشت کرنے کے، خدا کی قسم میں یہ عہدہ قبول نہیں کروں گا چاہے وہ مجھے قتل ہی کیوں نہ کر دے۔ حضرت امام صاحبؒ سے لوگوں نے کہا کہ دیکھیے ابن ہبیرہ آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑے گا جب تک آپ یہ عہدہ قبول نہ کر لیں، وہ ایک محل بنا رہا ہے اور آپ کو اُس کی اینٹیں گننے پر لگانے کا سوچ رہا ہے، آپ نے فرمایا: ابن ہبیرہ اگر مجھے کہے کہ میں مسجد کے دروازے گن دوں تو میں اس کی بھی ذمہ داری نہیں لوں گا۔ ابن ہبیرہ کو امام صاحبؒ کی

یہ بات پہنچائی گئی تو وہ (غصہ میں تلملاتے ہوئے) بولا کہ اچھا ابو حنیفہؒ کی اتنی جرأت بڑھ گئی ہے کہ وہ اب دست بدست میرا مقابلہ کرنے لگے ہیں، اُس نے آپ کو جیل سے بُلوایا اور دُو بدُو بات کی اور قسم کھائی کہ اگر ابو حنیفہؒ یہ عہدہ قبول نہیں کریں گے تو مَیں اُن کے سر پر اتنے کوڑے لگواؤں گا کہ یہ مرجائیں گے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا: اِنَّمَا هِيَ مِيْتَةٌ وَّاحِدَةٌ ابن ہبیرہ کو صرف میری ایک موت تک ہی اختیار ہے۔ ابن ہبیرہ نے بیس کوڑے آپ کے سَر پر لگوائے، امام صاحبؒ بولے: ابن ہبیرہ خیال کر کل تو خدا کے سامنے کھڑا ہوگا (میرا تیرے سامنے کھڑا ہونا تو کچھ بھی نہیں) مجھے ڈرا دھمکا نہیں میں کلمہ گو ہوں کل خدا تجھ سے میرے بارے میں سوال کرے گا اور وہ حق بات کے علاوہ کسی بات کو قبول نہیں کرے گا۔ ابن ہبیرہ نے جلاد کو روک دیا۔ امام صاحبؒ جیل چلے گئے صبح ہوئی تو امام صاحبؒ کا چہرہ اور سَر کوڑے کھانے کی وجہ سے سوج رہے تھے۔ روایت ہے کہ ابن ہبیرہ نے نبی علیہ السّلام کو رات خواب میں دیکھا آپ ابن ہبیرہ سے فرما رہے ہیں: " اَمَا تَخَافُ اللّٰهَ تَضْرِبُ رَجُلاً مِنْ اُمَّتِيْ بِلَا جُرْمٍ وَ تُهَدِّدُ تو خُدا سے نہیں ڈرتا کہ میری اُمت کے ایک فرد کو بلا جرم مارتا ہے اور ڈراتا دھمکاتا ہے، ابن ہبیرہ نے یہ خواب دیکھنے کے بعد امام صاحب کو رہا کر دیا۔" [1]

مؤرخ ابن خلکان کا کہنا ہے کہ

ابن ہبیرہ نے امام صاحبؒ کے ایک سو دس کوڑے لگوائے، روزانہ

---

[1] مناقب ابی حنیفۃ للامام موفق بن احمد ص ۲۷۴

دس کوڑے لگوانے کا معمول تھا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو امام صاحبؒ کی یہ مظلومیت یاد آتی تو آپ رونے لگتے اور امام صاحبؒ کے لیے اللہ کے حضور میں اُس کے رحم و کرم کی دُعا کرتے۔

"امام ابو حنیفہؒ کے پوتے اسماعیلؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اپنے والد حمادؒ کے ساتھ مقامِ کُناسہ[1] سے گزرا تو میرے والد رونے لگے میں نے پوچھا کہ اباجی کیوں رو رہے ہیں؟ فرمایا: بیٹا یہ وہ جگہ ہے جس جگہ ابن ہبیرہ نے میرے والد (اور تمہارے دادا) امام ابو حنیفہؒ کو مسلسل دس روز کوڑے لگوائے تھے۔ روزانہ دس کوڑے لگائے جاتے تھے، امام صاحبؒ سے کہا جاتا تھا کہ منصبِ قضاء قبول کر لو، لیکن وہ نہیں مانتے تھے"۔[2]

حضرت امام صاحبؒ ابن ہبیرہ کی قید سے چھوٹے تو مکہ مکرمہ چلے گئے پھر جب ۱۳۲ھ میں بنو اُمیہ کی حکومت کا سُورج غروب ہو گیا اور حالات سازگار ہوئے تو آپ واپس کوفہ تشریف لے آئے۔ آپ جب کوفہ آئے تو ابو جعفر منصور تختِ خلافت پر متمکن تھا، منصور بھی مُطلَقُ العِنَان حکمران ثابت ہوا، اہلِ حق اس کے خلاف عَلَمِ جہاد بلند کرنے لگے، اہلِ بیت میں سے مدینہ طیبہ میں حضرت محمد ذوالنفس الزکیہ نے اور بصرہ میں حضرت امام زیدؒ نے منصور کے خلاف خروج کیا تو امام صاحبؒ نے اُن کا بھرپور ساتھ دیا۔ منصور نے لوگوں کو یہ باور کرانے کے لیے کہ امام صاحبؒ حکومت کے خلاف نہیں ہیں بلکہ حکومت سے متفق ہیں یہ چاہا کہ امام صاحبؒ کو کارِ حکومت میں شریک کر لے اس سلسلہ میں اس نے آپ کو منصبِ قضاء پیش کیا، آپ نے حسبِ سابق یہ عہدہ

---

[1] کوفہ کا ایک محلہ۔

[2] وفیات الاعیان ج ۵ ص ۴۰۷

قبول کرنے سے صاف انکار کردیا، منصور نے آپ کو عہدہ قضاء قبول نہ کرنے پر دھمکیاں دیں، لیکن امام صاحبؒ پر اُن کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس سلسلہ میں امام صاحبؒ اور منصور کی گفتگو ملاحظہ فرمائیں۔

مورخ ابن خلکانؒ لکھتے ہیں۔

"ابوجعفر منصور نے آپ کو کوفہ سے بغداد بلوالیا تھا، وہ چاہتا تھا کہ آپ کو منصبِ قضاء سپرد کرے لیکن آپ مانتے نہیں تھے۔ منصور نے قسم اُٹھا لی کہ یہ کام آپ کو کرنا پڑے گا۔ آپ نے بھی قسم اُٹھالی کہ میں یہ کام ہرگز نہیں کروں گا، میں منصبِ قضاء کی صلاحیت اپنے اندر نہیں پاتا۔ منصور کا حاجب ربیع بولا کہ: امیرالمؤمنین ایک کام کے لیے قسم اُٹھا چکے ہیں (تم اُن کے مقابلہ میں قسم اُٹھا رہے ہو۔؟) امام صاحبؒ نے فرمایا امیرالمؤمنین کو اپنی قسموں کے کفارے دینے پر زیادہ قدرت حاصل ہے بہ نسبت میری قسموں کے کفاروں کے۔ بہرطور آپ نے منصبِ قضاء کی ذمہ داری لینے سے صاف انکار کردیا، منصور نے اُسی وقت آپ کے جیل بھیجنے کے احکامات جاری کردیے .... ربیع کا کہنا ہے کہ میں نے دیکھا کہ منصور، منصبِ قضاء کے قبول کرلینے کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ کو اُن کی بات سے نیچے لانے کی کوشش کررہا ہے اور امام صاحبؒ فرما رہے ہیں: منصور، اللہ سے ڈر اور اپنی امانت کا نگران اُسی کو بنا جو اللہ سے (مکمل طور پر) ڈرتا ہو اگرچہ اس کا فیصلہ تیرے خلاف ہی کیوں نہ ہو، خدا کی قسم مجھے تو حالتِ رضا میں بھی اپنے پر اطمینان نہیں چہ جائیکہ حالتِ غضب، منصور پھر اگر تو مجھے یہ دھمکی دے کہ یا تو منصبِ قضا قبول کرلو ورنہ میں تمہیں دریائے فرات میں غرق کردوں گا تو میں غرق ہونے کو ترجیح دوں گا۔ منصور، تیرے

بہت سے ایسے حاشیہ بردار ہیں جو ایسے شخص کے خواہش ہیں جو تیری وجہ سے اُن کا اعزاز و اکرام کرے، منصور، مَیں اس کی صلاحیت نہیں رکھتا، منصور نے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، تم اس کی صلاحیت رکھتے ہو۔ امام صاحبؒ نے فرمایا: لیجئے آپ نے اپنے خلاف خود فیصلہ کر دیا کیا آپ کے لیے جائز ہے کہ آپ اُس شخص کو قاضی بنائیں جو آپ کے نزدیک جھوٹا ہے؟" [1]

موفق بن احمد المکیؒ (م ۵۶۸ھ) اپنی سند سے تحریر فرماتے ہیں۔

"منصور نے آپ کو کوفہ سے بغداد بلایا اور آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ منصب قضاء قبول کر لیں۔ سلطنتِ اسلام کے تمام علاقوں میں آپ کے ہاتھوں ہی قاضی مقرر ہوں مختلف حِیلُ و حُجّت سے آپ کو قائل کرنے کی کوشش کی، لیکن آپ نے انکار کر دیا، منصور نے بڑی سخت قسم اُٹھائی کہ اگر آپ یہ منصب قبول نہیں کریں گے تو میں آپ کو قید بھی کر دُوں گا اور آپ پر سختی بھی کروں گا۔ اس پر بھی امام صاحبؒ نے (توجہ نہ دی اور صاف) انکار کر دیا، منصور نے آپ کے جیل بھیج دینے کا حکم جاری کر دیا۔

منصور، جیل میں امام صاحبؒ کے پاس یہ پیغام بھیجتا رہا کہ اگر آپ میری بات مان لیں اور میرا مطالبہ قبول کر لیں تو مَیں آپ کو رہا کر دُوں گا اور آپ کا اعزاز و اکرام کروں گا لیکن امام صاحبؒ سختی سے انکار فرماتے رہے، منصور (اس پر غضب ناک ہوا) اور حکم دیا کہ ہر روز آپ کو

---

[1] وفیات الاعیان ج ۵ ص ۴۰۶، مناقب موفق بن احمد مکی ص ۲۸۴

زندان سے باہر لا کر دس کوڑے لگائے جائیں ـــــ جب مسلسل یہ عمل ہونے لگا تو آپ اللہ تعالیٰ کے حضور میں روئے اور اللہ سے (رہائی کی) دعا کی تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ آپ کی جیل ہی میں پیٹ کی تکلیف اور سخت اذیّت کی حالت میں وفات ہوگئی آپ کا جنازہ باہر لایا گیا۔ دُنیا آپ پر روئی اور آپ کا جنازہ پڑھا اور خیزران کے مقبرے میں آپ کی تدفین ہوئی۔" [1]

امام مالکؒ کی حق گوئی

امام دارالہجرت حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۷۹ھ) کو اپنے زمانہ میں متعدد عباسی حکمرانوں سے سابقہ پڑا۔ آپ نے سب کے سامنے کلمہ حق کہا جس کی پاداشں میں آپ کو بڑھاپے میں کوڑے برداشت کرنے پڑے، منصور تختِ خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے سوءِ ظنی کی بنار پر فاطمی وعلوی سادات کی بیخ کنی شروع کر دی تنگ آکر سادات میں سے محمد [2] ذوالنفس الزکیۃؒ نے مدینہ طیّبہ میں اور امام زیدؒ نے بصرہ میں منصور کے خلاف عَلَم بغاوت بلند کیا۔ حضرت امام مالکؒ مدینہ طیّبہ میں رہتے تھے اس لیے آپ نے محمد ذوالنفس الزکیہؒ کا ساتھ دیا اور برملا یہ فتویٰ دیا کہ "خلافت "نفسِ زکیہ" کا حق ہے"۔ لوگوں نے پوچھا کہ ہم منصور کی بیعت پر حلف اٹھا چکے ہیں۔ فرمایا منصور نے جبرًا بیعت لی ہے اور جو کام جبرًا کرایا جائے شرع میں اس کا اعتبار نہیں، حدیث میں ہے کہ اگر جبرًا طلاق کسی سے دلوائی جائے تو واقع نہ ہوگی۔ [3] منصور نے ان حالات کو دیکھتے ہوئے مدینہ طیّبہ کے

---

[1] مناقب موفق ص ۴۲۹ [2] آپ حضرت حسنؓ کے پوتے عبداللہ المحضؒ کے صاحبزادے تھے۔ امام زیدؒ حضرت امام زین العابدینؒ کے صاحبزادے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے۔

[3] حضرت امام مالکؒ کا موقف یہی ہے لیکن ایک دوسری حدیث کے پیشِ نظر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جبرًا دلوائی گئی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

سابقہ گورنر کو بدل کر اپنے چچازاد بھائی جعفر بن سلیمان کو نیا گورنر مقرر کیا۔ آگے مؤرخ لکھتا ہے کہ

"جعفر نے مدینہ (طیبہ) پہنچ کر نئے سرے سے لوگوں سے بیعت لی امام مالکؒ کو کہلا بھیجا کہ آئندہ طلاقِ جبری کے عدمِ اعتبار کا فتوٰی نہ دیں کہ لوگوں کو بیعت جبری کی بے اعتباری عدمِ صحت کے لیے سند ہاتھ آئے، لیکن امام صاحبؒ نے اس کی کوئی پروا نہ کی اور بدستور جبری معاملہ کے عدمِ صحت کا فتوٰی دیتے رہے، جعفر نے غضب ناک ہو کر حکم دیا کہ ان کو ستر کوڑے مارے جائیں، چنانچہ امام دارالہجرت محکمۂ امارت میں گنہگاروں کی طرح لائے گئے، کپڑے اتارے گئے اور شانۂ امامت پر دستِ ظلم نے ستر کوڑے پورے کئے۔ تمام پیٹھ لہولہان ہو گئی، دونوں ہاتھ مونڈھے سے اُتر گئے، اس پر بھی جعفر کی تسلی نہ ہوئی تو حکم دیا کہ اونٹ پر بٹھا کر شہر میں ان کی تشہیر کی جائے، امام صاحبؒ بایں حالِ زار بازاروں اور گلیوں سے گزر رہے تھے اور زبانِ صداقت نشان بہ آواز بلند کہہ رہی تھی "جو مجھ کو جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا وہ جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں۔ فتوٰی دیتا ہوں کہ "طلاق جبری درست نہیں"۔ [1]

اس کے بعد اسی طرح خون آلودہ کپڑوں میں مسجد نبویؐ میں تشریف لائے، پشت مبارک سے خون صاف کیا اور دو رکعت نماز پڑھ کر لوگوں سے فرمایا کہ: سعید بن مسیبؒ کو جب کوڑے مارے گئے تھے تو انہوں نے بھی مسجد میں آکر نماز پڑھی تھی"۔ [2]

---

[1] طبقات ابن سعد ترجمۂ مالکؒ، مناقب للزواوی، بحوالہ تذکرۃ المحدثین ج ۱ ص ۲۹

[2] نقلاً عن الخطیب۔ بحوالہ تذکرۃ المحدثین ج ۱ ص ۲۹

مقاتل بن سلیمانؒ کا کلمۂ حق

مشہور مفسر مقاتل بن سلیمان بلخی رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ) کے تذکرے میں مؤرخ ابن خلکانؒ فرماتے ہیں:

"مروی ہے کہ ابو جعفر منصور (ایک دن) بیٹھا ہوا تھا کہ اُس کے چہرہ پر مکھی آبیٹھی، اُس نے اڑادی، مکھی حسبِ عادت پھر آن بیٹھی، خلیفہ نے پھر اڑادی، غرض کئی دفعہ ایسا ہی ہوا جس سے منصور اچھا خاصا پریشان ہوگیا۔ منصور نے کہا کہ دروازہ پر دیکھو کہ باہر کون ہے، بتلایا گیا کہ مقاتل بن سلیمان ہیں اُس نے کہا کہ انہیں اندر لے آؤ، مقاتل، منصور کے پاس پہنچے تو اُس نے (جھلا کر) کہا کہ مکھی پیدا کرنے کی خدا کو کیا ضرورت پڑی تھی؟ مقاتل نے جواب دیا کہ: اللہ تعالیٰ نے مکھی متکبروں کا غرور توڑنے کے لیے پیدا کی ہے۔ منصور یہ سن کر خاموش ہوگیا (آگے کچھ بول نہیں سکا)" [1]

قاضی بکّار بن قُتیبہؒ کا غلط فتویٰ دینے سے انکار

قاضی بکّار بن قُتیبہ بصری حنفی رحمہ اللہ (م: ۲۷۰ھ) اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدّث فقیہ اور مصر کے چیف جسٹس تھے، کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے اور دورانِ تلاوت اکثر گریہ طاری رہتا تھا، حق گوئی وطیرہ تھا اس میں کسی کی پروا نہیں کرتے تھے آپ چوبیس سال چھ ماہ اور سولہ دن مصر کے قاضی رہے لیکن کوئی بات ضمیر کے خلاف نہیں کی۔ آپ کے چچازاد بھائی ابو حاتم کہتے ہیں کہ:

---

[1] وفیات الاعیان ج ۱ ص ۲۵۵

" چچا جان کی خدمت میں بصرہ سے ایک صاحب تشریف لائے جو بڑے عالم زاہد اور عابد تھے۔ چچا جان نے ان کا اعزاز و اکرام کیا اور انہیں اپنے قریب بٹھایا انہوں نے ذکر کیا کہ وہ آپ کے ساتھ فلاں مکتب میں پڑھتے تھے، کچھ دن بعد یہ صاحب چچا جان کے پاس ایک گواہی کے سلسلہ میں مصر کے دو گواہ ساتھ لے کر آئے۔ انہوں نے گواہی دی لیکن آپ نے ان کی گواہی قبول نہیں کی، ابوحاتم کہتے ہیں میں نے چچا جان سے کہا کہ یہ صاحب انتہائی عابد و زاہد ہیں اور آپ انہیں جانتے بھی ہیں پھر بھی آپ نے ان کی گواہی قبول نہیں کی؟ فرمایا: بھتیجے: ان کی گواہی رد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم بچے تھے تو ایک دفعہ ایسا ہوا کہ دسترخوان پر ہم کھانا کھا رہے تھے۔ دسترخوان پر چاول تھے جن میں کھانڈ ڈلی ہوئی تھی۔ میں نے اپنی انگلی سے چاول کریدے تو ان صاحب نے جھٹ سے یہ آیت پڑھ دی ۔۔۔ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا (حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ سے کہا کہ آپ نے کشتی کا تختہ کیا اس لیے اکھاڑا ہے کہ کشتی والوں کو ڈبو دیں) میں نے کہا کہ بھائی تم کھانے پر کتاب اللہ کے ساتھ استہزاء کر رہے ہو؟ اس کے بعد میں نے ایک مدت تک ان سے بات چیت نہیں کی، مجھے یہ واقعہ یاد آگیا اور مجھے ہمت نہیں ہوئی کہ ایسی صورت میں ان کی گواہی قبول کروں"۔ [1]

جب آپ متوکل کی جانب سے قاضی بن کر مصر تشریف لے گئے تو وہاں خلافت عباسیہ کی طرف سے احمد بن طولون حاکم تھے، ابن طولون قاضی صاحبؒ کے ساتھ نہایت

---

[1] وفیات الاعیان ج ۱ ص ۲۸۱

اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آتے تھے اور قاضی صاحبؒ کو اُن کے مشاہرہ کے علاوہ ہر سال الگ سے ایک ہزار اشرفیاں دیتے تھے ، سوءِ اتفاق کہ ابن طولون اور قاضی صاحبؒ کے درمیان شکر رنجی ہوگئی اور اعزاز و اکرام کی جگہ آپ کو مصائب و تکالیف سے دوچار ہونا پڑا۔ وجہ یہ بنی کہ متوکل کا بیٹا مُعتَمِدؔ جب خلیفہ بنا تو اُس نے اپنے بعد اپنے بھائی مُوفّقؔ کو اپنا ولی عہد نامزد کیا۔ مُعتَمِدؔ کی بدقسمتی کہ وہ خلافت کے اہل ثابت نہ ہوا جس کی وجہ سے ملک میں حالات ابتر ہونے لگے ، مُوفّقؔ سمجھ دار تھا اُس نے تمام اُمور کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مُعتَمِدؔ برائے نام خلیفہ رہ گیا صرف خطبہ اُس کے نام کا پڑھا جاتا تھا اور سکّہ اُس کے نام کا چلتا تھا باقی تمام امور مُوفّقؔ انجام دیتا تھا ، مُعتَمِدؔ کو اس پر بڑی تشویش تھی وہ اسی سلسلہ میں ابن طولون سے ملنے مصر جا رہا تھا کہ مُوفّقؔ کو پتہ چل گیا اُس نے ایک لشکر بھیج کر مُعتَمِدؔ کو گرفتار کرلیا اِدھر ابن طولون مہمات کے سلسلہ میں دمشق گیا ہوا تھا اُسے جب مُعتَمِدؔ کی گرفتاری کا علم ہوا تو علّامہ ذہبیؒ کے بیان کے مطابق

> " اُس نے علماء و اعیان (اور قُضاۃؔ و فُقہاءؔ) کو (دمشق میں) اکٹھا کیا اور کہا کہ مُوفّقؔ نے امیر المؤمنین سے غدّاری کی ہے اور اُن سے کیا ہوا عہد توڑا ہے اس لیے آپ سب حضرات مُوفّقؔ کو ولی عہدی سے معزول کرنے کا فتویٰ دیں سب حضرات نے فتویٰ دے دیا سوائے قاضی بکار بن قتیبہ کے ، آپ نے ابن طولون سے کہا : " اَنْتَ اَوْرَدْتَ عَلَیَّ کِتَابَ الْمُعْتَمِدِ بِتَوْلِیَتِہِ الْعَہْدَ فَہَاتِ کِتَابًا آخَرَ مِنْہُ " جناب نے مُعتَمِدؔ کی جانب سے مُوفّقؔ کی ولی عہدی کا پروانہ میرے سامنے پیش کیا تھا (اب اگر آپ اسے معزول کرنے کا فتوے لینا چاہتے ہیں تو) مُعتَمِدؔ ہی کی طرف سے اُس کی معزولی کا پروانہ لے آئیے ، ابن طولون نے کہا کہ مُعتَمِدؔ تو بندش کا شکار اور مغلوب

ومشہور ہے قاضی صاحبؒ نے فرمایا : لَا اَدرِی میں یہ نہیں جانتا ابن طولون (بھڑک گیا اور) بولا شاید لوگ جو آپ کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ قاضی بکار جیسا آدمی دُنیا بھر میں نہیں ہے اِس بات نے آپ کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے، لگتا ہے آپ سٹھیا گئے ہیں۔ ابن طولون نے آپ کو بیڑیوں میں جکڑ کر قید کر ڈالا۔" [۱]

مؤرخ ابن خلکانؒ کہتے ہیں کہ

" ابن طولون نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ قاضی صاحبؒ سے وہ تمام اشرفیاں جو وہ ہر سال انہیں دیتا تھا واپس طلب کیں۔ قاضی صاحبؒ نے اشرفیوں کے تمام توڑے جن پر (ابھی تک) مہریں لگی ہوئی تھیں وہ سب ابن طولون کو اٹھوا دیے، یہ اٹھارہ توڑے تھے، ابن طولون اِس سے بڑا کچا ہوا، اُس کا خیال تھا کہ قاضی صاحبؒ نے تمام اشرفیاں خرچ کر ڈالی ہونگی اور وہ واپس نہ دے سکیں گے۔" [۲] قاضی صاحبؒ قید ہی میں تھے کہ احمد ابن طولون کا انتقال ہو گیا، اُس کے انتقال کے ٹھیک چالیس روز بعد قاضی صاحبؒ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے قید خانے ہی سے قاضی صاحبؒ کا جنازہ اٹھا اور ابن طبا طبا کی قبر کے پاس آپ کی تدفین ہوئی مشہور ہے کہ آپ کی قبر مبارک کے پاس جو دُعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔

آپ کے انتقال کے بعد مصر میں پورے تین سال تک کوئی قاضی القضاۃ نہیں بن سکا۔" [۳]

---

[۱] سیر اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۶۰۳ [۲] وفیات الاعیان ج ۱ ص ۲۸۰

[۳] وفیات الاعیان ج ۱ ص ۲۸۰

حضرت شیخ الہندؒ کا غلط فتوے پر دستخط سے انکار

راقم الحروف حضرت قاضی بکارؒ کے حالات پڑھ رہا تھا کہ اس دوران شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ (م ۱۳۳۹/۱۹۲۰) کی شخصیت نظروں میں گھومنے لگی، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز کے خلاف اور ملک کو اُن کے غاصبانہ قبضہ سے آزاد کرانے کے لیے جن افراد نے اپنا تن من دھن لٹایا ان میں شیخ الہندؒ کی شخصیت سرفہرست ہے۔

۱۹۱۵ء میں آپ حجاز تشریف لے گئے۔ بدقسمتی سے شریف حسین نے انگریز کے بھڑکانے پر "خلافت عثمانیہ" سے بغاوت کرکے اپنی حکومت قائم کرلی، گورنمنٹ برٹش کے ایماء پر حضرت شیخ الہندؒ سے "خلافت عثمانیہ" کے خلاف نیز ترکوں کی تکفیر اور شریفی حکومت کی بغاوت کے حق میں مُرتَّبہ استفتاء پر دستخط طلب کیے گئے جس سے آپ نے خلافِ شرع ہونے کی بناء پر انکار کردیا۔ نتیجۃً آپ کو انتہائی ضعف اور پیرانہ سالی کی حالت میں آپ کے رفقاء کے ساتھ جزیرہ نما مالٹا میں قید کردیا گیا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"محرم ۱۳۳۵ھ کی اخیر تاریخوں میں شیخ الاسلام مکہ معظمہ عبداللہ سراج کی طرف سے نقیب علماء مکہ عصر کے بعد آیا اور کہا کہ مجھ کو شیخ الاسلام نے بھیجا ہے اور حضرت شیخ الہند سے اس محضر کی تصدیق طلب کی ہے مولانا کے اس پر دستخط کرادو اس کو دیکھا گیا تو عنوان یہ تھا "من علماء مکۃ المکرمۃ المدرسین بالحرم الشریف المکی" (مکہ مکرمہ کے علماء کی جانب سے جو مکہ کے حرم شریف میں درس دیتے ہیں) اور اس میں تمام ترکوں کی تکفیر اس بناء پر کی گئی تھی کہ انھوں نے سلطان عبدالحمید خاں مرحوم کو معزول کیا ہے۔ شریف حسین کی بغاوت کو حق بجانب اور مستحسن قرار دیا گیا تھا اور ترکوں

کی خلافت کا انکار تھا وغیرہ وغیرہ حضرت نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ چونکہ یہ محضر اُن علماء مکہ مکرمہ کی طرف سے ہے جو کہ حرم مکی میں پڑھاتے ہیں اور میں ہندوستان کا باشندہ ہوں اور حرم مکی میں مدرس بھی نہیں ہوں اس لیے مجھ کو کسی طرح اس پر دستخط کرنا درست نہیں ہے وہ واپس چلا گیا۔ حاضرین میں سے بعض احباب نے کہا کہ اس کا نتیجہ خطرناک ہے۔ حضرت نے جواب دیا کہ پھر کیا کیا جائے۔ نہ عنوان اجازت دیتا ہے نہ مُعنوَن، مُعنوَن میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں وہ سراسر خلافِ شریعت ہیں اس کے بعد سُنا گیا کہ شیخ الاسلام عبداللہ سراج بہت برہم ہوئے خطرہ تھا کہ وہ لوٹ کر آئے گا اور کچھ جواب دے گا۔ دو چار دن کے بعد شریف حسین خود جدہ گیا اور وہاں سے حکم بھیجا کہ فوراً مولانا محمود حسن اور اُن کے رفقاء اور سید ہاشم اور حکیم نصرت حسین کو گرفتار کر کے بھیجو۔"[1]

تقریباً ساڑھے تین سال قید کاٹنے کے بعد آپ کو رہائی نصیب ہوئی اور آپ دیوبند واپس تشریف لائے اور پہلے سے بھی زیادہ جوش و خروش کے ساتھ تحریک آزادی میں حصہ لیا۔ سوءِ اتفاق کہ جلد ہی آپ کا انتقال ہو گیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ"۔

اِبنُ السِّکِّیت کی حق گوئی

یعقوب بن اسحاق المعروف اِبنُ السِّکِّیت[2] اپنے زمانہ کے بہت بڑے لُغوی تھے، آپ نے علمِ لغت میں ایک کتاب "اصلاح المنطق" کے نام سے لکھی تھی،

---

[1] نقشِ حیات ج ۲ ص ۶۵۰

[2] انہیں سِکِّیت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ انتہائی خاموش رہتے تھے، گویا سِکِّیت سُکُوت سے ماخوذ ہے۔

اُس زمانہ کے ایک عالم کا کہنا تھا کہ علمِ لُغت میں اِس جیسی کوئی دوسری کتاب بغداد کے پُل سے نہیں گزری اکابر اُعلام نے بیانِ لغت میں آپ کے اقوال سے استشہاد کیا ہے۔[1]

ابن سِکّیتؒ عباسی خلیفہ متوکل کے دربار سے وابستہ تھے اور متوکل کے صاحبزادوں مُعتز اور مُؤیّد کے اتالیق تھے، متوکل بہت سی خوبیوں کے باوصف بغضِ علیؓ کا شکار تھا اور اُن کے صاحبزادوں (حسن وحسین رضی اللہ عنہما) سے کدورت رکھتا تھا اس کے برعکس ابن سکیتؒ اہلِ بیت سے بے انتہا عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔

"ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ابن سکیتؒ، متوکل کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک متوکل کے بیٹے معتز اور مؤید آ گئے، متوکل نے اُن سے پوچھا کہ: یعقوب تم کو کون زیادہ محبوب ہے میرے یہ دونوں بیٹے یا حسن حسین؟ (رضی اللہ عنہما) ابن سکیتؒ نے کہا: " وَاللهِ اِنَّ قَنْبَرَ خَادِمَ عَلِیٍّ (رضی اللہ عنہ) خَیْرٌ مِنْکَ وَمِنَ ابْنَیْکَ "، واللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خادم قنبر تجھ سے اور تیرے دونوں بیٹوں سے کہیں بہتر ہے"

(متوکل یہ سن کر تاب نہ لاسکا اور جلّادوں کو حکم دیا کہ گُدّی سے اِن کی زبان کھینچ لو، چنانچہ ایسے ہی کیا گیا، ابن سکیتؒ اسی تکلیف میں فوت ہو گئے۔[2]

یہ قصّہ ۲۴۴ھ یا اس کے لگ بھگ پیش آیا تھا اور اس وقت ابن سکیتؒ کی عمر اٹھاون برس تھی۔

قاضی شمس الدّینؒ کی جرأت

سلطان بایزید یلدرم خاندانِ عثمانیہ کا مشہور حکمران گزرا ہے سلطان مراد اوّل کا بیٹا

---

[1] چنانچہ صاحب ہدایہؒ باب العدۃ کے شروع میں فرماتے ہیں "کذا قال ابن السکیت" دیکھیے ہدایہؒ ۲ ص ۴۲۲

[2] وفیات الاعیان ج ۲ ص ۴۰۰

تھا، انتہائی شجاع و دلیر واقع ہوا تھا۔ اس کے عہد میں قاضی شمس الدین ایک نامی گرامی بزرگ تھے جو سلطان کی طرف سے بروسا کی قضاء پر فائز تھے اِن کے متعلق مصنف "شقائق النعمانیہ" فرماتے ہیں۔

"آپ کی عدالت میں ایک معاملے میں سلطان بایزید نے شہادت دی تو شہادتِ سلطانی کو انہوں نے قبول نہیں کیا، جب سلطان نے وجہ پوچھی تو مولانا نے جواب دیا کہ سلطان نماز میں جماعت کا پابند نہیں اور تارکِ جماعت کی شہادت مردود ہے"۔ [1]

حضرت مدنیؒ کا تاریخ ساز بیان

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ (م ۱۳۷۷ / ۱۹۵۷) کی شخصیت اپنی مذہبی، تاریخی، سیاسی اور ملی خدمات کے حوالہ سے کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ دار العلوم کے وہ عظیم سپوت ہیں جنہوں نے راہِ عزیمت کو اپناتے ہوئے علماء اور اہلِ درس کے حلقہ سے باہر قدم نکالا اور اس مسئلہ کی طرف توجہ کی جو وقت کا اہم مسئلہ تھا اور عین انگریزی حکومت کے عروج کے زمانے میں اعلانِ حق کر کے "كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ" کے افضل جہاد کا شرف حاصل کیا۔ مالٹا میں اسیری کے دن گزارے اور ہندوستان کی جیلوں میں مہینوں رہ کر سنّتِ یوسفی ادا کی اور دنیا کی عظیم ترین سلطنت کے مقابلہ میں برسوں سینہ سپر رہے یہاں تک کہ آپ کا مقصد پورا ہوا اور انگریز اپنی بساط لپیٹ کر چلتا بنا۔

ذیل میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کے تاریخی بیان کا ایک اقتباس پیش کیا جا رہا ہے

---

[1] شقائق النعمانیہ مصنفہ طاش کبری زادہ بحوالہ تذکرہ علماء سلف ص ۹۳

جس سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ہمت و عزیمت اور جرأت و استقامت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جولائی ۱۹۲۱ء کی بات ہے کہ کراچی خلافت کانفرنس میں آپ نے یہ تجویز پیش فرمائی۔

> "گورنمنٹ برطانیہ کی فوج کی ملازمت کرنا، کسی کو بھرتی کرانا، کسی کو بھرتی ہونے کی تلقین کرنا اور ہر قسم کی اعانت کرنا سب حرام ہے اور ہر مسلمان پر فرض ہے کہ یہ بات ہر فوجی مسلمان تک پہنچا دے"۔

شرکاء کانفرنس نے یہ تجویز پسند کی اور پاس کردی، یہ تجویز اخبارات میں آئی، کتابی شکل میں شائع ہوئی، پورے ملک میں شور مچ گیا، حکومتِ برطانیہ اسے کہاں برداشت کرسکتی تھی اُس نے حضرت کو گرفتار کرلیا۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۲۱ء سے خالق دینا ہال کراچی میں حضرت مدنیؒ اور دوسرے شرکاء کانفرنس کے مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی اور حضرت نے عدالت کے روبرو وہ تاریخی بیان دیا جو ہندوستان کی سیاسی علمی اور ادبی تاریخ میں ایک عظیم مقام رکھتا ہے اس بیان میں آپ نے فرمایا:

> "اگر گورنمنٹ کا منشاء مذہبی آزادی سلب کرنا ہے تو صاف صاف اعلان کرے تاکہ سات کروڑ مسلمان اس بات پر غور کریں کہ اُن کو مسلمان رہنا منظور ہے یا گورنمنٹ برطانیہ کی رعایا، اسی طرح ۲۲ کروڑ ہندو بھی سوچ لیں کہ اُن کو کیا کرنا ہے کیونکہ جب مذہبی آزادی چھینی جائے گی تو سب کی چھینی جائے گی۔ اگر لارڈ ریڈنگ اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ قرآن کریم کو جلادیں، احادیث کو مٹادیں اور کُتبِ فقہ کو برباد کردیں تو سب سے پہلے اسلام پر اپنی جان قربان کرنے والا میں ہوں"۔

مولانا محمد علی جوہر بھی اس مقدمہ میں ماخوذ تھے اور اس وقت کمرۂ عدالت میں موجود تھے، اس موقع پر حضرت مدنیؒ نے اپنی بے مثال جرأت کا مظاہرہ کیا تو انہوں نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر جاکر حضرت کے پاؤں چوم لیے۔[1]

---

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے [illegible]

قارئین محترم: ہم نے کلمۂ حق کہنے والوں کے یہ چند واقعات ذکر کیے ہیں اس قسم کے واقعات سے ہماری تاریخ بھری پڑی ہے جو ہمیں ہمّت و عزیمت کا درس دے رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان اکابر کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ے بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مسلمانوں کے زوال کا ایک سبب

علامہ سید رشید رضا مصری (م) سے ان کے شاگرد جاوا کے شیخ الاسلام محمد بسیونی عمران نے پوچھا تھا کہ مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی زوال کے اسباب کیا ہیں؟ اس صدی میں دنیا بھر کے مُسلمان کیوں ہر جگہ ذلیل و خوار نظر آتے ہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کا مسلمانوں سے یہ صاف وعدہ تھا کہ " وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔" (عزّت اور سر بلندی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ہے اور مسلمانوں کے لیے ہے۔)

سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ ذلیل و زبوں حالت کو دیکھتے ہوئے یہ آیت کیونکر صحیح کہی جا سکتی ہے؟

علامہ رشید رضا نے یہ مکتوب علامہ شکیب ارسلان کی خدمت میں دیا اور انہیں مجبور کیا کہ وہ " المنار" کے کالموں میں مذکورہ سوال کا جواب دیں۔ علامہ شکیب ارسلان ان دنوں جلاوطن تھے اور روس، جرمنی، اسپین اور مراکش کی سیاحت کے بعد جنیوا (اٹلی) میں واپس تشریف لائے، جونہی علامہ رشید رضا کا مکتوب آپ کو ملا دل کا درد بے اختیار قلم کی راہ بہہ گیا۔

علامہ ارسلان نے مکتوب کے جواب میں مسلمانوں کے زوال کے مختلف اسباب

بیان فرمائے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ آپ کے بیان کردہ تمام اسباب سو فیصد درست ہیں اور مسلمانوں کے لیے عبرت کا سامان ہیں ہر مسلمان کو ان اسباب کا بنظرِ غائر مطالعہ کر کے اپنی حالت کو دُرست کرنا چاہیئے۔

علامہ شکیب ارسلان نے مسلمانوں کے زوال کا پہلا سبب " جانی و مالی جہاد سے پہلو تہی" کو قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں آپ نے مسلمانوں کی حالت کے دردناک پہلوؤں کو ذکر کرتے ہوئے انگریزوں کی حالت کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔

آپ فرماتے ہیں۔

" لوگ کہتے ہیں کہ انگریزوں نے دُنیا پر کیوں قبضہ کر لیا ؟ میں کہتا ہوں کہ وہ اپنے اخلاقِ فاضلہ اور کوشش و اتفاق کی بدولت کامیاب ہوئے ہیں۔ میرے ایک دوست نے مجھے ایک قصّہ سُنایا تھا۔ ایک انگریز کسی مشرقی ملک میں بہت بڑا عہدے دار تھا۔ اُس نے اپنے نوکر کو حکم دے رکھا تھا کہ گھر کا تمام سودا ہمیشہ انگریزی دکان سے لیا کرے۔ ایک دفعہ نوکر نے ایک ہی مہینہ کے اخراجات میں بیس پونڈ کی بچت نکال دی۔ صاحب نے سبب پوچھا تو نوکر نے جواب دیا کہ میں نے اس دفعہ انگریزی دکان کو چھوڑ کر ایک دیسی بنئے سے سودا خریدا ہے۔ یہ سن کر صاحب نے حکم دیا کہ اَب پھر انگریزی دکان سے سودا لینا شروع کر دو نوکر نے کہا اگر اس سے سودا لیا جائے گا تو اخراجات میں بیس پونڈ ماہوار کا اضافہ ہو جائے گا صاحب نے کہا کچھ حرج نہیں ہے، تمہیں انگریزی دکان سے سودا خریدنا چاہیئے"

میں نے یہ بھی سُنا ہے کہ مشرقی ملکوں کے انگریز عہدیدار ہمیشہ اپنی قیمتی چیزیں ولایت سے منگواتے ہیں تاکہ اُن کا روپیہ باہر نہ جاسکے۔

کیا ہم ان مثالوں کے بعد مسلمانوں کی حالت کو کسی شمار میں لا سکتے ہیں؟ اگر ہم مسلمانوں کو رات اور دن بھی یہ نصیحت کرتے رہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے سوا کسی اور سے سودا نہ لیں پھر بھی وہ اِن تمام نصیحتوں کو بھول جاتے ہیں اگر کسی اجنبی سے سودا لینے میں انہیں ایک ہی آنے کا فائدہ نظر آئے۔

یہود کے بائیکاٹ میں عربوں کی ناکامی کی بڑی وجہ یہی تھی کہ مسلمانوں نے نرخ اشیاء کے معمولی فائدہ کو ہاتھ سے دینا گوارا نہ کیا اور وہ اپنے معمولی فائدہ کی خاطر اپنے تیز تر ہتھیار (یہودیوں کا بائیکاٹ) کو ضائع کر کے بیٹھ گئے۔ انہوں نے اس معمولی نفع کا تو خیال کر لیا مگر نقصان عظیم جو یہودیوں سے انہیں پہنچ رہا ہے اس کا خیال تک نہ کیا۔" [1]

زکوٰۃ کی برکات

حدیث شریف کی کتاب "سُنَن ابی داؤد" کے مصنف امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث رحمہ اللہ (م ۲۷۵ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

"شَبَرْتُ قِثَّاءَۃً	میں نے ایک مرتبہ مصر میں ایک
بِمِصْرَ ثَلَاثَۃَ عَشَرَ	ککڑی کو اپنی بالشت سے ماپا تو وہ
شِبْرًا وَرَأَیْتُ	تیرہ بالشت کی تھی۔ اسی طرح میں
أُتْرُجَّۃً عَلٰی	نے ایک نارنگی دیکھی جس کے دو
بَعِیْرٍ بِقِطْعَتَیْنِ	ٹکڑے کر کے اس کو ایک اونٹ

---

[1] اسباب زوالِ اُمت ص ۳۴۔ ۳۵۔ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی

قُطِّعَتْ وَصُيِّرَتْ — کے اوپر لادا گیا تھا ایک قطعہ اُس کا
عَلٰى مِثْلِ عِدْلَيْنِ" — اُس کی کمر کے ایک طرف تھا اور
لے — دوسرا قطعہ دوسری طرف۔

"الانوار الساطعہ" کے مصنف لکھتے ہیں۔

" (فائدہ) گیہوں کا دانہ جب شروع میں جنّت سے نکل کر آیا تھا تو بیضہ نُعَامَہ (سیمرغ کا انڈا) کے برابر تھا اور مکھن سے زائد نرم و ملائم تھا اور مُشک سے زیادہ خوشبودار، لیکن مُرورِ ایام کے ساتھ چھوٹا ہوتا چلا گیا اور فرعون کے زمانہ تک مرغی کے بیضہ کے برابر ہو گیا اور ایک مدت تک اتنا ہی رہا یہاں تک کہ جب حضرت یحییٰؑ کو ذبح کیا گیا تو اور وہ چھوٹا ہو گیا۔ کبوتر کے بیضہ کے برابر پھر اسی طرح وہ چھوٹا ہوتا گیا یہاں تک کہ موجودہ ہیئت پر آگیا۔" ۲

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ "بذل المجہود فی حل ابی داؤد" کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

" وقد حکى — علامہ ابن قیّم (جوزی رحمہ اللہ)
ابن القیم عن — نے اپنی سند کے ساتھ حضرت
احمد بسنده — امام احمدؒ سے نقل فرمایا ہے کہ
انه رأى فى بعض — انہوں نے بنو اُمیّہ کے بعض خزانوں
خزنة بنى امية — میں ایک تھیلی دیکھی جس میں گیہوں

لے سُنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۲۶ - طبع ایچ ایم سعید کراچی۔

۲ے الانوار الساطعۃ بحوالہ الدر المنثور ج ۳ ص ۶۸۔

صُرَّةٌ فیھا حنطة کنوی التَّمرِ» [1]
کا ایک دانہ تھا جو مقدار میں کھجور کی گٹھلی کے برابر تھا۔

قوتِ حافظہ کی ایک عجیب مثال

امام ابوداؤدؒ نے اپنی سُنَنْ میں ایک حدیث شریف محدّث اسماعیل بن اُمیّہ کے حوالے سے ذکر کی ہے انہوں نے یہ حدیث ایک اعرابی سے سُنی تھی، امام ابوداؤدؒ اس اعرابی کے بارے میں محدّث اسماعیلؒ کا قول نقل کرتے ہیں۔

"قال اسماعیل	اسماعیل بن اُمیّہؒ فرماتے ہیں کہ
ذَهَبْتُ أُعِیدُ	(کچھ روز گزرنے کے بعد اس اعرابی
علی الرجل	کا امتحان لینے کی غرض سے کہ
الاعرابی وانظر	دیکھوں اس کو یہ حدیث یاد بھی ہے
لعله فقال	یا نہیں) مَیں نے دوبارہ اُس سے
یا ابن اخی	یہ حدیث سننی چاہی (وہ اعرابی
اَتَظُنُّ انی لم	سمجھ گیا کہ یہ میرا امتحان لے رہا
احفظه لقد	ہے ــــ تو) اُس نے کہا:
حججت ستین	بھتیجے کیا تیرا خیال ہے کہ مَیں اس
حجة ما	حدیث کو بھول گیا ہوں گا، دیکھ
منها حجة	اب تک میں اپنی عمر میں ساٹھ حج
الا و انا اعرف	کرچکا ہوں ہر سال جس اُونٹ

[1] بذل المجهود، ج ۳ ص ۲۸، طبع معهد الخلیل الاسلامی۔

البعير الذی حججت علیہ ؎۱ | پر حج کیا ہے اس کو دیکھ کر پہچان لونگا کہ اس پر میں نے فلاں سنہ میں حج کیا تھا اور اس دوسرے پر فلاں سنہ میں اور اس تیسرے پر فلاں سنہ میں الخ

میں نے حنفیت کو کیوں اختیار کیا ؟

مشہور جغرافیہ دان وجغرافیہ نویس علامہ محمد بن احمد بن البنار البشاری المقدسی الحنفی رحمہ اللہ (م ۳۸۰ ھ) اپنی کتاب "احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک دن میں ابو محمد السیرافی کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپ نے فرمایا: (بشاری) تم تو ملک شام کے رہنے والے ہو اور تمہارے علاقہ کے لوگ تو محدثین کے پیروکار ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ کی فقہ سے وابستہ ہیں تم نے (امام) ابوحنیفہؒ کی فقہ کو کیوں اختیار کرلیا ؟

میں نے عرض کیا کہ خدا فقیہ کی تائید فرمائے تین وجہ سے (میں نے فقہ حنفی کو اختیار کیا ہے) ابو محمد السیرافی نے پوچھا آخر وہ کون سی تین وجہیں ہیں ؟ میں نے عرض کیا کہ

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ

میں نے دیکھا کہ فقہ حنفی کا اعتماد (ایک تو) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشادات پر ہے جن کے بارے میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

؎۱ سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۲۹ - طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

نے فرمایا ہے۔ " میں علم کا شہر ہوں اور علی اُس کا دروازہ ہیں"۔ نیز یہ بھی فرمایا اَقۡضَاکُمۡ عَلِیؓ جس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سب سے بڑے فقیہ علی ہیں۔ (دوسرے فقہ حنفی کا اعتماد) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ارشادات پر ہے جن کے بارے میں آپ نے فرمایا: میں اپنی اُمّت کے لیے اُس چیز پر راضی ہوں جس پر ابن اُم عبد (یعنی عبداللہ بن مسعودؓ) راضی ہیں۔ نیز فرمایا: عبداللہ بن مسعودؓ دیکھنے میں بظاہر چھوٹے سے برتن کی مانند ہیں، لیکن یہ علم سے بھرے ہوئے ہیں، نیز فرمایا: تم دو تہائی دین ابن اُمِ عَبۡدٍ سے حاصل کرو۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ اہل کوفہ کا علم اِن دو بزرگوں سے ماخوذ ہے۔

دُوسری وجہ یہ ہے کہ

مجھے یہ نظر آیا کہ ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ سب سے مقدم امام ہیں (یعنی اُن کا زمانہ باقی ائمہ کے زمانہ سے پہلے کا ہے) اور وہ صحابۂ کرام کے سب سے زیادہ قریب ہیں اور تمام ائمہ میں سب سے زیادہ پرہیزگار اور سب سے زیادہ عبادت گزار ہیں اور کہنے والے نے کہا ہے کہ پُرانی چیز کو لازم پکڑو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے کہ: " بہترین لوگ اس زمانہ کے ہیں جس میں مَیں ہوں۔ پھر وہ لوگ جو اِس کے بعد کے ہیں پھر وہ جو اِن کے بعد کے ہیں۔ پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو دیکھیے تو وہ سچ اور سچوں کے زمانے کے امام ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ

مَیں نے دیکھا کہ دیگر ائمہ حضرات امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ایک ایسے مسئلہ میں جُدا ہو گئے ہیں جس میں آنکھوں سے نظر آتا ہے کہ حضرت امام صاحبؒ کی رائے درست ہے اور دیگر ائمہ سے خطا ہوئی ہے ۔

ابو محمد سیرافی کہنے لگے کہ ایسا کونسا مسئلہ ہے ؟ مَیں نے عرض کیا کہ شیخ کو معلوم ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ عبادات پر اجرت لینا جائز نہیں ہے ، میں نے دیکھا ہے کہ جس نے حج پر اُجرت لی اُس کا دِل اُلٹ گیا ، اگر دوبارہ ایسے کیا تو اُس کے دل کا پلٹنا بڑھ گیا اور پرہیزگاری ختم ہو گئی ۔ نوبت یہاں تک ہو جاتی ہے کہ دو دو تین تین حج کرتے ہیں نہ اُن میں برکت نظر آتی ہے اور نہ ہی اُن کے پاس مال جمع ہوتا ہے ۔ یہی حال اماموں ، مؤذنوں اور اُن جیسے دیگر افراد کا ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب لینے کے مستحق تھے مگر انہوں نے مخلوق سے اُجرت لے لی ۔

ابو محمد سیرافیؒ نے کہا کہ " مَقْدِسیؒ تمہاری نظر بڑی دقیق ہے اور تم نے اپنے نفس کو خوب چمکا لیا ہے "۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد علامہ بشاری مقدسیؒ آگے لکھتے ہیں کہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر تو طعن و تشنیع کی گئی ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لوگ تین قسم کے ہیں ایک تو وہ جن کے راہِ راست پر ہونے پہ سب کا اجماع و اتفاق ہے ۔ دوسرے وہ جن کے بُرے ہونے پر جمہور کا اتفاق ہے ۔ تیسرے وہ جن کی کچھ لوگ تعریف

کرتے ہیں اور کچھ بُرائی کرتے ہیں۔

یہ تیسرے درجہ کے لوگ تینوں قسم کے لوگوں میں سے سب سے افضل ہیں۔ اِن تینوں قسم کے لوگوں کو صحابۂ کرام رضؓ کے زمانہ کے لوگوں پر قیاس کر لیجئے۔ دیکھیے، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت زید رضی اللہ عنہم کی تعریف ہی تعریف کی گئی ہے۔

عبداللہ ابن اُبی کی مذمّت ہی مذمّت کی گئی ہے۔

سب سے افضل چاروں خلفاء راشدین ہیں اور آپ خوب جانتے ہیں جو کچھ خارجی اور جاہل شیعہ اُن کے بارے میں کہتے ہیں۔

اب اگر بیوقوفوں کا ایک گروہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مذمّت کرتا ہے تو کیا ہوا؟ ڈھیروں اہلِ علم وفضل اُن کے لیے دُعا کرتے ہیں اور اُن کی تعریف وتوصیف کرتے ہیں۔ یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام صاحبؒ کے قلب مبارک پر کیسی کیسی فتوحات فرمائیں جن کی بدولت آپ نے مسائلِ شرعیہ کو متفرع فرمایا اور مخلوق کو راحت بخشی، پھر اس پر بھی نظر کیجئے کہ آپ نے کوڑے کھانا اختیار کر لیا لیکن منصبِ قضاء کو قبول نہیں کیا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جیسا انسان کہاں نظر آتا ہے"؟ [۱]

اولیاء اللہ کا وجود

دنیا میں اولیاء کرام کا وجود جیساکہ زندگی میں باعثِ رحمت ہے اسی طرح وفات

---

[۱] احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ص ۱۱۳

کے بعد بھی باعثِ برکت ہے، ہوسکتا ہے ظاہر بیں اس کا انکار کریں لیکن چشم بصیرت رکھنے والوں کے لیے یہ بات مبنی بر حقیقت ہے جس کا وہ دل کی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، عالم اسلام کے مشہور محدث علامہ ابن جوزیؒ نے ایک واقعہ اپنی سند سے ذکر فرمایا ہے جس سے اس بات کی صداقت کا اظہار ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ ابن جوزیؒ (م ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں۔

" عبداللہ بن موسیٰ طلیحی کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن عباس شامی کو سُنا وہ فرما رہے تھے کہ میں بغداد (کے حالات سے پریشان ہوکر) وہاں سے نکلا اور حج کا ارادہ کرکے چل پڑا، راستہ میں ایک شخص ۵ سامنے آیا جس پر عبادت کے آثار نظر آرہے تھے، اُس نے پوچھا " مِنْ اَیْنَ خَرَجْتَ " تم کہاں سے نکلے ہو؟ میں نے کہا " مِنْ بَغْدَادَ خَرَجْتُ مِنْهَا لِمَا رَاَیْتُ فِیْهَا مِنَ الْفَسَادِ فَخِفْتُ اَنْ یُّخْسَفَ بِاَهْلِهَا " میں بغداد سے نکلا ہوں کیونکہ وہاں اس قدر شر و فساد برپا ہے کہ مجھے یہ اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں اہلِ بغداد کو زمین میں نہ دھنسا دیا جائے، اس شخص نے کہا: " اِرْجِعْ وَلَا تَخَفْ فَاِنَّ فِیْهَا قُبُوْرَ اَرْبَعَةٍ مِنْ اَوْلِیَاءِ اللّٰهِ هُمْ حِصْنٌ لَهُمْ مِنْ جَمِیْعِ الْبَلَایَا " تم واپس بغداد چلے جاؤ اور ڈرو نہیں کیونکہ بغداد میں چار ایسے اولیاء اللہ کی قبریں ہیں جو اہلِ بغداد کے لیے تمام بلاؤں سے حفاظت کے لیے بمنزلہ قلعے کے ہیں۔ " قُلْتُ مَنْ هُمْ "، میں نے پوچھا کہ وہ کون کون سے ہیں؟ اس نے کہا کہ وہ ایک تو امام احمد بن حنبل ہیں دوسرے شیخ معروف کرخی ہیں تیسرے

---

۵ ممکن ہے یہ شخص رجالِ غیب میں سے ہو،

حضرت بشر حافی ہیں اور چوتھے منصور بن عمار ہیں رحمہم اللہ۔ احمد بن عباس شامی کہتے ہیں کہ میں واپس بغداد لوٹ آیا اور چاروں اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دی۔" [1]

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ

عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنے اعزاء و اقرباء اور دوست احباب کی رُو رعایت اور اپنے مخالفین و دُشمنوں کے ساتھ بغض و نفرت میں اعتدال کی راہ سے ہٹ جاتا ہے جو نہ صرف اس کیلئے بُرا ثابت ہوتا ہے بلکہ اس کے اثرات بد سے قوم و معاشرہ دونوں متاثر ہوتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اہل ایمان کو اس طرف متوجہ فرما کر یہ ہدایت فرمائی ہے۔

۱ "يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ" (۴ : ۱۳۵)	اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم رہنے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو، اگرچہ اپنی ہی ذات پر ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابلہ میں۔
"وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا	کسی قوم کی مخالفت تم کو ہرگز اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل و انصاف نہ کرو، عدل و انصاف سے کام

[1] مناقب امام احمد بن حنبل عربی ص ۱۴۵

ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ز"۔ لیا کرو کہ وہ تقوے کے زیادہ
(۵ : ۸) قریب ہے۔

اکابر اہلِ سُنّت حضرات عُلمار دیوبند کو جن خصوصیتوں سے اللہ تعالیٰ نے نوازا ہے اُن میں ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ کتاب و سُنّت پر عمل کرنا اِن حضرات کی طبیعتِ ثانیہ بن گیا تھا، ہر معاملہ میں یہ بزرگ کتاب و سُنّت پر عمل کرنے کو ترجیح دیتے نظر آتے ہیں خواہ وہ معاملہ دین سے متعلق ہو یا دُنیا سے کسی کے ساتھ دوستی و محبّت سے متعلق ہو یا بغض و نفرت سے۔

راقم الحروف کی نظر سے اکابر دیوبند کے چند ایسے واقعات گزرے جو مذکورہ بالا ہدایتِ ربّانی کا کامل مظہر اور کتاب و سُنّت پر عمل کے پُورے پُورے آئینہ دار ہیں۔ جی چاہا کہ نذرِ قارئین کیے جائیں تاکہ انہیں پتہ چلے کہ اکابر دیوبند صرف قولاً نہیں عملاً بھی اعتدال کی شاہراہِ عظیم پر قائم تھے اور اُن کا ہر معاملہ ہدایتِ ربّانی کے مطابق تھا۔

(۱) حکیم الاسلام حضرت قاری محمّد طیّب صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب انگریزوں سے ترکِ مُوالات کا استفتار پیش کیا گیا تو غایت انکسارِ نفس اور حدود شناسی کے ساتھ فرمایا کہ مجھے انگریزوں سے غیر معمولی بغض و نفرت ہے، ان کے بارے میں فتوٰے دینے میں مجھے اپنے نفس پر اعتماد نہیں ہے کہ وہ حدود کی رعایت رکھ سکے۔ دراں حالیکہ قرآن حکیم کا فیصلہ ہے کہ اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی اور یہ فرما کر اپنے مخصوص تلامیذ میں سے فتوٰے لکھنے کے لیے جن تین حضرات کا نام لیا اُن میں اوّلین نام حضرت مفتی (کفایت اللہ) صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تھا" [۱]

---

[۱] مفتی اعظم کی یاد ص ۱۲۶

غور فرمائیے ایک طرف انگریز سے بغض و نفرت کا یہ عالم ہے کہ انہیں اپنے وطن سے نکالنے کے لیے رات دن کوشاں ہیں اور کہاں کتاب اللہ پر عمل کا یہ حال کہ جب آپ سے انگریز سے ترکِ مُوالات کے متعلق استفسار کیا جاتا ہے تو یہ فرماکر کہ "مجھے انگریزوں سے غیر معمولی بغض و نفرت ہے اُن کے بارے میں فتوٰے دینے میں مجھے اپنے نفس پر اعتماد نہیں" فتوٰی دینے سے انکار فرما دیتے ہیں۔

(۲) " مولانا عبد الماجد دریابادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

" سنہ خوب یاد نہیں، غالباً سنہ ۱۹۳۰ء تھا، حکیم الاُمّت کی محفلِ خصوصی میں نمازِ چاشت کے وقت حاضری کی سعادت حاصل تھی، ذکر مرزائے قادیانی اور اُن کی جماعت کا تھا اور ظاہر ہے کہ ذکر " ذکرِ خیر" نہ تھا۔ حاضرین میں سے ایک صاحب بڑے جوش سے بولے " حضرت ان لوگوں کا دین بھی کوئی دین ہے نہ خُدا کو مانیں نہ رسُول کو"۔ حضرت نے معاً لہجہ بدل کر ارشاد فرمایا کہ " یہ زیادتی ہے توحید میں ہمارا اُن کا کوئی اختلاف نہیں اختلاف رسالت میں ہے اور اس کے بھی صرف ایک باب میں یعنی عقیدۂ ختمِ رسالت میں بات کو بات کی جگہ پر رکھنا چاہیئے، جو شخص ایک جرم کا مجرم ہے یہ تو ضرور نہیں کہ دوسرے جرائم کا بھی ہو"۔ ارشاد نے آنکھیں کھول دیں اور صاف نظر آنے لگا کہ ...... لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۔ اے مسلمانوں کسی گروہ کی مخالفت تم کو اس پر آمادہ کردے کہ تم بے انصافی پر اُتر آؤ۔ انصاف پر قائم رہو کہ یہی قرینِ تقوٰی ہے ۔ کے حکم پر عمل کے کیا معنیٰ ہیں"۔ [1]

---

[1] سچی باتیں ص ۱۳۱ یاد رہے کہ ایک غیر مقلد مولوی صاحب نے حضرت تھانوی ؒ کے اس واقعہ کو ذکر کرکے اس سے حضرت تھانوی ؒ کی مرزائیت نوازی کو ثابت کیا ہے، ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ بریں عقل و دانش بباید گریست۔

(۳) مولانا افضال الحق قاسمی فرماتے ہیں۔

۴۶ء کے الیکشن کا طوفان اُتر چکا تھا اور پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونے والا تھا، جمعیت علماء ہند اور مسلم لیگ کی تاریخی ٹکر ہو چکی تھی اتفاقاً بہار سے واپسی کے موقع پر حضرت شیخ (مدنی) رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید حمید الدین صاحب کے بچّوں کو دیکھنے کے لیے بہرائچ تشریف لے آئے صبح کے وقت مخلصین و متوسلین کا اجتماع تھا، مجلس ہی میں ایک صاحب نے عرض کیا کہ، حضرت: بازار میں خواب کی ایک کتاب پانچ آنے میں فروخت ہو رہی ہے۔ جس میں تحریر ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مسٹر جناح کو ایک جھنڈا عنایت فرمایا ہے،، یہ بات کہاں تک دُرست ہو سکتی ہے؟ ابھی حضرت کے جواب کی نوبت نہ آئی تھی کہ فوراً ایک صاحب تیز ہو کر بول اُٹھے کہ: جھُوٹا خواب ہے، لیکن حضرت نے فرمایا: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کو خواب میں نظر آسکتے ہیں۔ ممکن ہے مسٹر جناح نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔ یہ سُن کر حاضرین مجلس دم بخود رہ گئے کہ جس ذاتِ گرامی کی وجہ سے پورے ملک میں مسلم لیگ سے مقابلہ کی دُھوم مچ گئی اس کے علم و اخلاق میں کس قدر وسعت ہے کہ ہر چیز کا فیصلہ اخلاقی زاویۂ نگاہ اور دینی نقطۂ نظر سے ہوتا ہے،، [۱]

اکابر کے اِن واقعات سے اُن حضرات کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے جو بلا خوف و خطر اور بے دھڑک ہو کر اپنے مخالفین کے بارے میں ایسی باتیں کہہ دیتے ہیں کہ خدا کی پناہ حالانکہ اِن کے پاس نہ کوئی دلیل ہوتی ہے نہ حوالہ۔

---

[۱] شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات ص۱۷۶

اِتَّقُوا فِرَاسَۃَ الْمُؤْمِنِ :

مذکورہ بالا عنوان ایک حدیث شریف کا ٹکڑا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "مؤمن کی فراست سے بچو کیونکہ وہ (خدا کے عطا کردہ) نورِ بصیرت سے دیکھتا ہے"۔ واقعاتی دُنیا میں اس حدیث شریف کو جب دیکھا جاتا ہے تو یہ بالکل صحیح نظر آتی ہے بہت سے بندگانِ خدا ایسے ہیں کہ اُن کی دُوررس نگاہ وہاں تک پہنچ جاتی ہے جہاں عام لوگوں کی رسائی ممکن نہیں ہوتی، ذیل میں عالمِ اسلام کے مایہ ناز و قابلِ فخر مفتی حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ (م ۱۹۵۲/۱۳۷۲ھ) کا ایک واقعہ پیش کیا جا رہا ہے جس سے اس حدیث شریف کی صداقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔

حضرت قاضی سجاد حسین صاحب میرٹھیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

" اب سے تقریباً ۱۸ برس پہلے کا واقعہ ہے ایک ادھیڑ عمر غیر مسلم مسجد میں آیا اور مسلمان ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔ امام صاحب فتح پوری نے حسبِ معمول اسلام کی تلقین کردی اسی زمانہ میں مَیں اور بعض اساتذہ مدرسہ عالیہ کے دار الطلبہ ہی میں مقیم تھے اور ہم نے اپنے مطبخ کا الگ انتظام کر رکھا تھا جس میں ایک سادہ لوح نیک دل باورچی کام کرتا تھا۔ یہ نومسلم رفتہ رفتہ ہم تک پہنچ گیا اور ہم نے ازراہِ تالیفِ قلب اسے اپنے پاس ٹھہرالیا۔ کپڑے بنائے کچھ مالی مدد کی ساتھ کھانا کھلانا شروع کر دیا اور اس کو مدرسہ کی ابتدائی تعلیم میں شریک کردیا۔ کچھ عرصہ بعد ہم نے مفتی صاحب مرحوم سے اس نومسلم کا سارا حال بیان کیا۔ تحسین و آفرین کی اُمید پر اب تک اپنی تمام ہمدردیاں بیان کیں اور درخواست کی کہ مدرسہ کی جانب سے اس نومسلم کا تعلیمی وظیفہ جاری کر دیا جائے۔ مفتی صاحب حسبِ عادت مستفسرانہ انداز میں ہم سے معلومات حاصل

کرتے رہے اور آخر میں اپنے ایک خاص انداز میں فرمانے لگے کہ سب سے پہلے تو آپ صاحبان جواب دیں کہ آپ نے بورڈنگ میں اپنے ساتھ کس کی اجازت سے ٹھہرایا ہے ؟ گویا مفتی صاحب نے ہماری بے قاعدگی پر گرفت کی اس لیے کہ بورڈنگ میں مہمان کو ٹھہرانے کے ہم مجاز نہ تھے۔

مفتی صاحب کی گرفت اور جواب ہمارے لیے بالکل خلافِ توقع تھا ہم تو یہ اُمید لے کر گئے تھے کہ مفتی صاحب کی مجلس سے اپنے لیے آفرین و تحسین اور نومسلم کے لیے وظیفہ کی منظوری لے کر لوٹیں گے۔ مفتی صاحب کا یہ طرزِ عمل بہت تلخ اور ناگوار گزرا، اور غالباً دلی جذبات ہمارے چہروں پر نمودار ہو گئے۔ تب مفتی صاحب نے بگڑ کر ایک خاص مشفقانہ انداز میں فرمایا۔ بھائی جان اگر اس شخص نے کوئی خطرناک اقدام کر دیا تو ذمہ داری کس پر عائد ہو گی بس اس گفتگو پر مجلس برخاست ہو گئی اور ہم دل میں کڑھتے ہوئے واپس آئے۔

کچھ مُدت کے بعد نومسلم کا بار ہم پر گراں گزرنے لگا۔ پھر مفتی صاحب کے خیالات اس بارہ میں ہمیں معلوم ہی ہو چکے تھے۔ لہٰذا ہم نے نومُسلم کو جُدا کر دینا چاہا۔ اس دوران میں نومسلم ہمارے باورچی سے انتہائی غلاملا پیدا کر چکا تھا۔ جب ہم نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اُن کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی تو ہمیں اپنے اس دیانت دار باورچی سے بھی ہاتھ دھونا پڑے۔

یہ دونوں ہم سے رخصت ہو کر ریاست پٹیالہ میں جا مقیم ہوئے کچھ عرصہ تک تو باورچی کی خیریت معلوم ہوتی رہی، لیکن اچانک یہ خبر سُننے میں آئی کہ باورچی قید خانے میں ہے اور نومُسلم پھانسی پا چکا ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ پٹیالہ پہنچ کر نومُسلم نے اپنے آپ کو ڈاکٹر مشہور کیا اور

پریکٹس شروع کر دی۔ ایک دن کوئی نو عمر بچی زیور پہنے دوا لینے آئی تو زیور کے لالچ میں تو مسلم نے اس معصوم کو قتل کر ڈالا اور اپنی دکان ہی میں لاش دفن کر دی پولیس نے کیس پکڑ لیا اور تحقیق شروع کی تو معلوم ہوا کہ وہ عادی مجرم تھا بالآخر وہ تو اپنے کیفر کردار کو پہنچا اور پھانسی چڑھ گیا اور ہمارے باورچی صاحب بھی اس سے تعلق کی بنا پر جیل پہنچ گئے۔ جب ہمیں یہ سارا واقعہ معلوم ہوا تو مفتی صاحب مرحوم کی خداداد فراست کا قائل ہونا پڑا اور دل میں سوچا۔

"رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت"[1]

○

---

[1] مفتی اعظم کی یاد ص ۱۴۲!

کتابیات

۱۔ القرآن الکریم

۲۔ آپ بیتی (یاد ایام) — شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ

۳۔ احاطۂ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن — حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

۴۔ احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم — علامہ محمد بن احمد بن البناء البشاری الحنفیؒ

۵۔ احوال و آثار (رسالہ)

۶۔ احیاء علوم الدین — ابوحامد محمد بن محمد الغزالی الشافعیؒ

۷۔ اخبار الاخیار (فارسی) — شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ

۸۔ اسباب زوالِ اُمت — علامہ شکیب ارسلان

۹۔ اسد الغابہ — علامہ ابن الاثیر الجزریؒ

۱۰۔ اشرف السوانح — خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ

۱۱۔ اصلاحِ اعمال — حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

۱۲۔ الافاضات الیومیہ من افادات القومیہ — " " " "

۱۳۔ اکابر کا سلوک و احسان — شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ

۱۴۔ اکسیرِ ہدایت ترجمہ کیمیاء سعادت — مترجم مولانا محمد احسن صاحبؒ

۱۵۔ الامامۃ والسیاسۃ — ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوریؒ

انتخاب الترغیب والترہیب — مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ

۱۷۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر — مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

۱۸۔ بذل المجہود فی حل ابی داؤد — حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

۱۹۔ بوستان — مصلح الدین سعدی شیرازیؒ

۲۰۔ بیس بڑے مسلمان — مولانا عبد الرشید ارشد

۲۱۔ پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت — حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

۲۲۔ تاریخ اسلام — مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی

۲۳۔ تاریخ اطباء عہدِ مغلیہ

۲۴۔ تاریخ بغداد — ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادیؒ

۲۵۔ تاریخ الخلفاء — جلال الدین عبد الرحمٰن السیوطیؒ

۲۶۔ تاریخ طبری — علامہ ابن جریر طبریؒ

۲۷۔ تاریخ فرشتہ — ابو القاسم فرشتہ

۲۸۔ تبلیغ دین ترجمۂ اربعین غزالیؒ — حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ

۲۹۔ تحدیث نعمت — مولانا محمد منظور نعمانیؒ

۳۰۔ تذکرۃ الاولیاء (فارسی) — شیخ فرید الدین عطارؒ

۳۱۔ تذکرۃ الحفاظ — ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی الشافعیؒ

۳۲۔ تذکرۃ الرشید — حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ

۳۳۔ تذکرۃ المحدثین — مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ

۳۴۔ تذکرہ علماء سلف — مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانیؒ

۳۵۔ تعلیم المتعلم — برہان الاسلام الزرنوجیؒ

۳۶۔ تعمیرِ سیرت

۳۷۔ تفسیر القرآن الکریم — حافظ عماد الدین ابن کثیر الشافعیؒ

۳۸۔ التفسیر الکبیر — فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن عمر بن حسین الشافعیؒ

۳۹۔ تنبیہ الغافلین (عربی) — فقیہ ابو اللیث سمرقندی الحنفیؒ

۴۰۔ جامع الترمذی — محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذیؒ

۴۱۔ الجامع لاحکام القرآن — ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی المالکیؒ

۴۲۔ چشتی تعلیمات — پروفیسر نثار احمد فاروقی

۴۳۔ حاشیۃ الجمل علی الجلالین — علامہ سلیمان الجمل الشافعیؒ

۴۴۔ حاشیۃ الصاوی علی الجلالین — شیخ احمد الصاوی المالکیؒ

۴۵۔ حضرت تھانویؒ کے پسندیدہ واقعات — ترتیب مولانا ابو الحسن اعظمی

۴۶۔ حقیقتِ مال وجاہ — حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

۴۷۔ حکایاتِ اولیاء — " " " "

۴۸۔ حکایاتِ صحابہ — حضرت مولانا محمد زکریاؒ

۴۹۔ حلیۃ الاولیاء — علامہ ابو نعیم الاصفہانیؒ

۵۰۔ الدر المنضود — مولانا محمد عاقل صاحب

۵۱۔ ذکر محمود — حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

۵۲۔ ذکر و فکر — " " " "

۵۳۔ روح المعانی — سید محمود آلوسی حنفیؒ

۵۴۔ روزنامہ الجمعیۃ دار العلوم دیوبند نمبر

۵۵۔ الروض الفائق فی المواعظ والرقائق — ابو مدین شعیب بن عبداللہ بن سعد بن عبد الکافی الحریفیش

۵۶۔ رسالہ قشیریہ	علامہ ابوالقاسم قشیریؒ
۵۷۔ الزواجر عن اقتراف الکبائر	شہاب الدین احمد بن حجر الھیتمی المکی الشافعیؒ
۵۸۔ سچی باتیں	مولانا عبدالماجد دریاآبادی
۵۹۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات	پروفیسر خلیق احمد نظامیؒ
۶۰۔ سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینیؒ
۶۱۔ سنن ابی داؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانیؒ
۶۲۔ سوانح قاسمیؒ	حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ
۶۳۔ سیر اعلام النبلاء	ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذھبیؒ
۶۴۔ سیرت حسین بن منصور حلاجؒ	مولانا ظفر احمد عثمانیؒ
۶۵۔ سیرت سید احمد شہیدؒ	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
۶۶۔ شذرات الذہب	ابوالفلاح عبدالحیّ بن العماد الحنبلیؒ
۶۷۔ شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین البیہقیؒ
۶۸۔ شیخ الاسلامؒ کے حیرت انگیز واقعات	مولانا ابوالحسن بارہ بنکویؒ
۶۹۔ شیخ نظام الدین اولیاء	پروفیسر خلیق احمد نظامیؒ
۷۰۔ شہاب نامہ	قدرت اللہ شہاب
۷۱۔ صحیح البخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاریؒ
۷۲۔ الصحیح للمسلم	ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیریؒ
۷۳۔ صفۃ الصفوۃ	ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزیؒ
۷۴۔ طبقات ابن سعد	علامہ ابن سعدؒ
۷۵۔ طبقات الحنابلہ	علامہ ابن رجب الحنبلیؒ
۷۶۔ طبقات الشافعیۃ الکبری	علامہ تاج الدین سبکیؒ

۷۷۔ عقود الجمان — الشیخ ابو صالح الدمشقی الشافعیؒ

۷۸۔ الغزالی — علامہ شبلی نعمانی

۷۹۔ فضائل نماز — حضرت مولانا محمد زکریاؒ

۸۰۔ الفوائد البهیۃ فی تراجم الحنفیہ — علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ

۸۱۔ القند فی ذکر علماء سمرقند — ابو حفص نجم الدین عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل النسفیؒ

۸۲۔ قیام اللیل مروزیؒ — ابو عبد اللہ محمد بن نصر المروزیؒ

۸۳۔ کتاب الدعاء — ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانیؒ

۸۴۔ کشف المحجوب (فارسی) — علی بن عثمان الہجویری الحنفیؒ

۸۵۔ گلستان — مصلح الدین سعدی شیرازیؒ

۸۶۔ لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف بہ تفسیر خازن — علامہ علاء الدین علی بن محمد خازنؒ

۸۷۔ مآثر الأمراء — مولانا غلام علی آزاد بلگرامیؒ

۸۸۔ مؤطا امام مالک — حضرت امام مالک رحمہ اللہ

۸۹۔ ماہنامہ القاسم ج ۱۰ ش ۴ ذی قعدہ ۱۳۴۷ھ

۹۰۔ ماہنامہ ندائے شاہی فروری ۱۹۹۴ء

۹۱۔ ماہنامہ الفرقان

۹۲۔ مجمع الزوائد و منبع الفوائد — نور الدین علی بن ابی بکر الهیثمیؒ

۹۳۔ مدارج السالکین — ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر الشہیر بابن القیم الحنبلیؒ

۹۴۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ — علی بن سلطان محمد القاری الحنفیؒ

۹۵۔ مشکوٰۃ المصابیح — ولی الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب الشافعیؒ

۹۶۔ معارف القرآن — حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ

نمبر	کتاب	مصنف
۹۷۔	معرفت الٰہیہ	حضرت مولانا حکیم اختر صاحب
۹۸۔	مفتاح السعادۃ	علامہ طاش کبری زادہ الحنفیؒ
۹۹۔	مفتی اعظم کی یاد	مولانا حفیظ الرحمٰن واصفؒ
۱۰۰۔	مقالاتِ احسانی	حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ
۱۰۱۔	مکتوبات امام ربانیؒ	حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ
۱۰۲۔	مکتوبات شیخ الاسلامؒ	شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
۱۰۳۔	مناقب ابی حنیفہؒ	صدر الائمہ موفق بن احمد المکی الحنفیؒ
۱۰۴۔	مناقب امام احمد بن حنبلؒ	ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی الجوزیؒ
۱۰۵۔	نفحات الانس من حضرات القدس	عبد الرحمٰن جامیؒ
۱۰۶۔	نفحۃ العرب	شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ
۱۰۷۔	نقش حیات	شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
۱۰۸۔	نقوشِ رفتگاں	حضرت مولانا محمد تقی عثمانی
۱۰۹۔	نقوش و تاثرات	حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ
۱۱۰۔	وعظ تفاضل الاعمال	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
۱۱۱۔	وعظ ذم الھویٰ	" " " "
۱۱۲۔	وعظ ضرورۃ العلماء	" " " "
۱۱۳۔	وفیات الاعیان	شمس الدین ابن خلکانؒ
۱۱۴۔	ہدایہ شریف	برہان الدین ابو الحسن علی بن ابوبکر فرغانی الحنفیؒ
۱۱۵۔	ہم کیوں مسلمان ہوئے؟	پروفیسر عبد الغنی فاروق
۱۱۶۔	ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں	سید صباح الدین عبد الرحمٰنؒ

1. جواہر پارے (ج ۱)
2. فضیلت کی راتیں
3. شبِ برأت کی فضیلت
4. حلال و حرام
5. مسجد محلہ میں جماعت ثانیہ کا حکم
6. احکام الجنائز
7. نفل نمازوں کے فضائل
8. شکر اور فکر
9. توبہ کی حقیقت (زیر طبع)
10. گلدستۂ احادیث //
11. مجموعہ وظائف //
12. رجل رشید (سوانح مولانا قاری عبد الرشیدؒ) مطبوع
13. ضعیف حدیث کی شرعی حیثیت (زیر طبع)
14. تصوف اور صوفیائے کرام //
15. تعوذ (تفسیر اعوذ باللہ) //
16. تسمیہ (تفسیر بسم اللہ) //